نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

کے قلم سے

اردو ترجمہ

علامہ عبدالحمید نعمانی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی

نام کتاب : حضرت علیؓ (تاریخ اور سیاست کی روشنی میں)

تالیف : ڈاکٹر طٰہٰ حسین

ترجمہ : علامہ عبدالحمید نعمانی

ناشر . نفیس اکیڈمی اردو بازار. کراچی

طبع پنجم جون ۱۹۷۸ء

طبع ششم : فروری ۱۹۸۹

ایڈیشن : آفسٹ

ضخامت : ۲۷۶ صفحات

ٹیلیفون ۲۱۳۳۰۳

مطبوعہ احمد برادرز پرنٹرز کراچی

فہرست مضامین

تعارف

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہم موجودہ دور میں عربی زبان کے سب سے بڑے ادیب اور مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی دو مشہور کتابوں "الفتنة الکبریٰ عثمان" اور "علی وبنوه" کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم ان دونوں کتابوں کا تعارف قارئین کرام سے کرائیں، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم مصنف سے اپنے ناظرین کو متعارف کرائیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے ان کے والد ایک غریب اور کثیر العیال کسان تھے اور ان کے تیرہ لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ جب طٰہٰ حسین تین سال کے تھے تو اس وقت ایک بیماری کی وجہ سے دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ لیکن اندھے ہونے کے باوجود وہ ایک دوست کے سہارے مکتب میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں انھوں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ مکتب سے فارغ ہو کر وہ جامعۂ ازہر میں کئی سال تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب بچپن ہی سے آزاد خیال تھے، اس لئے جامعۂ ازہر کے اساتذہ سے ان کے اختلافات ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخری امتحان دینے سے پہلے ہی انھیں سند دیئے بغیر جامعۂ ازہر سے نکال دیا گیا۔

اسی زمانے میں مصری اہل علم کی کوششوں سے جامعۂ مصریہ قائم ہو گئی تھی جہاں یورپ کے بعض مشہور مستشرقین بھی تعلیم دیتے تھے۔ لہٰذا طٰہٰ حسین، جامعۂ مصریہ میں داخل ہو گئے، اور اطالوی مستشرق نلینو جیسے مغربی اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ۱۹۱۴ء میں انھوں نے شاندار کامیابی حاصل کی جبکہ انھوں نے مشہور فلسفی اور نابینا شاعر ابوالعلا معرّی پر اپنا تحقیقاتی مقالہ پیش کیا تھا۔ اس کے بعد انھیں فرانس بھیج دیا گیا۔ جہاں انھوں نے ساربون یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں اسی یونیورسٹی

سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس ڈگری کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے فرانسیسی زبان میں ایک تحقیقاتی مقالہ لکھا تھا۔ جس کا عنوان ہے "ابن خلدون اور اس کے فلسفۂ اجتماعی کی تشریح و تنقید"

اس یونیورسٹی میں طٰہٰ حسین کو ان کی ایک ہم جماعت فرانسیسی خاتون نے بہت علمی مدد پہنچائی۔ وہ اس نابینا طالب علم کی محسنہ ثابت ہوئیں۔ ۱۹۱۸ء میں اسی خاتون سے شادی ہوئی۔ یہی خاتون بعد میں ان کے علمی اور ادبی تصانیف میں ان کی شریک کار رہیں۔

فرانس سے واپس آنے کے بعد ڈاکٹر طٰہٰ حسین قاہرہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ یہاں آکر انھوں نے "فی الادب الجاهلی" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں اُنھوں نے یہ ثابت کیا کہ عہد جاہلیت کے اکثر اشعار جعلی ہیں۔ اس پر مذہبی حلقوں میں بہت ہنگامہ برپا ہوا۔ آخر کار لوگوں نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو نظریاتی اختلافات کے باوجود ایک محقق عالم تسلیم کر لیا۔ ۱۹۳۰ء میں طٰہٰ حسین یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ اس عرصے میں مصری حکومت ان کی مخالف ہو گئی اور انھیں قید و بند کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑے۔ لیکن آخر میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی اور انھوں نے مصری جامعات کو حکومت کی مداخلت سے آزاد کرا لیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں جب وہ وزیر تعلیم مقرر ہوئے تو اُنھوں نے ثانوی تعلیم سب بچوں کے لئے مفت کر دی اور لازمی تعلیم کے لئے جد و جہد کرتے رہے۔

موجودہ انقلابی حکومت بھی ڈاکٹر صاحب کی بہت عزت و احترام کرتی ہے۔ وہ اس وقت تمام عرب دنیا کے علمی اور ادبی رہنما ہیں، نہ صرف متحدہ عرب کی جمہوری حکومت نے انھیں اپنے ملک کی سب سے بڑی ادبی انجمن کا صدر منتخب کر رکھا ہے، بلکہ عرب حکومتیں بھی تمام علمی اور ادبی کاموں میں ان سے مشورہ لیتی رہتی ہیں۔ انھیں بہت سے علمی و ادبی اعزازات دیئے گئے ہیں۔ نیز آکسفورڈ روم۔ لیونز اور دوسری یونیورسٹیوں نے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں پیش کی ہیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین عربی زبان کے جدید طرز کے انشا پرداز اور جادو بیان مقرر ہیں۔ وہ ادب و تاریخ کے زبردست نقاد، مؤرخ، فسانہ نگار، ادیب اور مفکر ہیں۔ وہ تمام عمر علمی و ادبی تصانیف کے علاوہ مشہور جرائد و مجلات میں اعلیٰ مضامین لکھتے رہے۔ انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "الایام" کے نام سے لکھی جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ وہ اس قدر دلچسپ ہے کہ جدید عربی ادب کا شاہکار سمجھی جاتی ہے اور دنیا کی تمام مشہور یونیورسٹیوں میں نہ صرف داخلِ نصاب ہے، بلکہ دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

الفتنة الکبریٰ | اگر ہم ان کی تمام تصانیف کا تذکرہ کریں تو وہ ایک طویل داستان بن

جائے گی لہٰذا ہم اپنی اصل کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ الفتنۃ الکبریٰ کے نام سے مصنف موصوف نے دو کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا حال تحریر کیا گیا ہے اور دوسری کتاب علیؓ و نبوہ کے نام سے ہے جس میں تاریخ کی روشنی میں حضرت علیؓ اور اُن کے محترم فرزندوں کے واقعات کا محققانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتابیں نہ صرف عرب ممالک میں مقبول ہوئیں بلکہ یورپ کے علمی اور تاریخی حلقوں میں بھی انھیں بہت پسند کیا گیا۔ ان میں تاریخی واقعات کا جس طرح تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے انھیں پڑھ کر تاریخ اسلام کا ایک طالب علم حیران رہ جاتا ہے۔ یہاں اسے تاریخی واقعات اس انداز میں ملتے ہیں جن سے وہ اب تک ناواقف رہا اور عام تاریخوں میں اسے ان واقعات اور ان کے علل و نتائج کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ لہٰذا بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو زبان میں ان کتابوں کا ترجمہ اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی معلومات میں بیش بہا اضافہ کرے گا۔

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت کے ان سیاسی فتنوں کا تاریخی تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ دَور اسلامی تاریخ کا سب سے پیچیدہ اور نازک دَور تھا۔ ان کی بدولت مسلمانوں میں زبردست سیاسی اختلافات رونما ہوئے جو بعد میں مذہبی اختلافات بن گئے اور ان کے نتیجے میں تمام عالم اسلامی میں کشمکش اور اختلافات برپا ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ یہ کتابیں مسلمانوں کے تمام طبقوں کو مطمئن کر سکیں۔ مصنف کے بعض خیالات سے ہمیں بھی اتفاق نہیں ہے، اور ہمارے خیال میں ہمارے قارئین کرام کے ایک طبقے کو بھی ان سے اتفاق نہیں ہوگا۔ تاہم ان کتابوں کو پڑھتے وقت قارئین کرام کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ مصنف کا کسی مذہبی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک آزاد خیال مسلمان ہے۔ اس نے کسی فرقہ وارانہ تعصب سے یہ کتاب نہیں لکھی ہے۔ بلکہ اپنی فہم و بصیرت کو استعمال کر کے غیر جانبدارانہ تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان واقعات سے اس نے جو نتائج نکالے ہیں وہ ایک حد تک غیر جانبدارانہ اہل علم طبقے کو مطمئن کر سکیں گے اور وہ اس کی تحقیقات کی داد دیں گے۔ مصنف خود اپنے مقدمہ میں اپنا نقطۂ نگاہ اس طرح واضح کرتا ہے:۔

"میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گذرتی ہو، جو مذہبی فرقہ وارانہ تاثیر اور تعصب سے خالی ہو۔ یہ نگاہ ایک مؤرخ کی ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو اُن رجحانات، جذبات اور ذاتی خواہشوں سے بالکل الگ کر لیتا ہے۔ خواہ ان کے مظاہر کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں"۔

آگے چل کر مصنف نے اس فتنہ و فساد سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے :۔

"اس کتاب کے پڑھنے والے آگے چل کر پڑھیں گے کہ یہ نازک حالات اور خطرناک معاملات حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ان کے موافقین و مخالفین سب کے بس سے باہر تھے، وہ یہ پڑھیں گے کہ جن حالات میں حضرت عثمانؓ مسند نشین خلافت ہوئے، اگر اس وقت کسی دوسرے شخص کو بھی ان حالات میں تختِ خلافت پر بٹھا دیا جاتا تو وہ بھی اسی طرح فتنہ و فساد کے مصائب میں مبتلا ہوتا، اور لوگ اس سے بھی جدال و قتال کرتے۔"

مصنف نے آگے چل کر اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں قابل قدر بحث کی ہے۔ جو موجودہ دور میں مسلمانوں کے لئے بہت کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔ مصنف نے اپنی دونوں کتابوں میں عجیب و غریب تاریخی انکشافات کئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے یہ لکھا ہے کہ آخر زمانے میں حضرت عمر فاروقؓ یہ فرمایا کرتے تھے :۔

"جو کام میں نے بعد میں کیا اگر پہلے کرتا تو دولت مندوں سے ان کی فالتو دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔"

ہمارے خیال میں صحیح تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ مصنف نے اس کا جو تاریخی پس منظر بیان کیا ہے اور پھر ان واقعات کے اسباب و علل کا کھوج لگانے میں جو کد و کاوش کی ہے، وہ مصنف کے تاریخی معیار کو بہت بلند کر دیتی ہے۔ اس سے موجودہ نسل کو تاریخی واقعات کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ کیونکہ اس طرح قدیم مؤرخین کے ناقص بیانات کی کمی بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔

مصنف نے حضرت عمرؓ کے نظام حکومت پر بحث کرتے ہوئے موجودہ دور کی اسلامی حکومتوں کے لئے یہ نہایت عمدہ اصول بیان کیا ہے :۔

"مجھے نہ تو اشتراکیت سے بحث ہے اور نہ کمیونزم سے واسطہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نہ سوشلسٹ تحریک کے علم بردار تھے اور نہ کمیونسٹ تحریک کے لیڈر تھے۔ انھوں نے ملکیت کو اس طرح تسلیم کیا ہے جس طرح رسول اکرمؐ اور قرآن کریم نے تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے قرآن اور رسول اکرمؐ کے فیصلوں کے مطابق سرمایہ داری اور دولت مندی کی اجازت دی ہے۔ بلکہ مجھے یہاں صرف یہ بات بتانی ہے

کہ وہ سماجی انصاف، انفرادی ملکیت اور سرمایہ داری کو حرام کئے بغیر بھی قائم کیا جا سکتا ہے، جس کے لئے آج کل بعض جمہوریتیں کوشاں ہیں اور یہ چاہتی ہیں کہ انفرادی ملکیت اور سرمایہ داری کے باوجود سماجی انصاف کا مکمل نظام عملی طور پر پیش کریں۔"

موجودہ حالات کے تقاضے کے مطابق ہم نے مصنف کے چند خیالات کا یہ نمونہ پیش کیا ہے لہٰذا ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی اور یہ پڑھنے والوں کی تاریخی اور اسلامی معلومات میں بیش بہا اضافہ کریں گی۔ ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کے فتنہ و فساد کی یہ تاریخ مسلمانوں کو ان کی موجودہ گتھیوں کے سلجھانے میں مدد دے گی۔ اور ان واقعات سے وہ عبرت اور نصیحت حاصل کریں گے۔

یہ دوسری کتاب ہے جو مصر کے مشہور ادیب اور ناقد ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے الفتنۃ الکبریٰ کے موضوع پر لکھی ہے۔ پہلی کتاب میں حضرت عثمانؓ کے عہد پر مورخانہ تبصرہ تھا اور اس میں حضرت علیؓ کے دور کے حالات اور واقعات کی تاریخی تحقیق اور تنقید ہے۔ سال بھر سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ پہلی کتاب پیش کی جا چکی۔ اب اس کا دوسرا حصہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ایک تیسری کڑی بھی ہے، غالباً وہ اب تک چھپ نہیں سکی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو اختلاف اور الجھاؤ پیدا ہوا اور آگے بڑھ کر جس نے حضرت علیؓ کے ماحول اور نظامِ خلافت کو بُری طرح متاثر کیا اس پر اسلامی تاریخ کا ہر مطالعہ کرنے والا حیرت سے دم بخود رہ جاتا ہے۔ وہ بصرہ، کوفہ، جمل، نہروان، شام اور صفین کے مختلف اور متعدد عنوانوں پر جب حوادث کی تفصیل پڑھتا ہے، خود مکہ اور مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں ہونے والے واقعات پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے تعجب کی کوئی حد نہیں رہ جاتی۔ پھر روایات کی کثرت اور اس کا تضاد و تنوع اس کے لئے مزید حیرانی کا سبب بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی ان دونوں کتابوں میں واقعات کا تجزیہ اور ماحول کی تحلیل، سیاست اور تاریخ کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کے کوشش کی ہے کہ اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کا یہ تعجب دُور اور ان کی یہ حیرت ختم کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ جو کچھ ہوا حالات کا عین تقاضا تھا۔

بالکل ضروری نہیں کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا مسلک اور ان کا نقطۂ نظر سب کے لئے قابلِ قبول اور باعثِ اطمینان ہو لیکن بلا شبہ اختلاف رکھنے والوں کے لئے ان کا یہ اقدام ایک دعوتِ فکر و نظر ہے۔

کتاب کا نام علیؓ و بنوہ ہے یعنی علیؓ اور آپ کے صاحبزادے اس لئے کہ اس میں حسنؓ اور حسینؓ کا تذکرہ بھی آگیا ہے پوری کتاب کے دیکھنے سے مطالعہ کرنے والے پر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس فتنے کے دور میں حضرت علیؓ کا، حسنؓ اور حسینؓ کا موقف کیا تھا اور ان حضرات کے بالمقابل امیر معاویہؓ اور یزید کس پوزیشن میں تھے؟

حال ہی میں پاکستان سے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں مؤلف نے بتایا ہے کہ امیر معاویہؓ اور یزید کے موقف سے متعلق عامۃ المسلمین کا نقطۂ نگاہ حقیقت سے کچھ ہٹا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ خود مؤلف حقیقت تک پہنچنے میں ناکام ہے جیسا کہ ناظرین اس کتاب کی تاریخی تشریحات اور توجیہات سے اندازہ لگا سکیں گے۔

عبدالحمید نعمانی

حضرت عثمانؓ کے بعد

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو دو ایسی خطرناک مشکلیں پیش آئیں جن کی صدیق اکبرؓ کے عہد سے لے کر اب تک کی مشکلات میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک خود منصب خلافت کی مشکل اور دوسری نظام حکومت الٰہی کو برقرار رکھنے اور قاتلوں اور فسادیوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دینے کی۔

حضرت عثمانؓ کے حادثے کے دن شام ہو چکی اور مسلمانوں کا کوئی امام نہ تھا جو ان کے معاملات کا منتظم، ان کے نظام کا نگران اور اُن کے اقتدار کا حاکم ہوتا، اللہ کے احکام ان میں جاری کرتا اور سب کاموں کے بعد وہ اس عظیم الشان حکومت کے معاملات پر نظر رکھتا جس کو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے قائم کیا تھا اور حضرت عثمانؓ غنی نے جس کے حدود مشرق و مغرب تک پھیلا دیئے تھے۔ اس لئے کہ یہ مفتوحہ مقامات اور علاقے جہاں ابھی مسلمانوں کا اقتدار پوری طرح جم نہ سکا تھا اس کے محتاج تھے کہ کوئی انھیں سنبھالے اور وہاں کے نظام میں استقلال اور مضبوطی پیدا کرے اور ان کی سرحدوں کو بہت دور کر دے جو متعین ہونے نہیں پاتی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے مسلسل فتوحات کی بنا پر تغیر پذیر تھیں کہ اتنے میں فساد کا دور آ گیا اور مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے یا یوں کہیئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فتوحات سے ہٹ کر فتنوں میں مشغول ہو گئی۔

اسلامی فوجوں کا پڑاؤ سرحدوں پر اس طرح رہا کرتا کہ آج ہیں کل آگے بڑھیں۔ ان فوجوں کا کام صرف یہ نہ تھا کہ فتوحات حاصل کریں بلکہ مفتوحہ سرزمین میں آئین اسلام کا اجرا بھی انھیں کا کام تھا وہ پہلا پرانا اقتدار ختم کرکے اس کی جگہ نیا اقتدار قائم کرتی تھیں۔ پھر نظام حکومت میں ایک طرف فاتحین کے مزاج کے مطابق کچھ اضافے کرتیں، دوسری طرف مفتوحین کی طبیعت اور افتاد کی رعایت سے پہلے نظام کی کچھ باتیں باقی رکھتیں، ان اسلامی فوجوں کو اس کی ضرورت تھی کہ مزید فوج اور ساز و سامان سے کوئی ان کی امداد کرتا رہے، منصوبہ بنائے اور ضرورت کی ہر چیز ان کے لئے فراہم کرے۔

ظاہر ہے کہ جن مہاجر اور انصار نے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور خود حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی، ان کے دامن پر حضرت عثمانؓ کے خون کا دھبہ نہیں۔ یہ تو بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر مقیم فوجوں میں سے بعض ٹولیوں کا کام تھا اور بعض ان دیہاتیوں کا جو ان ٹولیوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ مہاجر زادے بھی اس کے ذمہ دار ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں اعانت کی۔

بڑے بڑے مہاجر اور صحابہؓ اس حادثے میں تین مختلف خیال کے تھے۔ زیادہ تر تو ایسے تھے جو صورت حال دیکھتے، رنجیدہ ہوتے، اصلاح کا ارادہ کرتے لیکن کچھ بن نہ پڑتی اور پھر کوتاہی یا بے نیازی سے نہیں بلکہ مجبوری اور بے چارگی سے خاموشی اختیار کر لیتے۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جن پر معاملات اچھی طرح کھل نہ سکے، انھوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ فتنے سے دور گوشۂ عافیت میں جا بیٹھیں اور غیر جانبدار رہیں، ان تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں پہنچی تھیں جن میں فتنوں سے ڈرایا گیا اور ان سے بچنے کی تائید کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض تو خانہ نشین ہو گئے اور بعضوں نے مدینہ کی سکونت چھوڑ دی کہ اپنا دین اپنے ساتھ لئے لوگوں سے دور رہیں۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جنھوں نے نہ گوشۂ عافیت میں جا پسند کیا اور نہ اپنے کو بیچارگی کے حوالے کرنا بلکہ وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ بعضوں نے خلیفہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے کوشش کی کہ باغیوں اور خلیفہ میں مصالحت کرا دیں اور بعضوں نے حضرت عثمانؓ سے شدید اختلاف کیا اور ان سے اپنی انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف لوگوں کو ابھارا، ان سے دشمنی پر آمادہ کیا اور بعضوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کا مطلب کم سے کم یہ نکلتا ہے کہ انھوں نے نہ باغیوں کو برا سمجھا اور نہ ان کو مقابلہ کرنے سے روکا۔

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو اکثر صحابہ بری طرح متاثر ہوئے کہ وہ خلیفہ کی مدد نہ کر سکے، اب انھوں نے مستقبل پر غور کیا اور تہیہ کر لیا کہ اپنے معاملات اور آنے والے واقعات کا مقابلہ کریں گے گوشۂ عافیت میں چلے جانے والوں نے کنارہ کشی میں اور شدت پیدا کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنی روش پر قائم رہے گناہ میں شریک نہیں ہوئے اور فتنے سے بچا لئے گئے۔ اب رہے دوسرے حضرات تو وہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں، اپنے اوپر اعتماد یا کسی لیڈر کا سہارا؟ اور مسلمانوں کا کوئی نظام تحریر کی صورت میں محفوظ و مقرر تو تھا نہیں، جس کے مطابق منصب خلافت جب وہ خالی ہو پر کر لیا کریں، وہ تو ایسے مواقع پر جس طرح بن پڑتی اس خلا کو پر کر لیا کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کس طرح ہوئی۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کس طرح اپنی بیعت کو ایک اتفاقی معاملہ فرماتے ہیں، جس کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں کو

فتنے سے بچالیا۔ آپ سے یہ بھی مخفی نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے درمسلمانوں سے ایک بات کہی اور مسلمانوں نے اس کو مان لیا، نہ کسی کو ناگوار ہوئی نہ کسی نے جھگڑا کیا۔ مہاجرین میں سے بعضوں نے خود حضرت صدیق اکبرؓ سے کچھ لے کرنا چاہی لیکن آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے اس کا بھی آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو کوئی ہدایت نہیں کی بلکہ اس کے لئے چھ مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ تیار کی جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر راضی رہے، ان میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی کسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں کی اور اگر فرماتے بھی تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اس لئے کہ وہ ان سے، ان کے حاشیہ نشینوں سے اور ان کے گورنروں سے واقعات کی بنا پر ناراض تھے۔

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمرؓ نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمانؓ کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے۔ اس لئے کہ عبدالرحمن بن عوف کا عثمانی خلافت کے دوران ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب باقی رہ گئے تھے۔ ان چاروں میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لہٰذا کل تین ہی رہ گئے تھے، مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ منورہ میں معاملے کے وقت موجود نہ تھے، کچھ لوگ تو ارتداد کی لڑائیوں اور روم و فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے تھے۔ ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہ تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے۔ پس حضرت عثمانؓ کے حادثے کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہ تھی جو تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر حاضر تھی۔

پھر علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ میں بھی باہم اتحاد خیال نہ تھا۔ مظلوم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرز عمل الگ تھا، اور اسباب قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی۔

حضرت علیؓ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی جیسا کہ اس کتاب کے پہلے حصے میں گذرا، انھوں نے باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان گفت وشنید کا فرض انجام دیا۔ باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا، بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمانؓ کو بھی راضی کر لیا پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علیؓ ان کو نکال باہر کرنے سے مایوس ہو گئے تو چاہا کہ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے۔ پھر سخت محاصرے کے زمانے

میں جب حضرت عثمانؓ بہت پیاسے تھے آپ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں۔

حضرت زبیرؓ نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصّہ لیا اور نہ مخالفوں کو اُبھارنے اور آمادہ کرنے میں قابلِ ذکر گرمی دکھائی، البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے، طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی۔ شاید یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی۔

اب رہے حضرت طلحہؓ تو وہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ باغیوں کو علانیہ بھڑکاتے تھے، ان کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے، حضرت عثمان نے اس کی شکایت کھلے طور پر بھی کی اور بصیغۂ راز بھی بار بار اظہار کیا، اور راویوں کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ سے امداد چاہی۔ چنانچہ آپ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے، حضرت علیؑ نے کوشش کی کہ حضرت طلحہؓ اپنی یہ روش چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آئے، تب حضرت علیؑ ان کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھی ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے حضرت عثمانؓ خوش تھے۔

راویوں کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ حاضری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے۔ طلحہؓ، تجھ سے خدا حساب لے گا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو بہرحال حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں یہ تینوں منتظر تھے کہ لوگ کیا کرتے ہیں اور حالت یہ تھی کہ پوری آبادی پر باغیوں نے خوف و ہراس کا وہ عالم طاری کر دیا تھا کہ مظلوم خلیفہ کی لاش رات کی تاریکی میں لوگوں سے بہت چھپا کر دفن کی جا سکی۔

حضرت عثمانؓ کے بعد امام کی بیعت کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہادت کے بعد ہی حضرت علیؑ کے لئے بیعت لی گئی۔ لیکن یہ واقعہ نہیں ہے۔ اس مبہوت کر دینے والی شورش اور بغاوت کے پیش نظر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کئی دن تک لوگوں نے اس طرح گزارا کہ ان کا کوئی امام نہ تھا، ان دنوں معاملات کی لگام بغاوت کے ایک لیڈر غافقی کے ہاتھ میں تھی۔

خلیفہ سے فرصت پا لینے کے بعد باغی حیران تھے، وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے اور اس امام کی بیعت جس قدر جلد ممکن ہو کر لینی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ان پر قابض ہو جائیں اور ان سے بھی طاقتور معاویہ کہیں اپنی فوج بھیج کر مدینہ پر اپنا اقتدار نہ جما لیں۔

اور پھر باغیوں کو ان کے کئے کی سزا دے دیں۔ باغی یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا امام نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ امامت کا معاملہ مہاجر اور انصار کے ہاتھ میں ہے، وہی قریش کے کسی فرد کو چن کر بیعت کرتے ہیں۔

پھر ان کی خواہشیں بھی مختلف تھیں۔ مصری حضرت علیؓ کو چاہتے تھے۔ کوفہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کے ساتھی تھے، بصرہ کے باشندے حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے۔ ان میں سے ہر ٹولی اپنے اپنے لیڈروں کے ہاں آتی جاتی تھی، لیکن تینوں لیڈر اپنی جماعت کی طرف سے پیش کردہ امامت قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ بالآخر باغیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اکیلے امام کا تقرر نہیں کر سکتے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہاجر اور انصار کا تعاون حاصل کریں، جو ان تینوں میں سے کسی کو پسند کریں، اور اس سے اس منصب کے قبول کرنے پر اصرار کریں پھر یہ ان کے اصرار کی تائید کریں، تا آنکہ وہ راضی ہو جائے۔ چنانچہ یہ باغی صحابہ کے گھروں کے چکر لگانے لگے اور ان سے اصرار کے ساتھ درخواست کرنے لگے کہ امت کے لئے ایک امام چن دیجئے۔ مہاجر اور انصار نے دیکھا کہ یہ کام تو بہر حال کرنا ہے پس انھوں نے خود سوچا اور اپنے ملنے والوں سے تبادلہ خیال کیا، اندازہ یہ ہوا کہ عام رجحان حضرت علیؓ کی طرف ہے، لوگ ان کو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں پر مقدم خیال کرتے ہیں۔

اس طرح انصار اور مہاجرین نے حضرت علیؓ کو خلافت کا منصب پیش کیا اور ان سے قبول کر لینے پر اصرار بھی کیا، پھر باغیوں نے اس اصرار کی تائید کر دی۔ حضرت علیؓ نے انکار کرنا چاہا لیکن انھیں انکار کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ باغیوں کے پیش کرنے پر آپ نے ضرور انکار کیا تھا۔ اب جب کہ انصار بھی پیش کر رہے ہیں اور سابق تقلید کی طرح کرنا چاہتے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہ رہی چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور سابقہ روایت کے مطابق منبر نبوی پر جا بیٹھے اور لوگ آ کر بیعت کرنے لگے۔ ہاں چند آدمیوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے اصرار بھی نہیں کیا، اور نہ باغیوں کو اجازت دی کہ ان کو مجبور کریں۔ ان چند آدمیوں میں ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں جو مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے۔ انھوں نے انکار کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے کہا: "آپ میری طرف سے مطمئن رہیئے۔" حضرت علیؓ نے ان کو اس بات کی اجازت دے دی۔ انکار کرنے والوں میں دوسرے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے امن پسندی اور لوگوں کے معاملات میں دخل در معقولات نہ کرنے کی ضمانت چاہی۔ انکار کرنے پر حضرت علیؓ نے کہا "چھوٹے سے بڑے ہو گئے لیکن میں نے ہمیشہ تم کو ناشائستہ پایا۔" اس کے بعد فرمایا: "اسے جانے دو، میں خود اس کا ضامن ہوں۔" گوشہ نشینوں کی

جماعت نے بھی بیعت سے انکار کیا تھا۔ حضرت علیؑ نے ان کو بھی مجبور کرنا نہیں چاہا اور نہ ان پر کسی زیادتی کے روادار ہوئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی، لیکن باغیوں نے ان کو مجبور کیا اور حضرت علیؑ نے بھی ان دونوں کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی طرح معاف نہیں کر دیا، اس لئے کہ باغیوں کی طرح ان کو حضرت علیؑ بھی خوب جانتے تھے، ان کو معلوم تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں اور جانتے تھے کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر کسی کو اکسایا نہیں لیکن کسی باغی کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں وہ حضرت طلحہؓ سے کم نہیں، اس لئے ان کو بیعت سے معاف نہیں کیا کہ جس قدر بھی ہو سکے ان کو پابند کریں۔ بعض روایات کے مطابق حضرت علیؑ کی بیعت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے پانچ دن بعد ہوئی، اور روایتوں میں آٹھ دن ہے۔ اس کے بعد یہ بات عام ہوگئی کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں اور حجاز پر حضرت علیؑ کی سیادت قائم ہوگئی۔

حضرت علیؑ کے لئے ایک غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ شام کا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک تو شام بغاوت سے الگ رہا، دوسرے اس کی زمام حکومت حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ شام اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؑ کا طرز عمل کیا رہا۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ مسلمانوں کے امام ہو گئے۔ مدینے میں جو مہاجر اور انصار موجود تھے، انھوں نے آپ کی بیعت کر لی، سرحدوں کی طرف سے ان باغیوں نے آپ کی بیعت کی جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو خطرناک مشکلوں میں سے ایک یعنی خلافت اور خلیفہ کی مشکل کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ حضرت علیؑ اور عام لوگوں پر یہ واضح ہو گیا کہ مصیبت دور ہو گئی اور اب اس کے بعد تمام معاملات میں امن، خوشگواری اور استقلال پیدا ہو جائے گا۔

نئے امام کے لئے ضروری تھا کہ اب دوسری خطرناک مشکل کی طرف متوجہ ہو۔ یہ دوسری مشکل مقتول امام کا مسئلہ ہے۔ نئے امام کا فرض ہے کہ وہ مقتول امام کے خون اور اس کے قاتلوں کے بارے میں اللہ کے فرمان اور دین کے حکم کا اعلان کرے۔ اگر مقتول امام ظالم تھا تب تو بدلے کی اور قاتلوں سے قصاص کی کوئی بات نہیں، لیکن اگر مظلوم تھا تو جدید امام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا بدلہ لے اور قاتلوں پر قصاص کا حکم جاری کرے جو اللہ کا فرمان ہے۔

مہاجر اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت عثمانؓ مظلوم تھے اور امام کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ اس خون کا بدلہ لے کہ اگر حقوق کی پامالی کی جاتی رہی، خون ریزی ہوتی رہی اور

حدود کا اجرا عمل میں نہیں آیا تو دین کے قیام کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ مقتول اگر کوئی معمولی انسان ہوتا، تب بھی یہ سب کچھ ہونا ضروری ہے، چہ جائیکہ وہ امام اور مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ مہاجر اور انصار کہا کرتے تھے، عثمانؓ کے قاتلوں سے اگر ہم قصاص نہ لیں تو لوگ اس بات سے کس طرح رُک سکیں گے کہ جس امام پر غصّہ آیا اس کے خلاف بغاوت کردی اور پھر اس کو قتل کر دیا۔ یہی بات لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہی، آپ نے سنا اور ان کے خیال کی تصدیق کی، اس کے بعد اُن کے سامنے حقیقت کی یہ تصویر رکھی کہ جہاں تک اقتدار کا سوال ہے بلاشک وہ بیعت کے ذریعے میری طرف منتقل ہو چکا ہے لیکن عملاً تو وہ اب تک باغیوں کے ہاتھ میں ہے۔ آج شہر پر انھیں کا فوجی قبضہ ہے خلیفہ اور صحابہ بے بس ہیں۔ وہ شہر اور شہریوں کے بارے میں جیسا بھی چاہیں فیصلہ کرسکتے ہیں۔ ایسی حالت میں اچھا یہ ہے کہ کچھ دنوں مہلت اور معقولیت کا سہارا لیا جائے تاآنکہ معاملات سیدھے ہوجائیں، اور خلیفہ کا اقتدار مستحکم ہوجائے۔ اس کے بعد اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے گی۔ اور کتاب وسنت کی روشنی میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا۔

صحابہ تو حضرت علیؓ کے نقطۂ نظر سے مطمئن ہوگئے لیکن باغیوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اُنھوں نے خلیفہ کا خون اس لئے کیا ہے کہ وہ ظالم تھا جس کے بدلے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ امام کو اس کے عوض کسی کی جان لینی چاہیئے۔

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون کی تحقیق کا ارادہ کیا لیکن کارروائی کی تکمیل کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ایک جماعت بضد تھی کہ حضرت عثمانؓ کے خون میں محمد بن ابوبکرؓ کا ہاتھ بھی ہے یہ محمد بن ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی اور خود حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عثمانؓ کے قاتل ہو؟ انھوں نے انکار کیا اور حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے ان کی تصدیق کردی۔ لیکن جیسے ہی باغیوں کو بھنک لگی کہ حضرت علیؓ تحقیقات کر رہے ہیں اُنھوں نے اپنے اتحاد اور غصّے کا اظہار کیا، جس کے بعد حضرت علیؓ نے وہ روش اختیار کی جس کا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں، اور موقع کا انتظار کرنے لگے۔ آپ کے ساتھ مدینہ کے عام صحابہ بھی منتظر رہے۔

شاید ناظرین کو یاد ہوگا کہ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کو جس قسم کا الجھاؤ پیش آیا تھا حضرت علیؓ کو بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اسی قسم کی ایک پیچیدگی کا سامنا ہوا۔ حضرت

عثمانؓ کو سب سے پہلی شکل حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کی پیش آئی جنھوں نے ہرمزان کو اس تہمت پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے ان کے باپ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن عبیداللہ نے یہ خون بلا ثبوت اور بلا دلیل کیا تھا، ان کے پاس اس کے لئے قاضی کا کوئی فیصلہ نہ تھا۔

مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال تھا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں کہ عبیداللہ پر قتل کی حد جاری ہونا چاہیئے اور ایک دوسری جماعت پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے قتل سے کریں۔ حضرت عثمانؓ نے عبیداللہ کو معاف کر دیا۔ اس لئے کہ ہرمزان کا کوئی ولی نہ تھا جو خون کا دعویٰ کرتا۔ ایسی حالت میں خلیفہ ولی ہوتا ہے جسے معاف کر دینے کا بھی حق ہے، اس وقت حضرت علیؓ اور بہت سے مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اس کو ایک ظلم، ایک خون ناحق اور اللہ کی حدود میں ایک تجاوز خیال کیا۔ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اس فاسق کو پا جاؤں گا تو ہرمزان کے قتل کے بدلے اس کو ختم کر دوں گا۔

حضرتِ عثمانؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا لڑکا ناحق خون کے الزام میں پیش ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اس کو معاف کر دیتے ہیں، اور اس معافی پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک دوسرے خلیفہ کا لڑکا قتل کے الزام میں پیش ہوتا ہے اور قتل بھی کس کا، رعایا میں سے کسی پناہ گزین غیر ملکی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک امام کا، لیکن علیؓ محمد بن ابوبکرؓ کو معاف نہیں کرتے، اس کی تحقیقات کرتے ہیں، جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے، اس کے بعد واقعات اور حالات مزید تحقیقات کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کے حق میں دین کا حکم جاری نہیں ہونے پاتا۔

اور واقعہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابوبکرؓ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کا خون نہیں کیا بلکہ وہ اوروں کی طرح دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے محمد بن ابوبکرؓ کا گہرا یا ہلکا تعلق ضرور تھا۔ لیکن اس خونی حادثے سے جن لوگوں کا پورا پورا تعلق تھا وہ اتنے زیادہ اتنے قوی اور اتنے خوفناک تھے جن پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا، یا جدید امام ان سے قصاص نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے آگے پڑھیں گے کہ ان کی وجہ سے مقتول خلیفہ کا قضیہ مشکل اور پیچیدہ ہی ہوتا گیا۔

حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال

جس خوشنودی، خوشدلی اور سکون قلب کے ساتھ بڑھتی ہوئی اُمنگوں اور شگفتہ امیدوں کے ماحول میں مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا استقبال کیا تھا وہ بات حضرت علیؓ کی خلافت کے استقبال میں نہ تھی، یہاں تو سکتے کا عالم تھا اور بے چینی، خوف و ہراس تھا اور اضطراب، لوگوں میں کشاکش اور معاملات میں پیچیدگی، اس لئے نہیں کہ حضرت علیؓ میں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی، بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی ایسا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطراری طور پر پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ خلافت کے تخت پر ایک ایسے خلیفہ کے بعد بیٹھے جو بڑا صاحب اقتدار اور سخت گیر تھا۔ انصاف کی خاطر اس نے لوگوں کو جن پر خار اور دشوار گذار راہوں پر چلایا اس کی تاب وہی لا سکتے تھے جو ارادے کے بڑے پکے اور جن میں صبر و برداشت کا غیر معمولی حوصلہ ہو۔ اس نے لوگوں کے معاملے میں بڑی شدت برتی۔ ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اللہ کے معاملے میں حضرت عمرؓ عموماً مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر قریش کے لئے کتنے سخت تھے، اور کس طرح خطرہ تھا کہ قریش کہیں اپنے لئے یا دوسروں کے لئے فتنے کا باعث نہ بن جائیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سختی کی جگہ نرمی، گرفت کی جگہ چشم پوشی، تنگی کی جگہ فراخی سے کام لیا، مشقت کے بدلے راحت پہنچائی، وظیفوں میں اضافہ کر دیا، دشواریوں کی جگہ آسانیاں فراہم کر دیں۔ لوگوں نے ان کی خلافت کے ابتدائی برسوں میں اُن کو حضرت عمرؓ سے بڑھ کر جانا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا دور آیا، انھوں نے مقررہ وظیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا نہ مال غنیمت میں سے کچھ دیا، نہ لوگوں کے کاموں میں کچھ آسانی پیدا کی، اور کرنا چاہا تو یہ کہ حضرت عمرؓ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے وہاں سے پھر چلنا شروع کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے بعد لوگ امن و اطمینان سے تھے، ہاں ان کے اطمینان میں ایک ہلکے رنج کی آمیزش ضرور ہو گئی تھی اور وہ مغموم سے تھے کہ ان کا یہ نیک اور متقی امام دھوکے سے مارا گیا۔ یہ حادثہ مہاجرا اور انصار کی موجودگی میں نہیں ہوا، اور نہ شہروں اور سرحدوں کے باشندوں اور فوجیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، پس یہ حادثہ بیک وقت شدید تھا اور آسان بھی جس کی بلیغ ترین تعبیر میں

حضرت عمرؓ نے خنجر کا مہلک زخم لگ جانے پر قرآن مجید کی آیت پڑھی، وکان امر اللہ قدرا مقدوراً یعنی اللہ کا حکم پہلے سے تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

پس حضرت عمرؓ کی وفات مقدرات میں سے ایک بات تھی، نہ کوئی ٹولی حملہ آور ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑی اور نہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی، ایک معمولی مکار نے دھوکا دیا جس میں موت کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

مگر حضرت عثمانؓ کا خون، تو ایک بے لگام بغاوت اور ایک ایسے فتنے کا نتیجہ تھا جس میں لوگ اپنی تمیز کھو چکے تھے، انھیں یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ رہے ہیں یا پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا خون اس خوف و ہراس کا نتیجہ تھا جو ایک عرصے تک پورے مدینہ پر چھایا رہا اور بعد میں دور دور تک پہنچا، جس سے لوگ گھبرا اٹھے۔ والیانِ ریاست یعنی صوبے کے حاکموں نے فوجیں تیار کیں، سرحدوں پر بھیجنے کے لئے نہیں جہاں بھیجنے کی ضرورت تھی بلکہ دارالحکومت مدینہ منورہ کے لئے تاکہ وہاں کا امن بحال کیا جائے اور خوف و ہراس کا خاتمہ ہو اور خلیفہ کو محاصرے سے نکالا جائے لیکن ابھی یہ فوجیں دارالحکومت تک پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ خلیفہ کو قتل کر دیا گیا۔ فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو گئیں اور مدینہ میں بدستور خوف و دہشت اور بے چینی کا دور دورہ رہا۔

حج کے زمانے میں بغاوت کی خبریں حاجیوں تک پہنچ چکی تھیں، عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو حضرت عباسؓ کا وہ اعلان سنایا تھا جس میں آپ نے ظلم و زیادتی سے اپنے کو بری بتایا تھا اور باغیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ لوگوں نے خوف و ہراس کی حالت میں حج کے احکام ادا کئے اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں واپس آکر ہم وطنوں سے مدینہ کے پرخطر حالات کا بیان کیا۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت کا استقبال مسلمانوں نے اداس چہروں اور بے چینی بھرے دلوں سے کیا جبکہ ان کی پریشانی اور بے اطمینانی یہ دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی کہ قاتل باغی ابھی مدینے ہی میں ہیں اور قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جدید خلیفہ اور اس کی بیعت کرنے والے مہاجر اور انصار باغیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے جب معلوم کرنا چاہا کہ خلیفہ وقت پر شورش کے سبب کیا گذری اور کس طرح گذری، تو وہ اس کی تحقیقات کرنے پر قدرت نہ پا سکے، علاوہ ازیں مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو خوب جانتے تھے، ان کا اندازہ تھا کہ سب نہیں تو بعض گورنر ضرور اس نئی خلافت سے اپنی ناگواری کا اظہار کریں گے کے خلیفہ

سے جھگڑا کریں گے، خاص طور پر ان کو معاویہؓ ابن ابی سفیان سے ڈر تھا کہ ان کو معلوم تھا کہ مقتول خلیفہ سے معاویہ کی رشتہ داری ہے۔ ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شامی معاویہ کے فرماں بردار ہیں۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے سے، ان کے حاکم ہیں، مدینہ والے جانتے تھے کہ بنی امیہ میں معاویہؓ کا پوزیشن کتنا اونچا ہے اور یہ کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں ظہور اسلام سے بھی پہلے کی قدیم عداوت ہے۔ نبیؐ اور ان کے صحابہؓ جب اپنا نیا دین لے کر مدینہ کی طرف نکلے، تو قریش کی قیادت ابوسفیان نے کی، جب بدر کے معرکے میں قریشی سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا تو اُحد کے معرکے میں قریش کے ساتھ ابوسفیان ہی آئے اور بدر کے مشترک مقتولوں کا بدلہ لیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جو معاویہ کی ماں ہے وحشیؓ[1] کو اس خوشی میں آزاد کر دیا کہ اس نے حمزہؓ کو قتل کر دیا، ہندہ حمزہؓ کے قتل کے بعد میدان معرکہ میں جاتی ہے، پڑی ہوئی لاشوں میں حمزہؓ کو تلاش کرتی ہے، جب ان کی لاش پا جاتی ہے تو پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالتی ہے اور اس کو چباتی ہے۔ خندق کے معرکے میں ابوسفیان ہی قریش کے قائد تھے۔ انھوں نے ہی عربوں کو نبیؐ اور صحابہؓ کی مخالفت میں یکجا کیا، یہودیوں کو اس طرح اکسایا کہ انھوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نبیؐ اور صحابہؓ کے ساتھ کیا تھا، یہ ابوسفیان ہی تھے جو قریش کو نبیؐ کے مدمقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرتؐ کے خلاف مکاریاں اور چال بازیاں کرتے رہے یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن آگئے اور اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

لوگ حضرت معاویہؓ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب بن چکے تھے، ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے۔[2] وہ مسلمان تھے اور مخلص مسلمان تھے۔ آنحضرت

---

[1] ایک حبشی غلام کا نام جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر حمزہؓ کو قتل کر دیا جائے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور حضرت عثمانؓ بن عفان لکھا کرتے تھے اگر یہ غیر حاضر ہوتے تو وحی کی کتابت ابی ابی کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ آپ کی ذاتی ضروریات کے حالات تحریر کرتے اور عبداللہ بن ارقم بن عبدیغوث اور علا بن عقبہؓ لوگوں کی ضروریات کیلئے کتابت کیا کرتے تھے اور زیادہ تر عبداللہ بن ارقم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں کو خطوط لکھے، اسی طرح ابن ابی حدید نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک تھے لیکن ان کی کتابت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھی، ارباب سیر محققین کا مسلک یہ ہے کہ وحی کی کتابت تو علیؑ اور زید بن ثابتؓ اور زید بن ارقم کیا کرتے تھے اور حنظلہ بن ربیع تیمی اور معاویہ بن ابی سفیان بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام آنحضرت کی طرف سے خطوط لکھتے تھے اسی طرح یاد دلی آپ کی ضروریات اور صدقات کے بارے میں آمد اور تقسیم بھی لکھا کرتے تھے (الحسین مصنفہ علی جلال حسینی ص ۹۱ مطبوعہ قاہرہ)

مترجم

کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، ان تمام باتوں کے باوجود معاویہؓ بہر حال اُحد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابو سفیانؓ کے بیٹے تھے، وہ ہندہ کے لڑکے تھے جس کی حمزہؓ کی دشمنی کا یہ عالم کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کر کے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔

مسلمان حضرت معاویہؓ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو امان یافتہ کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا" جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، تم سے کوئی باز پرس نہیں"۔

لوگ ان باتوں کو جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہاشمی خلیفہ اور اموی امیر کے درمیان معاملات کا تصفیہ آسانی اور نرمی سے طے نہیں پا سکتا، لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رُخ بنی ہاشم کی طرف سے اس لئے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن و عافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی، لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نواز کر بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا ہے۔ اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہیئے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو صرف یہی خطرہ نہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا ہوگا بلکہ وہ ڈرتے تھے کہ ایک طرف تو علیؓ اور بنی ہاشم کے تعلقات میں خرابی پیدا ہوگی، دوسری طرف کل خاندان قریش باہم دست و گریبان ہوگا۔ ان حالات میں وہ اپنے سامنے ایک ایسی زندگی دیکھ رہے تھے جس کی صبح و شام میں نہ امن و عافیت تھی نہ فراخی اور خوش حالی، البتہ خوف تھا اور بے چینی، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ زندگی آگے چل کر انھیں مصیبت کے کسی بڑے دلدل میں نہ پھنسا دے۔ وہ جب غور کرتے انھیں نظر آتا کہ بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ کی ایک جماعت معاملات سے دور رہنا پسند کرتی ہے اور لوگوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے معاملات سے الگ رہی۔ حضرت علیؓ کی بیعت میں حصہ نہیں لیا اور انتظار میں وقت گذارتی رہی۔ اس جماعت میں اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جو خوبی اور نیکی میں انتخاب تھے اور اس قابل کہ سب سے زیادہ ان کا احترام کیا جائے جیسے سعد بن ابی وقاصؓ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے، فارس کے فاتح۔ نبیؐ جن لوگوں سے خوش ہو کر دنیا سے گئے، ان میں ایک فاروق اعظمؓ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے رکن اور جیسے عبداللہ ابن عمرؓ وہ مرد نیک جو مسلمانوں میں اختلاف خیال کے باوجود اپنے دینی تفقہ کی وجہ سے مقبول ہیں۔

محاسن کے دلدادہ، حرص و طمع سے دور، اور مسلمانوں کے بلاد و رعایت خیر خواہ۔

پھر لوگوں نے دیکھا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے رضا اور رغبت کے ساتھ بیعت نہیں کی ہے ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور حالات کا اندازہ لگا کر کیوں نہ لوگ سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں۔

تاہم نئے خلیفہ ایسی قابلیت کے مالک تھے کہ لوگوں کا دل اطمینان اور اُمیدوں سے بھر دیا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، حضرت اُم المومنین خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے، مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے، اسلام کی دعوت اور اعلان کے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہنے والے۔ اللہ کے رسول صلعم نے احساس فرمایا کہ ابو طالب زندگی کے دن تنگی میں گذار رہے ہیں، آپؐ نے کوشش کی کہ بیٹوں کا بوجھ اُٹھانے میں، دوسرے چچا ابو طالب کی امداد کریں، چنانچہ صرف عقیل ابو طالب کے پاس رہ گئے، اور وہ یہ چاہتے بھی تھے، باقی دوسرے لڑکے اور بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی تربیت و پرداخت فرمانے لگے، جب اللہ نے آپؐ کو نبوت کے لئے پسند فرمایا تو حضرت علیؓ آپؐ کی تربیت میں تھے، اور ابھی دس سال سے کچھ ہی بڑے تھے۔ پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے۔ نبی کریمؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی، وہ آپ کو غیر معمولی درجے میں مقدم رکھتے تھے۔ ہجرت کے موقعہ پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپ نے ان کے مالکوں تک پہنچا دیا۔ پھر قریش نے جس رات اللہ کے رسول صلعم کو قتل کر دینے کی سازش کی تھی، آپ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے، اس کے بعد آپ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، اس کے بعد مواخات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ کا بھائی چارہ قائم کیا، پھر اپنی لڑکی حضرت فاطمہؓ سے بیاہ دیا، بعد میں تمام غزوات میں حضرت علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، سخت معرکوں میں علم آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا، خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کو رسول کو بھی اس سے محبت ہے۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا۔ مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک جانے لگے تو فرمایا تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہو۔ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپؐ نے فرمایا جس کا میں سردار ہوں علیؓ بھی اس کے سردار ہیں، اے خدا جو علیؓ کو دوست رکھے، اُس کو تو بھی دوست رکھ، اور جو اس سے

دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے علم اور تفقہ سے خوب واقف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے زیادہ فیصلہ کرنے کی طاقت حضرت علیؓ میں ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب کسی معاملے کے فیصلے میں پیچیدگی کا سامنا ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کرتے، حضرت عمرؓ نے جب شوریٰ کی ہدایت کی تھی اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اس چٹیل پیروالے کو مسلمان اگر اپنا ولی بنالیں تو وہ ان کو بے راہ نہیں ہونے دے گا، حضرت علیؓ کے محامد اور محاسن بہت زیادہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنے اختلاف کے باوجود ان کے محاسن کا اعتراف کرتے ہیں، تابعی بزرگ ان اوصاف کے قائل ہیں، اہلِ سنت کا ان فضائل پر یقین ہے جس طرح شیعوں کا یقین ہے۔

آگے چل کر جب ہم حضرت علیؓ کی سیرت اور مشکلات اور مصائب میں ان کے طرزِ عمل کی تفصیل پیش کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت علیؓ مذکورہ بالا فضائل اور محاسن بلکہ اس سے بھی زیادہ کے اہل تھے اور بلاشبہ آپ میں سب سے زیادہ یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں میں فاروقِ اعظمؓ جیسی روش اختیار کریں اور ان کو اسی راہ پر لے جائیں اور اگر حالات سازگار ہوتے تو حضرت علیؓ مسلمانوں کو بھلائی، کامیابی اور سعادت کی اس منزل پر پہنچا دیتے جہاں ان کو حضرت عمرؓ پہنچا چکے تھے۔

حضرت عمرؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، بڑی سچی فراست کے مالک تھے، انھوں نے بالکل ٹھیک اندازہ کیا تھا جس میں کوئی غلطی نہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ کو خلافت دے دی جاتی تو وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکنے نہ دیتے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، وہ بھی حق کے بارے میں سختی سے پیش آتے ہیں، حق کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں، حق کا انکار کرنے والوں یا حق کے معاملہ میں تنگی برتنے والوں کے لئے بڑے سخت ہیں۔ لیکن قوم نے ابن خطاب کی وفات کے بعد جب دنیا قدموں پر گر رہی تھی، جب سرگرمیوں میں قوت تھی، جب اقدام نتیجہ خیز تھا، جب معقولیت اور ذہانت کارفرما تھی اور معاملات مسلمانوں کی منشا کے مطابق چل رہے تھے، حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا اور بنایا تو حضرت عثمانؓ کو بنایا، پھر نتیجہ دونوں کے حق میں جو کچھ ہونا تھا ہوا۔ اس کے بعد جب دنیا بگڑ گئی معاملات میں انتشار ہو گیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہو گئی، بعضوں نے بعض کے ساتھ بدگمانی کی حد کر دی، بعضوں نے بعض کے خلاف کارروائیوں کی انتہا کر دی، تب جا کر کہیں ایک اچھی خاصی تعداد نے حضرت علیؓ سے التجا کی اور آپ کی بیعت کی، کچھ لوگ ضرور آپ سے دور رہے لیکن ان کا مقصد آپ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا نہ تھا، ہاں ایک جماعت نے آپ کی بیعت سے انکار کیا، وہ آپ کو

پسند کرتی تھی اور نہ اسے آپ کی اطاعت منظور تھی، اب نئے خلیفہ اور اس کے ساتھیوں نے جو نظر اُٹھائی تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی حالات اور معاملات سے دوچار ہیں، وہ ایک ایسے مشتبہ فتنے کے گھیرے میں ہیں جس کی تاریکی بینائی کا خاتمہ کر چکی ہے، آدمی اس میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو اپنا ہاتھ نظر نہ آئے۔

بڑی بڑی مشکلات کے ان پہاڑوں اور فتنہ و فساد کی ان بے رحم تاریکیوں کے درمیان بھی ایک بالکل مطمئن آدمی کی طرح حضرت علیؓ اپنے دل میں ایمان کی صداقت، دین کی سچی محبت، حق کی بقا کا جذبہ اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی کی تڑپ بہ تمام کمال پاتے تھے، اسلام کے معاملے میں انھوں نے نہ سرمو انحراف کیا اور نہ ذرا بھی رو رعایت کی، جدھر حق دیکھا اُدھر چل پڑے، پھر کسی طرف نہیں جھکے، نہ کسی کا انتظار کیا، انجام کی بھی پرواہ نہ کی، اس کو اہمیت نہ دی کہ کامیاب ہوں گے یا ناکام زندگی ملے گی یا موت، ہاں اہمیت تھی تو اس کی کہ راستے بھر اللہ راضی رہے اور دل مطمئن۔

خلافت اور بنی ہاشم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباسؓ دونوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ منصب خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے، یہ نہ کسی اور خاندان میں منتقل ہونا چاہیئے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنانا چاہیئے۔ اور اگر حضرت عباسؓ اسلام لانے میں پچھڑ نہ گئے ہوتے، تو بھتیجے کی جانشینی کے لئے یقیناً خود اپنی ذات کو پیش کر دیتے اور مسلمانوں پر حکومت کی وراثت حاصل کر لیتے۔ لیکن اُنھوں نے معاملہ پر غور کیا اور سمجھا کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کے وارث بننے کے ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ اس لئے اسلام لانے میں اُنھوں نے پہل کی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرورش کردہ ہیں۔ وہ غزوات کی مصیبتوں میں پوری طرح ثابت قدم رہے، اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھائی کہا کرتے تھے، جس پر ایک دن اُم ایمن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزاح کرتے ہوئے کہا تھا۔ بھائی بھی کہتے ہیں اور انھیں سے اپنی لڑکی بھی بیاہ دی ہے۔ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے فرمایا ہے کہ وہ میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہیں، اور یہ کہ جس کا میں سردار ہوں حضرت علیؓ بھی اس کے سردار ہیں۔

انھیں تمام باتوں کے پیش نظر عباسؓ وفات نبویؐ کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا۔ لیکن حضرت علیؓ نے فتنے کا خطرہ محسوس کر کے اس سے انکار

کر دیا، اس واقعہ کا تذکرہ بہت دنوں بعد حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کیا، قریش کے ایک اور آدمی نے چاہا تھا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کرلے، اس کی یہ خواہش اس لئے نہیں تھی کہ حضرت علیؓ سے محبت تھی اور وہ آپ سے خوش یا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خاص تعلق کا اعتراف کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کا یہ ارادہ عبد المناف کی خاندانی عصبیت کی بنا پر تھا، یہ آدمی ابوسفیان ہے، اسلام سے مقابلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے دوران میں یہی آدمی قریش کا سردار تھا، اس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر مکہ پر چھا گیا ہے تو مجبوراً اسلام قبول کرلیا، حضرت عباسؓ اس کو نبی کریم صلعم کی خدمت میں لائے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دینے میں اس کو کچھ تردد نہیں ہوا، اس لئے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہ ہونے کا اعتراف کرلینے میں اس کے نزدیک کوئی مضائقہ کی بات نہ تھی۔ لیکن جب اس سے یہ شہادت طلب کی گئی کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا کہ اس کے بارے میں میرا دل صاف نہیں ہے، اور اگر حضرت عباسؓ اس کو آمادہ نہ کرتے اور قتل کی دھمکی نہ دیتے تو وہ ہرگز رسالت کا اقرار نہ کرتا، بہرحال وہ مسلمان ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں اس کے وقار کی رعایت رکھ کر جب اسلامی فوج مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہی تھی اس کے گھر کو بھی امن کی جگہ قرار دی۔ پس حضرت ابوسفیان ان امان یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کے رسولؐ نے مکہ کے فاتحانہ داخلے کے موقع پر معاف کردیا تھا، ان واقعات کے پیش نظر اس کو اپنے خلیفۃ المسلمین ہونے کا تو خیال بھی نہیں آسکتا تھا۔ البتہ اس نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باپ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور یہ کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کی وراثت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن خلافت قبیلہ تیم کے ایک آدمی حضرت ابوبکرؓ کو دی جارہی ہے اور اندازہ ہے کہ اس کے بعد یہ منصب قبیلہ عدی کے ایک شخص عمرؓ تک پہنچے گا تو اس نے باپ کی قریبی اولاد کو چچا کے بیٹوں پر ترجیح دی اور حضرت علیؓ سے کہا ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا، لیکن حضرت علیؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی طرح اس کی بات ماننے سے بھی انکار کردیا، اگر آپ ان دونوں بوڑھوں کی بات مان لیتے تو مسلمانوں میں خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کردیتے، پھر اس فتنے کا مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ پانے کی بات تو درکنار اس کی برداشت ہی بس سے باہر ہوتی۔

اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیعت کے معاملے میں انصار میں اختلاف تھا، اب اگر قریش میں بھی پھوٹ پڑ جاتی تو انجام کیا ہوتا، اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کچھ عرب دین سے پھرنے لگے تھے، اب اگر قریش

اور انصار ایک دوسرے کے مقابل ہو جاتے تو صورت حال کا نقشہ کیا ہوتا؟

پس حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیان سے اپنی بیعت کا انکار کرنے میں بالکل حق بجانب تھے، ان کا طرز عمل سراپا خیر تھا، وہ اللہ اور اسلام کے پوری طرح مخلص تھے، اپنی ذات کو خلافت کے لئے پیش نہیں کیا اور نہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ سے جھگڑا کیا۔ بلکہ لوگوں کی طرح ان کی بیعت کر لی۔ طبیعت کو تقاضے کے خلاف دبایا اور مسلمانوں کی خاطر اپنی طبیعت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اپنے حق سے چشم پوشی کر لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا اندازہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلافت انھیں کو ملے گی اور مسلمان اس بوڑھے کو خلیفہ بنا دینے میں معذور تھے، جس کو اپنی بیماری کے دنوں میں آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرے۔ تاہم حضرت علیؓ نے بیعت کرنے میں تیزی نہیں دکھائی، بلکہ کچھ دیر لگائی، شاید وہ حضرت ابوبکرؓ سے خفا تھے، جس طرح فاطمہؑ خدا کی ان پر رحمت ہو حضرت ابوبکرؓ سے خفا تھیں، اس لئے کہ جب انھوں نے اپنے باپ کی میراث ان سے طلب کی تو حضرت ابوبکرؓ نے انکار کرتے ہوئے حضرتؐ کی حدیث سنائی۔ "ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ سب کا سب صدقہ ہے۔" لیکن بہرحال حضرت علیؓ آئے اور بیعت کرتے ہوئے اپنی تاخیر کا یہ عذر پیش کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ قرآن جمع کر لینے کے بعد ہی گھر سے نکلوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا یہ عذر قبول کر لیا۔

حضرت ابوبکرؓ بوڑھے ہو چکے تھے، ان کی عمر ساٹھ سے اوپر ہو چکی تھی اور حضرت علیؓ ابھی جوان تھے، تیس سال سے کچھ زیادہ کی عمر تھی، سوچتے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے سامنے مستقبل کا میدان بہت وسیع ہے، بہت جلد ان کو ان کا حق مل جائے گا۔ جب اللہ اس بوڑھے کو اپنے جوار رحمت میں بلائے گا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ایک کام کے لئے آگے کیا تھا، پھر مسلمانوں نے دنیا کے کاموں کے لئے بھی اسی کو آگے کر دیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کے لئے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے بالاتفاق اس نامزدگی کو منظور کیا، ایک نے بھی مخالفت نہیں کی۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے محسوس کر لیا کہ ان کے اور قریشی مہاجرین کے درمیان ایک کھلا ہوا اختلاف ہے، وہ خلافت کو اپنا حق خیال کرتے ہیں اور مہاجر اس کے لئے اس کا حق تسلیم نہیں کرتے، مہاجر ان کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی خیال کرتے ہیں، جو پابندی اوروں کے لئے ضروری ہے وہ ان کے لئے بھی ہے۔ اب رہے انصار تو انھوں نے خلافت سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو قریشی مہاجروں کے لئے رضامند بنا لیا تھا، ان میں سے جس کو پیش کیا جاتا، اس کی بیعت کر لیتے، حضرت علیؓ نے فتنے کو برا سمجھا، امن و عافیت کو

عقدم جانا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی بیعت کر لی، اور جس بات کو اپنا حق خیال کرتے تھے اس کا اظہار تک نہیں کیا اور صبر سے کام لیتے رہے آپ نے خلیفہ اوّل کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی خیر خواہی کی۔ جب فاروق اعظمؓ کو خنجر مارا گیا: اور خلافت کا منصب چھ ارکان شوریٰ کے حوالے کیا گیا، حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ قریش ان کی ہمنوائی کریں گے اور نہ ان کا حق تسلیم کریں گے تو نہ اپنے لئے تحریک کی نہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف جبر کرنا چاہا، اور اگر کرنا بھی چاہتے تو اس کی کوئی صورت نہ تھی، اس لئے کہ آپ کی حمایت میں کوئی جماعت نہ تھی، اور نہ آپ کسی زبردست پناہ میں جا سکتے تھے، ہاں کچھ تھوڑے سے اچھے مسلمان آپ کے ہم خیال تھے جو دبی زبان سے آپ کے لئے تحریک کرتے تھے، لیکن وہ کمزور تھے، ان کے پاس جو کچھ قوت تھی وہ اسلام کی تھی، نہ وہ کوئی مادی طاقت رکھتے تھے اور نہ خاندانی عصبیت کا زور جیسے حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت مقداد بن اسود وغیرہ شیخین کی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بھی بیعت کر لی، جانتے تھے کہ آپ کو دبایا جا رہا ہے لیکن پھر بھی آپ نے بیعت میں پس و پیش نہیں کیا اور نہ پہلے دونوں خلفاء کی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی میں کوئی کمی کوتاہی کی، تا آنکہ مصائب کا دور آ گیا۔ جس کی تصویر ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے "عثمان" میں کھینچی ہے۔

یہ فطری بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اپنے متعلق غور فرماتے اور جو زیادتی آپ کے ساتھ کی گئی ہے اس پر کچھ سوچتے، لیکن پھر بھی آپ نے خلافت کی طلب نہیں کی اور جب تک آپ کو مجبور نہیں کر دیا گیا آپ نے بیعت کے لئے اپنے کو پیش نہیں کیا۔ حضرت عثمان کے بعض باغیوں نے تو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ آمادہ نہ ہوں گے تو آپ کو بھی انھیں کی جگہ پہنچا دیا جائے گا، علاوہ ازیں مدینہ کے مہاجر اور انصار آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے والی بن کر ان کو اس فتنے کی تاریکی سے نکالیں۔ پھر جب آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی تو کسی صحابی کو مجبور نہیں کیا جس نے چاہا اُس کی بیعت لی اور جس نے انکار کیا اُسے چھوڑ دیا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو انصار کی ایک جماعت کو جس کے سردار محمد ابن مسلمہ تھے چھوڑ دیا، بقول اکثر مورخین کے حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو نہیں چھوڑا، اس لئے کہ باغیوں سے ان کے تعلق کی بنا پر فتنے کا خطرہ تھا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی بیعت پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ یہ اپنی خوشی سے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور بیعت کی بعد میں جب انھوں نے خلیفہ کا سلوک اپنی توقع کے خلاف دیکھا تو اپنا نقطہ نظر بدل دیا۔ غالباً یہ دونوں سمجھے

ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ کو ان کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک کوفہ اور دوسرا بصرہ میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور انھیں دونوں شہروں نے بغاوت میں غیر معمولی طور پر شرکت کی حصہ لیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے اشتعال دلانے سے یا کم از کم ان کی مرضی سے بغاوت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

پس یہ دونوں اس توقع میں تھے کہ حضرت علیؓ بہت جلد محسوس کرلیں گے کہ کوفہ اور بصرہ میں ان کو اپنی اپنی جماعتوں میں غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہے اور بلا تامل ان کو اپنی حکومت میں شریک کرلیں گے اس طرح یہ خلافت ثلاثی یعنی سہ طاقتی ہوگی اور شوریٰ کے یہ تین ارکان باہم حکومت تقسیم کرلیں گے۔ حجاز مصر اور شمالی افریقیہ کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے حضرت علیؓ کی حکومت میں ہوں، بصرہ اور اس کے مضافات کا علاقہ حضرت زبیرؓ کے تابع رہے اور کوفہ اور اس کے آگے کے علاقے پر حضرت طلحہؓ حکمران ہوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خیال کرتے تھے کہ اگر ان کی یہ سہ طاقتی خلافت مستحکم ہوگئی تو شام کا مسئلہ نہایت آسان ہوگا۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کو ان دونوں شہروں کی گورنری دینے سے انکار کردیا اور چاہا کہ ان کے ساتھ حضرت عمرؓ جیسا سلوک کریں اور ان کو اپنے ساتھ مدینے میں روک رکھیں جس طرح حضرت عمرؓ نے اس سے پہلے ممتاز مہاجر صحابہ کو مدینہ میں روک رکھا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ان دونوں کے ساتھ وہ سختی نہیں برتی جو حضرت عمرؓ جہاد کی اجازت مانگنے والے صحابہ کے ساتھ کرتے تھے، بلکہ ایک مہربان دوست کی طرح ان سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں حضرات کو اپنے ساتھ رکھوں کہ آپ کی جدائی سے مجھے وحشت ہوگی"۔

اب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کا خیال اور اندازہ غلط تھا اور یہ کہ حضرت علیؓ وہ دروازہ کھولنے والے ہیں جو حضرت عمرؓ پر خنجر سے وار کے بعد بند ہوچکا تھا، اور ان کا انجام مدینے میں ان ممتاز مہاجر صحابہ کا انجام ہوگا جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے، چنانچہ ان کو مدینہ میں قیام کرنا ہوگا، ہر سال وہ اپنا مقررہ وظیفہ حاصل کرسکیں گے اور حضرت عثمانؓ کی نرمی، رواداری اور چشم پوشی سے جو کچھ مل جایا کرتا تھا، وہ حضرت علیؓ سے کسی صورت میں نہیں ملے گا، پس انھوں نے نہ کوفہ مانگا نہ بصرہ بلکہ رنجیدہ ہوکر چپ چاپ بیٹھ رہے اور سنجیدگی اور غور کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگئے۔

حضرت علیؓ اور صوبوں کے گورنر

حضرت علیؓ کا ترحم اور مدبرانہ جواب سن لینے کے بعد بھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دل سے

بصرہ اور کوفہ کا خیال نہیں نکلا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ انتظامات میں مصلحت کے پیش نظر آپ شام پر حضرت معاویہؓ کو برقرار رکھئے اور عراق کے دونوں شہروں پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو مقرر کر دیجئے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا بصرہ اور کوفہ دولت اور خراج کے چشمے ہیں اگر ان پر ان دونوں کو حکمران بنا دیا گیا تو یہ مدینہ میں مقیم خلیفہ کو تنگ کریں گے اور شام پر حضرت معاویہؓ کا باقی رہنا حضرت علیؓ کے لئے مفید ہونے کے بجائے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوگا۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی رائے مان لی اور مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ قبول نہیں کیا۔

دوسرے مورخوں نے اس کو ایک دوسری طرح بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے ان کو مشورہ دیا کہ ایک سال تک عثمانی گورنروں کو جن میں حضرت معاویہؓ بھی تھے ان کے عہدوں پر باقی رکھیئے تاکہ لوگ آپ کے حق میں پکے ہو جائیں اور صوبوں سے وفاداری کی اطلاع بھی آپ تک آجائے، ایک سال گذرنے کے بعد جیسی تبدیلی مناسب سمجھئے کر لیجئے گا۔ حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ چال بازی آپ کو طبعاً ناپسند تھی۔ اس کے بعد مغیرہ دوسرے دن آئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے کہ میں نے اپنی پہلی رائے بدل دی اور اب مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ مغیرہ واپس ہو رہے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو دیکھ لیا اور حضرت علیؓ کے پاس آکر ان سے دریافت کیا کہ مغیرہ کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت علیؓ نے ان کو دونوں باتیں بتا دیں، ابن عباسؓ نے کہا، کل اس نے جو کچھ کہا اس میں آپ کی خیر خواہی اور اخلاص تھا اور آج اس نے جو بات کہی وہ فریب اور دھوکا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اصرار کے ساتھ حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ معاویہؓ کو ان کی جگہ کم از کم ضرور برقرار رکھیں۔ لیکن اپنے دامن پر مکر و فریب کے داغ سے ڈر کر حضرت علیؓ نے یہ منظور نہیں کیا اور شام کی حکومت حضرت ابن عباسؓ کو دینا چاہی لیکن انھوں نے قبول کرنے سے معذرت کی۔

مؤرخین میں چاہے جیسا اختلاف ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو حضرت علیؓ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایک تو یہ بات اُن کی راست بازی کے خلاف تھی کہ انھوں نے بار بار حضرت عثمانؓ کو انھیں گورنروں کے تقرر پر ٹوکا تھا، لوگوں کے ساتھ ان کے طرز عمل سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا، پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کل تک تو ان کے معزول کرنے کا مطالبہ کرتے رہے اور آج ان کے برقرار رکھنے پر رضامند ہو جاتے، دوسرے سیاست کا تقاضا بھی اس کے خلاف تھا، اس لئے کہ فتنہ کی

آگ لگانے والے یہ باغی صرف خلیفہ کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے وہ تو سیاست کا کل نقشہ بدل دینا چاہتے تھے جس میں گورنروں کا تبادلہ پہلا قدم تھا، ہاں ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ لوگ شاید معاف کر دیتے جن کو کوفہ والوں نے خود پسند کیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے بھی لوگوں کی اصلاح اور فتنے کی روک تھام کے خیال سے اس کو منظور کر لیا تھا۔

بہرحال مدینہ والوں کی بیعت سے فرصت پاکر پہلا کام جس کی حضرت علیؓ نے توجہ کی وہ صوبوں کے لئے گورنروں کا تقرر تھا، چنانچہ آپ نے نہایت مناسب انتخاب کیا۔ بصرہ کے لئے حضرت عثمانؓ بن حنیف ایک مشہور اور ممتاز انصاری کا تقرر کیا، اور شام کے لئے انھیں کے بھائی حضرت سہیل ابن حنیف کو روانہ کیا اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کی طرف روانہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ انصار کو خوش کرنا چاہتے تھے، اس لئے کہ بصرہ، کوفہ اور شام جیسے اہم مقامات کے لئے آپ نے انھیں میں سے تین افراد کو پسند کیا۔

اب رہ گیا کوفہ تو بعض مورخوں نے روایت کی ہے کہ اس کے لئے آپ نے عمارہ بن شہابؓ کو چنا تھا لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ایک کوفی نے ان کو واپس ہو جانے کے لئے کہا اور دھمکی دی کہ اگر واپس نہ ہوں گے تو قتل کر دے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کوفہ کے لوگ اپنے امیر حضرت ابو موسیٰ کے سوا کسی کو پسند نہیں کریں گے۔ چنانچہ عمارہ واپس آگئے، اور حضرت ابو موسیٰ نے اپنی اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرت علیؓ نے یمن کا حاکم اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا۔ جب یہ یمن پہنچے تو حضرت عثمانؓ کے گورنر یعلیٰ بن امیہ مکہ روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ سارا مال بھی لیتے گئے۔

مکہ کی حکومت پر حضرت علیؓ نے شروع ہی میں بنی مخزوم کے ایک آدمی خالد بن عاص بن ہشام ابن مغیرہ کو مقرر کیا، لیکن مکہ والوں نے حضرت علیؓ کے لئے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان مکی نے حضرت علیؓ کا مکتوب جاکر پھینک دیا جو زمزم کے حوض میں جا گرا اور مکہ سے متعلق ایک اور بات ہے جس کا ہم آگے چل کر تذکرہ کریں گے۔

حضرت علیؓ کے گورنر اپنے اپنے صوبوں کی طرف روانہ ہو گئے، قیس بن سعد تو آسانی سے مصر پہنچ گئے اور عام مصریوں سے حضرت علیؓ کے لئے بیعت لے لی، البتہ ایک جماعت مقام خربتا میں جمع ہو کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگی، لیکن اس جماعت نے نہ کسی پر ہاتھ اٹھایا نہ کوئی حکم توڑا البتہ قصاص کا انتظار کرتی رہی۔

عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو لوگوں نے ان کے ساتھ کوئی بیہودگی اور چال بازی نہیں کی حضرت عثمانؓ کے حاکم عبداللہ بن عامر جو کچھ لے سکے سب لاد کر مکہ چلے آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔

کوفہ میں اپنا حاکم بھیجنے کی روایت ہر چند کہ میں نے پہلے پیش کر دی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے وہاں کسی کو حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابو موسیٰ ہی کو باقی رکھا، اس لئے کہ وہ کوفہ والوں کی مرضی کے مطابق تھے۔

حضرت سہل بن حنیف شام کی طرف روانہ ہوئے، ابھی وہ شامی حدود تک پہنچے ہی تھے کہ حضرت معاویہؓ کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی، سواروں کے پوچھنے پر حضرت سہل نے کہا کہ وہ حاکم ہو کر آئے ہیں، سواروں نے جواب دیا کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہیں تو حکومت حاضر ہے لیکن اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو جس نے بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جائیے، چنانچہ وہ حضرت علیؑ کے پاس چلے آئے۔ جیسے ہی لوگوں کو یہ معلوم ہوا وہ سخت رنجیدہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت معاویہؓ لڑائی پر آمادہ ہیں، اب لوگوں نے حضرت علیؑ کا خیال معلوم کرنا چاہا کہ وہ کیا چاہتے ہیں لڑیں گے یا صلح کریں گے یا پھر انتظار کرنا پسند کریں گے۔

لیکن حضرت علیؑ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے وہ چال کرنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور نہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے۔ پھر بھی حضرت معاویہؓ کے معاملے میں انھوں نے کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا، بلکہ مسور ابن مخرمہ کو اپنا ایک خط دے کر بھیجا، جس میں حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ وہ بیعت کر لیں اور شام کے رؤساء اور معززین کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ جائیں، خط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حاکم باقی رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ خط حضرت علیؑ نے سبرا جہنی کے ہاتھ روانہ کیا تھا حضرت معاویہؓ نے جب یہ خط پڑھا تو کچھ جواب نہیں دیا بلکہ انتظار میں رکھا اور خود خفیہ تدبیریں کرنے لگے۔ حضرت علیؑ کا نامہ بر جب جواب پر اصرار کرتا تو اس کو خوفناک جنگ کے مناظر پیش کرنے والے اشعار سناتے[1]

حضرت عثمانؓ کے حادثے کا تیسرا مہینہ تھا، جب حضرت معاویہؓ نے ایک دن بنی عبس کے ایک آدمی کو

---

[1] ادم ادامة حصن او خذا بیدی حربا ضروسا تشب الجزل والضرما
فی جارکم و ابنکم اذ کان مقتله شنعا شیبت الاصداغ واللمما
اعیا المسود بها والسید ون فلم یوجد لها غیرنا مولی ولا حکما

قلعہ کی طرح جمے رہو، یا پھر مجھے ایک ہولناک لڑائی کی دعوت دو۔

تمہارے پڑوسیوں اور لڑکوں کی ایسی سخت خون ریزی ہو گی کہ کنپٹی اور سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ آقا اور غلام دونوں عاجز ہو جائیں گے اور ہمارے سوا کوئی والی اور حاکم نہ ہوگا۔

بلایا اور اس کو اپنے دستخط کا ایک طومار (پلندا) دیا، جس کی سرخی تھی، من جانب معاویہ بن ابی سفیان بنام علیؓ ابن ابی طالب اور اس کو ہدایت کر دی کہ جب مدینہ میں داخل ہو تو اس لپٹے ہوئے کاغذ کو اونچا کر دے کہ لوگ سرخی پڑھ لیں اس کے بعد اس کو حضرت علیؓ کے حوالے کر دینا، اور اگر وہ تمہارے آنے کے بارے میں تم سے کچھ باتیں کریں تو تم ان سے یوں کہنا اور یوں کہنا۔ یہ عبسی مدینہ پہنچا اور اس طومار کو اتنا بلند کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت معاویہ کا جواب لے جا رہا ہے، اب لوگوں کی آتش شوق تیز ہونے لگی کہ دیکھیں حضرت معاویہؓ نے کیا لکھا ہے، غالباً بہت سے لوگ عبسی کے پیچھے پیچھے حضرت علیؓ کے مکان تک پہنچے ہوں گے، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ طومار آپ کو دیا، آپ نے اس کو کھولا تو اس میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا پایا، اس کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ تب آپ نے عبسی سے پوچھا، کیا خبر لائے ہو، اس نے جان کی امان طلب کی، حضرت علیؓ نے منظور کر لیا، اس کے بعد اس نے بتایا کہ شامی حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کر چکے ہیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیرہن عوام کے لئے لٹکا دیا ہے جس کے گرد و پیش لوگ جمع ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں، پھر اس نے کہا کہ شامی آپ کو حضرت عثمانؓ کے خون کا ملزم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے خون کے سوا ہمیں کوئی بات منظور نہیں، اس کے بعد عبسی باہر نکلا اور حضرت معاویہؓ کے خلاف مشتعل مجمع سے بڑی مشکل کے بعد چھٹکارا پا سکا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا، جن میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے اور سب کے سامنے حضرت معاویہؓ کا جواب یعنی اعلان جنگ رکھا اور کہا بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ بڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے اور قبل اس کے کہ شامی ان پر حملہ آور ہوں شامیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو تسلی بخش جواب نہیں ملا اور لڑائی کے لئے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ پھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت چاہی جس میں درخواست کی سی نرمی نہیں بلکہ مطالبہ اور اصرار کی سی شدت تھی اور عدم منظوری کی حالت میں خلاف ورزی کی دھمکی بھی، حضرت علیؓ نے کہا جہاں تک ہو سکے گا روکنے کی کوشش کی جائے گی۔

بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی اجازت چاہی تھی اور حضرت علیؓ کو ان کی اس غرض پر شبہ تھا، اس لئے ان دونوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ان کا مقصد صرف عمرہ ہے، بات جو بھی رہی ہو، یہ دونوں حضرت علیؓ کی مرضی سے یا خلاف مرضی بہرحال مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت علیؓ شامیوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگے کہ ان کے اقدام سے پہلے خود حملہ

کردی۔

ابھی آپ لڑائی کی تیاریوں میں تھے کہ مکہ سے بے چین کر دینے والی خبریں آئیں جن سے آپ کی رائے میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور آپ نے اپنا منصوبہ اور منزل بدل دی۔

حضرت علیؑ کے مخالفین

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا، اس وقت مدینہ کے بہت سے لوگ حج سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے، ان کو واقعہ کی اطلاع مدینے کے راستے ہی میں ملی، ان میں کچھ تو ایسے تھے جو یہ سن کر مدینہ پہنچے اور حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور کچھ ایسے تھے جو خبر پاتے ہی اُلٹے پاؤں مکہ واپس آگئے، اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے یا یہ کہ ان واقعات کا ان پر بہت بُرا اثر پڑا اور ان کے دلوں میں نئے خلیفہ کے خلاف غصے اور مخالفت کے جذبات پنہاں تھے، خود مدینہ کے بعض لوگ جو حضرت علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بیعت کر لینے یا بیعت سے انکار کر دینے کے بعد مدینہ چھوڑ رہے تھے اس لئے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اختلاف تھا یا اس لئے کہ وہ مکہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہتے تھے کیونکہ مکہ امن و عافیت کا حرم ہے جہاں خون خرابہ نہیں ہو سکتا، جہاں پہنچ جانے والے کو ڈرایا دھمکایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی جان اور اپنا دین فتنوں سے بچانے مکہ کے لئے نکل پڑے۔ حضرت علیؓ ان کو واپس بلانے کے لئے سوار دوڑانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپ کی صاحبزادی اُم کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ تھیں آگئیں اور حضرت علیؓ کو یقین دلایا کہ وہ شورش اور مخالفت پیدا کرنے کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی مکے کا رخ کیا اور جانے کا مقصد عمرہ کرنا بتایا، یا اطمینان دلایا کہ وہ حضرت معاویہؓ اور شامیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، پھر حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں سے جس کو بھی موقع مل سکا وہ مکہ آگیا۔ عبداللہ بن عامر آئے، یعلی بن امیہ آئے، اسی طرح بنی اُمیہ کے بہت سے آدمی آئے، انھیں میں سے مروان ابن الحکم اور سعید بن العاصؓ ہیں۔ ازواج مطہرات میں سے مکہ میں حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ موجود تھیں، حضرت عائشہ حج سے فراغت پا کر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں، راہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہؓ کی بیعت کر لی، یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئیں، اس لئے کہ ان کی طرح حضرت طلحہؓ بھی قبیلہ تیم کے تھے لیکن پھر ان کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کی جا چکی ہے، یہ سُن کر حضرت عائشہؓ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ علیؓ کو

خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا، پھر ساتھ والوں سے کہا مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آ گئیں۔ لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے خوش نہیں ہیں، بلکہ افک والی بات کے بعد تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت علیؓ سے سخت ناراض ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو طلاق دے دینے کا اشارہ کیا اور کہہ دیا کہ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہؓ کی برأت کی ہے۔ پس حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کی یہ بات دل سے بھلا نہ سکیں، اُس زمانے میں مسلمانوں کی تاریخ جن زبردست اور مؤثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہو سکی ان میں ایک شخصیت حضرت عائشہؓ کی بھی ہے، وہ اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظمؓ کی طرح شدت بھی تھی، پھر وہ اس وراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا۔ چنانچہ وہ بہت زیادہ اشعار یاد رکھتی تھیں اور برمحل پیش کیا کرتی تھیں۔ اپنے والد کو حالتِ نزع میں دیکھ کر آپ نے جب شاعر کا یہ شعر پڑھا [1]

لعمرك ما يغني الثراء عن الفتى اذا حشرجت يوما وضاق بها الصدر

زندگی کی قسم نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

تو یہ سن کر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا " ام المومنین کیا تم یہ آیت تلاوت نہیں کر سکتی تھیں "۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ — موت کی سختی قریب آ پہنچی ہے یہی وہ ہے
ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ — جس سے تو بدکتا تھا۔

ازواج مطہرات میں حضرت عثمانؓ کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہؓ تھیں، اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمانؓ منبر پر کھڑے عبداللہ بن مسعودؓ کے خلاف حد سے زیادہ بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا وہ حضرت عثمانؓ کے بہت سے کاموں پر اور اُن کے گورنروں کے طرزِ عمل پر معترض ہونے سے کبھی نہ رکتی تھیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں۔ میرے خیال میں حضرت علیؓ سے حضرت عائشہؓ کی خفگی کے دو سبب اور ہیں، ایک تو وہ جس میں حضرت علیؓ کے اختیار کچھ دخل

---

[1] یہ شعر عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کا ہے۔ (مترجم)

نہ تھا، آپ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ہوئی تھی، جن سے حسنؓ اور حسینؓ پیدا ہوئے اور اس طرح نبیؐ کی آنے والی نسل کے آپ باپ بنے اور حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دنوں میں ابراہیم کی ماں بن سکیں۔ پس یہ لاولدی کا غم آپ کو ایک حد تک ستاتا تھا، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

دوسرا سبب یہ کہ حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد اسماء خثعمیہ سے نکاح کرلیا تھا یہ اسماء محمد بن ابوبکرؓ کی ماں ہیں۔ اس کے بعد محمد بن ابوبکرؓ کی پرورش حضرت علیؓ کے زیر تربیت ہوئی، انھیں باتوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے ناراض تھیں۔

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کرلی ہے تو غضبناک ہوکر مکہ واپس آئیں اور صحن خانہ میں فروکش ہوکر پردہ ڈال لیا، لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے جن سے آپ پردے کے اندر سے باتیں کرتیں۔ حضرت عثمانؓ کے خون پر ناراض ہوکر فرماتیں۔ حضرت عثمانؓ کی زبان اور کوڑے نے ہم کو برہم کردیا اور ہم نے ان پر عتاب کیا جس پر وہ نادم ہوئے اور معذرت چاہی، مسلمانوں نے ان کا عذر قبول کرلیا اب اس کے بعد دیہاتیوں اور شورش پسندوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور دُھلے ہوئے کپڑے کی طرح ان کو نچوڑا یہاں تک کہ مارڈالا اور اس طرح ایک حرام خون کو حلال جانا، وہ بھی حج کے مہینے میں اور مدینہ جیسے مقام میں جس کی حرمت کا حکم ہے۔

لوگ آپ کی یہ باتیں سنتے تھے اور متاثر ہوتے تھے اور کیوں نہ متاثر ہوتے آپ اُم المومنین تھیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی جن کی آغوش میں آپ کی وفات ہوئی، ایسے باپ کی بیٹی جو ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار تھے جن کے بارے میں قرآن میں آیتیں اُتریں جن کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مانتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی باتیں سُن سُن کر مکہ بغاوت کے جذبات سے بھڑک اٹھا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت علیؓ کا وہ فرمان پہنچا جس میں خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت کا انکار کردیا گیا اور وہ فرمان زمزم کے حوض میں پھینک دیا گیا، اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچے اور حضرت علیؓ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے غصے میں بھرے تھے۔ اس دن سے مکہ شامیوں کے علاوہ حضرت علیؓ کی امامت کے مخالفوں کا مرکز بن گیا۔

مشورہ

قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی، اس بات پر سب اتفاق تھا کہ یہ فتنہ اسلام میں ایک زبردست حادثے کا باعث بنا اور خلیفہ بحالت مظلومی شہید کردیئے گئے، اب ایسا اقدام ضروری ہے جس سے یہ سوراخ بند ہو اور اللہ کا دین اپنی شان کے مطابق برقرار رہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ لیا جائے خواہ وہ کوئی ہو۔ اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کیا جائے، مسلمان اپنی رضا ورغبت اور دلی اطمینان کے ساتھ اور مسلمانوں کی خیرخواہی کو سامنے رکھ کر جس کو چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں اور اس معاملہ میں کوئی سختی اور زبردستی نہ کی جائے، نہ گردنوں پر معلق تلواروں کی دھمکی دی جائے، پھر اس بات پر غور ہوا کہ حصول مقصد کا طریقہ کیا ہو، بعضوں نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کردیا جائے، لیکن بقول مورخین مدینہ والوں کی قوت سے ڈر کر یہ تجویز رد کردی گئی، اور اس لئے بھی کہ ایسا کرنا مدینۃ الرسول پر حملہ اور واقعہ احزاب کو دہرانا ہے جو شاید حضرت عثمانؓ کے باغیوں نے کیا تھا، بعضوں نے یہ رائے دی کہ ہم کو کوفہ جانا چاہیئے اور وہاں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کا علم بلند کردینا چاہیئے، لیکن یہ رائے بھی رد کردی گئی، اس لئے کہ کوفہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بڑا اثر تھا اور وہ شورش پسند نہ تھے اور اس لئے بھی کہ حضرت عثمانؓ کے کٹر باغی اور جم کر کام کرنے والے مخالف کوفہ ہی میں تھے، پس وہ طبعی طور پر قوم کو روکتے اور یہ بے عزتی گوارا نہیں کرتے، پھر ان کی نظر انتخاب بصرہ پر پڑی، اس لئے کہ اس میں قبیلہ مضر کے لوگ بکثرت آباد تھے اور اس لئے کہ عبداللہ بن عامر نے اُن کو یقین دلایا کہ بصرہ والوں پر اس کے بڑے بڑے احسانات اور ان سے دوستی کے تعلقات ہیں وہ اس کی سنیں گے اور خاطر خواہ امداد بھی کریں گے مکہ کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا خیال ان کو اس لئے نہیں آیا کہ وہ امن وامان کا حرم محترم ہے۔ جہاں خونریزی نہیں کی جاسکتی اور حضرت معاویہؓ کی وجہ سے وہ شام کی طرف سے بالکل مطمئن تھے، اور اگر یہ لوگ عراق اور اس کے آگے کی سرحدوں پر غالب آجائیں تو حضرت معاویہؓ اس موقف میں تھے، کہ مصر کی فکر سے بھی ان کو بے نیاز کردیں، چنانچہ یہ لوگ کوچ کی تیاری کرنے لگے، عبداللہ بن عامر اور یعلی بن امیہ نے سازوسامان سے ان کی بہت کچھ مدد کی پھر عوام کو ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی، اور تقریباً تین ہزار کی جمعیت ساتھ ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے بیان کا عوام پر یہ اثر دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور

حضرت زبیرؓ نے ام المومنین سے درخواست کی کہ وہ بصرہ تک ساتھ چلیں، حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا کہ تم دونوں مجھے لڑائی کرنے کا حکم دیتے ہو۔ اُنھوں نے کہا نہیں نہیں ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں گی اور اُن کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کریں گی۔ تب آپ نے یہ پیش منظور کر لیا۔ حضرت عائشہؓ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو بھی ساتھ چلنے پر رضامند کر لیا تھا، لیکن اُن کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو روکا اور ازواج مطہرات کے لئے اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونے دی۔ اللہ کا حکم ہے:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی الخ — اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قدیم جاہلیت کے مطابق نہ پھرو۔

قوم کوچ کرنے کے لئے پابرکاب تھی۔ حضرت علیؓ کو جب یہ خبریں ملیں تو انھوں نے شامیوں سے جنگ کا خیال چھوڑ دیا تاکہ ان باغیوں کو ان کے ارادے سے باز رکھیں۔

حضرت علیؓ اور سابق خلفاء

حضرت علیؓ نے بھی خلافت کا جس طرح استقبال کیا، سابق خلفاء میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ حضرت حضرت ابوبکرؓ کے وقت کوئی صحابی ان کا مخالف نہ تھا۔ ہاں سعد بن عبادہ کی ایک بات تھی، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن حضرت علیؓ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہؓ کی ایک جماعت ان کی بیعت سے اختلاف رکھتی ہے، اختلاف رکھنے والوں میں بعض وہ صحابی ہیں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سے نوازا ہے۔ بعض تو فتنے سے بچنا چاہتے ہیں اور بعض لڑنے کے لئے آمادہ ہیں، شاید حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے ادھر جاتے ہوئے راستے میں اپنے باپ کو بالکل صحیح مشورہ دیا تھا کہ جب تک فتنے کا زمانہ ہے آپ حضرت عثمانؓ کے معاملہ سے بے تعلق ہو جائیے اور مکہ چلے جائیے۔ بعض روایات میں ہے کہ اپنی زمین واقع منبع میں چلے جائیے، لیکن حضرت علیؓ اپنی موجودگی پر مُصر تھے اور کہیں نہیں گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا حادثہ ہو جانے پر حسنؓ نے مشورہ دیا کہ اب لوگوں سے کنارہ کشی کر لیجئے اور کہیں چلے جائیے یہاں تک کہ عربوں کی گئی ہوئی عقل واپس ہو جائے، آپ تو اگر سانڈے کے سوراخ میں بھی ہوں گے تو لوگ وہاں سے نکال کر آپ کی بیعت کریں گے اور اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ آپ کچھ عرض کریں، پھر بصرہ کے اسی راستے میں حضرت حسنؓ نے رائے دی کہ عراق نہ جائیے مبادا بے یار و مددگار جان سے جائیں، لیکن حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کی

ایک بات بھی نہیں مانی، یہ ان سے کس طرح ہوسکتا تھا کہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا دیکھیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہد و پیمان انھوں نے اللہ سے کر رکھا ہے اس سے پہلو تہی کریں چنانچہ انھوں نے خلیفہ کی خیر خواہی کی کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے ان کے ساتھ پیش آئے، انھوں نے رعایا کے ساتھ خیر خواہی کی ان کو گناہ اور نافرمانی سے روکتے رہے، خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ان کی امداد کرتے رہے، علاوہ ازیں حق دار ہوتے ہوئے بھی آپ نے لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود لوگوں نے آپ کو مجبور کیا، باغیوں نے مجبور کیا کہ بغاوت کا خمیازہ بھگتنے سے بچ سکیں، مہاجر اور انصار نے مجبور کیا کہ امام کے تقرر کی کوئی صورت بن پڑے اور لوگوں میں اللہ کے احکام کا اجرا عمل میں آئے۔

پھر یہ صورت بھی قابل عمل نہ تھی کہ حضرت علیؓ مدینہ میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے کہ حضرت معاویہؓ اور شامی آکر ان پر حملہ کردیں یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عراق اور اس کے بعد کی سرحدوں کو گھیرتے ہوتے اور خراج کا مال سمیٹتے ہوئے مدینہ پر چڑھائی کردیں تو پھر مقابلہ کے لئے نکلیں، پس ضروری تھا کہ حضرت معاویہؓ کے انکار بیعت کے بعد حضرت علیؓ شام سے معرکہ آرائی کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ حضرت معاویہؓ کے خلاف اُن کی دلیل قوی تھی، پورے حجاز اور صوبوں کے مسلمانوں کی زبردست اکثریت آپ کی بیعت کر چکی تھی اور آپ کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت معاویہؓ اگر اپنے معاملہ میں انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح حضرت علیؓ کی بیعت کر لیتے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن اُن کو تو قصاص سے کہیں زیادہ اس کی فکر تھی کہ خلافت کا رُخ کسی طرح حضرت علیؓ سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی وفات اور حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد جب ان کے لئے حکومت کا میدان صاف ہوگیا تو نہ قصاص یاد رہا نہ قاتلوں کی تلاش۔ اب ان کو امن و امان یکجہتی اور اتحاد اچھا معلوم ہونے لگا۔

حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف بھی حضرت علیؓ کی دلیل حضرت معاویہؓ سے کچھ کم قوی نہ تھی، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر لی تھی، اب ان کا فرض تھا کہ عہد کی پابندی کرتے اور بیعت میں صداقت باقی رکھتے۔ اگر حضرت علیؓ کی اطاعت ان کو پسند نہ تھی اور وہ بعض کاموں میں ان کی مدد کرنا نہیں چاہتے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، محمد بن مسلمہ وغیرہ ممتاز صحابہ کی طرح کنارہ کشی اختیار کر لیتے لڑائی تو کھڑی نہ کرتے، لوگوں کو باہمی جنگ کی آگ میں تو نہ جھونکتے، مسلمانوں میں اس بری طرح پھوٹ تو نہ ڈالتے جس کا منظر آگے چل کر آپ دیکھیں گے۔

اب رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ تو اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں، پس ضروری تھا کہ پہلے خلفاء کی طرح حضرت علیؓ کے عہد میں بھی وہ اللہ کے حکم کی پابند رہتیں، گھر میں بیٹھتیں، اچھی باتوں کا حکم دیتیں، بُری باتوں سے منع کرتیں، دوسری اُمہات المومنین کی طرح نماز اور زکوٰۃ ادا کرتیں، اللہ کی جن حکمتوں اور آیتوں کی آپ پہ تلاوت کی گئی ہے ان کی یاد دلاتیں، حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار اور ان کی خلافت کے تسلیم نہ کرنے پر بھی انھیں حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی تکلیف اور کوئی ناگواری پیش نہ آتی کہ وہ اُم المومنین تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت اُن سے وابستہ تھی۔ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی تھیں، بہرحال اتنا تو ضرور تھا کہ حضرت عائشہؓ کا درجہ حضرت علیؓ کی نظر میں کنارہ کشوں کے برابر ہوتا۔ یوم جمل کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی جس طرح توقیر باقی رکھی اس سے حضرت علیؓ کے نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے، شاید کوئی کہے کہ قوم کو صرف حضرت عثمانؓ کا غصہ نہ تھا بلکہ لوگ اس کے بھی خلاف تھے کہ باغی حضرت عثمانؓ ہی جیسا ایک دوسرا امام ان پر مسلط کردیں، حالانکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے باہم مشورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہو، لیکن جواب یہ ہے کہ خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت مسلمانوں کے باہم مشورے سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو ایک اتفاق کی بات تھی۔ بقول حضرت عمرؓ، اللہ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا اور خود حضرت عمرؓ کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورے سے عمل میں نہیں آئی بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے یہ نامزدگی منظور کرلی۔ اس لئے کہ ان کو شیخین پر اعتماد تھا اور وہ ان سے محبت بھی کرتے تھے، لیکن وہ مجلس شوریٰ جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا اطمینان بخش رضامندی کی حامل نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے قریش کے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں، چنانچہ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کو چن لیا اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کارروائی میں انھوں نے بڑی حد تک اختلاف اور فتنے سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی کوشش کی۔

پس حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا اور اُن تمام حضرات کا جو کنارہ کشی اختیار کرچکے تھے یہ فرض تھا کہ جتنا ہوسکتا معاملے کو روکتے اور حضرت علیؓ کی بیعت مجبوری سے نہیں رضامندی کے ساتھ کرلیتے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایک طرف ان خرابیوں کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے جو باغیوں نے پیدا کردی تھیں اور دوسری طرف ایک مضبوط اور مستقل نظام وضع کرنے میں وقت صرف کرتے جو خلیفہ کے انتخاب اور حکومت کے چلانے میں رہنمائی کرتا اور مسلمانوں کو عہد عثمانی جیسے مصائب کا شکار ہونے سے بچاتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت قوم نے جو کچھ سوچا اور سمجھا وہ ہمارے دل و دماغ جیسی بات نہ تھی

ان سے دین کے لیے اور اپنے لئے جو کچھ ہو سکتا تھا اُنھوں نے کیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو خلافت کے ابتدائی دور میں جو کچھ پیش آیا حضرت علیؓ کو بھی اسی جیسی ایک بات سے دوچار ہونا پڑا، عہد صدیقی میں تمام عربوں نے خلیفہ کی مخالفت کی اور زکواۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو صحابہؓ کی امداد اور حمایت حاصل تھی، اُنھوں نے بڑی تیزی کے ساتھ فتنے کی آگ بجھا دی اور حربیوں کو زمین کے مختلف حصّوں میں روانہ کر دیا، جہاں وہ فتوحات میں مشغول ہوگئے، فاروق اعظمؓ آئے تو اُنھوں نے فتوحات کی رفتار میں اور تیزی پیدا کر دی، حضرت عثمانؓ بھی شیخین کے نقش قدم پر چلے اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فتوحات کا دائرہ بڑھاتے ہی چلے گئے۔

لیکن حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی انھیں میں سے کچھ لوگ بدل گئے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حامی اور معاون تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد پھوٹ پڑگئی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے، سرحد کی فوجی پیش قدمی چھوڑ کر اپنی جگہ رک گئے، شام میں تو بعضوں نے یہاں تک کیا کہ سرحد چھوڑ کر اپنے بھائیوں سے مقابلہ کے لئے چلے آئے، جو حضرت علیؓ کے حامی تھے یہ دیکھ کر رومی آرزو کرنے لگے کہ ان کے جن مقامات پر مسلمان قابض ہو چکے ہیں ان سے واپس لے لیں اور اگر حضرت معاویہؓ کچھ دے کر اُن سے مصالحت تحریر نہ لیتے تو وہ شام پر حملے کا ارادہ کر ہی چکے تھے، پھر جب فضا ٹھیک ہوگئی تو امیر معاویہؓ رومیوں کے لئے فرصت پا چکے تھے۔

بہر حال حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بصرہ جانے کے ارادہ سے نکل پڑیں اور ادھر حضرت علیؓ نے شام سے اپنی توجہ ہٹا لی اور طے کر لیا کہ ان تینوں کو جا کر سمجھائیں گے اور واپس لائیں گے۔ ادھر حضرت معاویہؓ کو کافی وقت اور موقع ملا کہ اپنی حکومت مضبوط کرلیں اور فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مصر میں حضرت علیؓ کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی بھی تکمیل کر دیں۔ حضرت علیؓ مدینہ سے نکلے اور لوگوں کی مرضی کے خلاف نکلے، آپ کے اس سفر کو لوگ فالِ بد تصوّر کرتے تھے، حضرت علیؓ کو اندازہ نہ تھا کہ اب وہ مدینہ سے ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں، اُن کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد ان تینوں سے مل کر بحث و مباحثے کے بعد انھیں راضی کر کے جماعت میں شامل کرلیں گے اور پھر ان کو مدینہ لائیں گے اور خود دوسرے خلفاء کی طرح مدینہ ہی میں قیام کریں گے اور مسلمانوں کے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ معلوم ہُوا کہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں اور اب وہ بصرہ پہنچے ہوں گے اور مسلمانوں کو وہاں آپ کی بیعت سے روکتے ہوں گے، لیکن اس کے بعد بھی حضرت علیؓ مصالحت سے مایوس نہیں ہوئے البتہ اس کی بڑی احتیاط کی کہ یکایک لڑائی نہ چھڑ جائے، چنانچہ آپ نے راستہ طے کرتے ہوئے کوفہ والوں کے پاس آدمی

بھیجے کہ ان کو حمایت اور تعاون کی دعوت دیں۔

حضرت علیؑ اور کوفہ

حضرت علیؑ کے آدمی کوفہ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں کے حاکم ابو موسیٰ اشعریؓ شورش اور خوں ریزی سے گریز کرتے ہوئے لوگوں کو امام کی حمایت سے روکنے پر زور دے رہے ہیں، ان کی دلیل اس معاملے میں پھسپھسی تھی، ان کے خیال میں امام کسی کافر دشمن سے تو لڑنا نہیں چاہتے تھے، اس میں تو ان کے بالمقابل انھیں کی جیسی ایک قوم ہے۔ اللہ پر، رسولؐ پر، قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی، پس انھوں نے اس کو بہت بُرا سمجھا کہ مسلمان مسلمانوں سے لڑیں۔ اپنے اسی نقطہ نظر کو انھوں نے شہر والوں کے لئے بھی ضروری قرار دیا، اور دین کا یہ عام حکم ہے کہ انسان جو بات اپنے لئے پسند کرے دوسروں کے لئے بھی اسی پر رضامند ہو۔ پس ابو موسیٰ اشعری نے کوفہ والوں کو لڑائی سے باز رکھ کر ان کو امام کی امداد سے دور رہنے کا مشورہ دے کر گویا اپنے ساتھ اور شہر والوں کے ساتھ بڑی خیر خواہی کی اور خلوص برتا۔ لیکن ابو موسیٰ تو حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کے لئے ہو چکے تھے، یہ بیعت ان پر اور شہر والوں پر خلیفہ کی حمایت اور اعانت فرض کر دیتی ہے اگر اس میں ان کے لئے کوئی مضائقہ کی بات تھی تو خلیفہ کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر کے کام چھوڑ دیتے اور کنارہ کشی اختیار کر کے اوروں کی طرح فتنے سے دور رہتے، لیکن یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لی انھیں کی طرف سے حاکم ہونا بھی قبول کر لیا اور پھر ان کے حکم سے سرتابی، یہ کوئی معقول بات نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو سخت سست کہا اور معزول بھی کر دیا، اور ان کی جگہ حضرت قرظہ بن کعب انصاری کو نیا حاکم بنا کر بھیجا، پھر اپنے صاحبزادے حضرت حسنؑ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو روانہ کیا کہ وہ کوفہ والوں کو حمایت پر آمادہ کر دیں۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُشتر نے حضرت علیؓ سے اجازت مانگی کہ مجھے کوفہ جانے دیجئے، آپ نے اجازت دے دی، شہر میں پہنچ کر اُشتر نے اپنی قوم کے چند رعب داب والے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور حاکم کی کوٹھی پر ہلہ بول دیا، اس وقت ابو موسیٰ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے اور جو کچھ بھی کوٹھی میں اور بیت المال میں تھا سب سمیٹ لیا اور ابو موسیٰ کو برطرفی پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ کوفہ سے نکل کر مکہ آئے اور کنارہ کشوں کے ساتھ رہنے لگے۔ اُشتر نے کوفہ والوں کو خلیفہ کی حمایت کی دعوت عام دی اور ان کو مقام ذی قار تک لائے، جہاں حضرت علیؓ ان کے منتظر تھے۔

حضرت علیؓ اور بصرہ

بصرہ کا معاملہ کوفہ سے بھی ٹیڑھا تھا، یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور آپ کے عامل عثمان بن حنیف کے فرمانبردار تھے، لیکن بہت جلد ان پر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور عائشہؓ اور ان کی فوج کا سایہ پڑگیا، یہ دیکھ کر عثمان بن حنیف نے اپنے دو سفیر ان کے پاس بھیجے، ایک عمران بن حصین خزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی دوسرے ابوالاسود دؤلی، ان دونوں نے ان کے پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ یہاں آکر کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملا ہم حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے سپرد کیا جائے، وہ اپنے مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں۔ سفیروں نے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ لوگ کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ پھر یہ دونوں واپس آئے اور عثمان بن حنیف کو بتایا کہ وہ لوگ لڑائی کرنے کے سوا کوئی دوسری بات نہیں چاہتے، تب انھوں نے لڑائی کی تیاری کی اور بصرہ والوں کے ساتھ نکلے اور مقابلے میں آکر کھڑے ہوگئے، اس کے بعد بحث مباحثہ ہونے لگا جو بے نتیجہ رہا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنی تقریروں میں حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے پر زور دیا اور خلافت کے لئے مسلمانوں کا مشورہ ضروری قرار دیا، اس کے جواب میں بصرہ کے ان لوگوں نے تقریریں کیں جن کے پاس حضرت طلحہؓ کے خطوط آتے تھے، جن میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر ابھارا گیا تھا، اس کے بعد بصرہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا، ایک طرف سے آواز آئی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ٹھیک کہتے ہیں، دوسری طرف سے آواز آئی جھوٹ کہتے ہیں اور گمراہی پر ہیں، اب کیا تھا ہر طرف سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں اختلاف میں شدت پیدا ہوگئی اور بصرہ کے لوگ آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ اپنے اونٹ پر لائی گئیں، آپ نے خطبہ دیا اور بڑی بلاغت کے ساتھ دیا، شگفتہ زبان، میٹھے بول اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ آپ نے فرمایا۔ "تمھاری خاطر ہم حضرت عثمانؓ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے تو کیا حضرت عثمانؓ کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں، یاد رکھو تمھارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں، اُن کی بعض باتیں ہم کو پسند نہ تھیں، اس پر ہم نے اُن کو کہا سنا، پھر وہ باز آگئے اور اللہ سے توبہ کی، اور ایک مسلمان سے اگر اس نے خطا کی ہے اس سے زیادہ کیا مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور لوگوں کو راضی، لیکن پھر بھی اُن کے دشمنوں نے اُن پر حملہ کر کے اُن کو قتل کر دیا، اور اس طرح تین حرمتوں کا بیک وقت خون کیا، خون کی حرمت کا۔ مہینے کی حرمت کا اور مدینہ منورہ کی حرمت کا۔"

لوگوں نے گہری خاموشی سے سنا، لیکن تقریر ختم ہوتے ہی پھر شور و غوغا کی آوازیں آنے لگیں، کچھ تائید میں کچھ تردید میں، اس کے بعد لوگوں میں گالی گلوچ اور جوتی پیزار ہونے لگی، مگر اس کے باوجود عثمان بن حنیف کے ساتھ بصرہ والوں کی ایک زبردست فوج جمی رہی اور شدید معرکہ رہا اور کافی لوگ زخمی ہوئے، اس کے بعد روک تھام ہوئی اور حضرت علیؑ کے آنے تک مصالحت ہو گئی ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی رو سے عثمان بن حنیف بدستور حاکم مقرر رہے اور انھیں کے قبضے میں ہتھیار اور بیت المال رکھا گیا، اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کو یہ آزادی دی گئی کہ وہ بصرہ میں جہاں چاہیں قیام کریں۔

بظاہر لوگوں میں امن و امان کی کیفیت پیدا ہو گئی، عثمان بن حنیف معمول کے مطابق نماز پڑھانے، مال تقسیم کرنے اور شہر کا انتظام کرنے چلے گئے، لیکن بصرہ میں آنے والی یہ قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی، ایک نے کہا اگر ہم علیؓ کے آنے تک رکے رہے تو وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے، چنانچہ انھوں نے عثمان بن حنیف پر شب خون مارنے کا فیصلہ کر لیا، رات نہایت تاریک اور اس میں سخت آندھی چل رہی تھی، ان لوگوں نے موقع غنیمت جان کر عثمان پر ایسی حالت میں حملہ کر دیا کہ وہ عشا کی نماز پڑھا رہے تھے، ان کو بری طرح مارا پیٹا، ان کی داڑھی مونچھ کے بال نوچ لئے، اس کے بعد بیت المال کا رخ کیا اور وہاں کے چالیس پہرہ داروں کو قتل کر دیا جو سب کے سب غیر عرب تھے اور عثمان بن حنیف کو قید کر کے انھیں اذیتیں پہنچائیں، اب تو بصرہ والوں کی ایک جماعت برافروختہ ہو گئی اس کو اس بدعہدی کا امیر کے ساتھ اس زیادتی کا اور بیت المال پر اس طرح دھاوا کر دینے کا بڑا رنج ہوا، وہ شہر سے بچتے ہوئے ایک طرف نکل آئی تاکہ لڑائی شروع کر دے اور جس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ کسی سے تعرض نہ کرے اس کی حمایت کرے۔

یہ جماعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کی تھی، اس کی قیادت حکیم بن جبلہ عبدی کر رہا تھا، اس کے مقابلے کے لئے حضرت طلحہؓ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑنے لگے، حضرت طلحہؓ کے ساتھیوں نے حریف کے ستر سے زیادہ آدمیوں کا صفایا کر دیا، حکیم ابن جبلہ بھی بڑی بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد مارا گیا۔

بعد میں اس کے قصاص کا معاملہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا، کہتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کے آدمیوں میں سے کسی نے اس پر ایسا وار کیا جس سے اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ حکیم اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کے پاس آیا اور اس کو پھینک کر حملہ آور کو اس طرح مارا کہ وہ گر پڑا، اس وقت حکیم کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یا نفس لا تراعی	اے دل کچھ خرج نہیں
ان قطعو کراعی	اگر میرا پاؤں کاٹ دیا گیا ہے۔

ان معی ذراعی — میرا ہاتھ تو سلامت ہے۔

اس قدر شدید زخمی ہونے پر بھی وہ لڑتا رہا اور یہ رجز پڑھتا رہا،

لیس علی فی الممات عار — مرنے میں میرے لئے شرم کی کوئی بات نہیں

والعار فی الحرب هو الفرار — شرم تو لڑائی سے بھاگنے میں ہے

والمجد الا یفضح الذمار — بزرگی یہ ہے کہ غیرت زندہ رکھی جائے۔

اور لڑتے لڑتے جان دے دی۔

اس طرح لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت توڑ دی بلکہ عثمان بن حنیف کے ساتھ معاہدے کی بدعہدی کا بھی اضافہ کر دیا اور شہریوں میں سے جن لوگوں نے بھی اس بدعہدی پر اعتراض کیا اور حاکم کے قید کر دینے کی، بیت المال کی چیزوں پر قابض ہو جانے کی اور پہرہ داروں کو قتل کر دینے کی مذمت کی اُن کو قتل کر دیا گیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چاہا کہ عثمان پر بھی وار کر دیں، لیکن انھوں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے شہر کے ناظم اس وقت ان کے بھائی سہل بن حنیف ہیں اگر مجھے تکلیف پہنچی تو وہ ان کی اولاد کی گردنیں اُڑا دیں گے تو اُنھوں نے ان کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چل پڑے پھر بصرہ کے ایک راستے پر حضرت علیؓ سے ملے اور مذاق کرتے ہوئے کہا، آپ نے مجھے بوڑھا بھیجا تھا اور میں جوان ہو کر واپس آیا ہوں۔

بصرہ میں مخالفین کی ان تمام حرکتوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں میں غصے اور دشمنی کی آگ بھڑک اُٹھے اور بصرہ کے لوگوں میں جو بُری طرح پھوٹ کے شکار تھے مزید نفاق اور شقاق پیدا ہو، چنانچہ حکیم ابن جبلہ کے حادثے پر عبد القیس کے لوگ غضبناک ہو کر علانیہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو گئے اور معرکے سے بچ نکلنے والے حرقوص ابن زہیر کے آدمی بھی اس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا، بعد میں یہ لوگ احنف ابن قیس کے ساتھ چھ ہزار کی جمعیت میں کنارہ کش ہو گئے، یہ حرقوص ابن زہیر عثمان پر ٹوٹ پڑنے والوں میں بڑا سخت تھا۔ اس کے بعد لوگوں میں بڑی پھوٹ اور سخت اختلاف ہوا، ایک گروہ چپکے سے یا کھلے بند حضرت علیؓ تک پہنچا ایک گروہ منتظر رہا کہ حضرت علیؓ آئیں تو ان کے ساتھ ہو لے۔ ایک جماعت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ساتھی بنی تاکہ حضرت عائشہؓ کی حمایت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیرؓ کی امداد کرے۔ ایک گروہ چاہتا تھا کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے فتنے کی لپیٹ سے دور رہے، چنانچہ کچھ لوگوں کو کنارہ کشی کا موقع ملا اور کچھ فتنے پر مجبور ہوئے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لیڈروں کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مطمئن نہ تھے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں اس بات پر اختلاف تھا کہ نماز کون پڑھائے، بڑی مشکل کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت طلحہؓ پڑھائیں اور دوسرے دن حضرت زبیرؓ، اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت کہ دل رنج و ملال سے لبریز راستے میں جب پانی کے ایک چشمے پر گذرنے لگیں تو کتوں نے بھونکا، آپ نے چشمے کا نام پوچھا، لوگوں نے بتایا کہ اس کو حواب کا چشمہ کہتے ہیں، تب تو آپ گھبرا کر کہنے لگیں، مجھے واپس لے چلو، واپس لے چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ازواج میں بیٹھے کہتے سنا۔ تم میں سے کون ہے جس کو حواب کے کتے بھونکیں گے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ آئے اور آپ کو مطمئن کرنے کی یہ تدبیر کی کہ بنی عامر کے پچاس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر کئے، جنھوں نے شہادت دی کہ یہ چشمہ حواب کا چشمہ نہیں ہے۔

کھلی ہوئی پھوٹ، کھلا ہوا تفرقہ اور دلوں میں چھپا ہوا رنج و ملال، پھر مطلب اور خود غرضی کی باتیں اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوششیں یہ تھا قوم کا نقشہ جب حضرت علیؓ ایک بڑی فوج کے ساتھ تشریف لائے۔

حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھی

حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھیوں کا حال اس کے بالکل برعکس تھا، حضرت علیؓ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں، پھر جب اس کا موقع آیا تو یہ خیال کر کے کہ حق حقدار کو مل گیا، آپ نے عنان خلافت ہاتھ میں لے لی، اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے باغی مدینہ کے بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے تھے، یہ تو وہ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے، ان میں بہت سے آزمائش کے موقع پر ثابت قدم رہے، سختی کے مختلف حالات میں ان کا امتحان لیا گیا، انھوں نے دنیا چھوڑ دی دین کو اختیار کیا اپنی راہ میں زندہ رہنے سے اللہ کی راہ میں مرجانا پسند کیا، جن لوگوں کے یہ اوصاف ہوں وہ دین کی مخالف کسی بات پر مجبور نہیں کئے جا سکتے، اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا کسی خوف اور ڈر کے اپنی رضا و رغبت سے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی اور اس کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ جو چند آدمی اس بیعت سے مطمئن نہیں تھے حضرت علیؓ نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزادی دے دی اور ان کی معذرت قبول کر لی، پھر باغیوں کو منع کیا کہ وہ ایسے حضرات سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اور نہ ان تک پہنچیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب ضمانت دینے سے انکار کیا تو خود اس کے ضامن بن گئے۔ حضرت

طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے موقع پر یہ دونوں ان کے مخالف رہے اور ان کے لئے کوئی کوشش نہیں کی، ان میں سے ہر ایک اپنے لئے خلافت کا خواستگار تھا، اس لئے حضرت علیؓ کو ان سے فتنے کا اندیشہ ہوا۔

پس شامیوں کے انکار بیعت پر جب حضرت علیؓ اُن سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بدعہدی اور مخالفت دیکھ کر جب شام سے اپنی توجہ ہٹا رہے تھے تو آپ کے دل میں کوئی تردد یا شک نہ تھا تاہم آپ نے ایک مغموم خادم کی طرح بعض مواقع پر فرمایا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ نہ لیتا، مطلب یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں آپ کا یہ تصور نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں میں تفریق ہو گی اور ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اُٹھائیں گے، اور اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی خلافت فتنہ اور نفاق کا سرچشمہ بنے گی تو مسلمانوں کے امن و اتحاد کی خاطر اس سے اسی طرح باز رہتے جس طرح اس سے قبل تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر باز رہے اور طبیعت پر جبر کر کے صبر و برداشت سے کام لیتے، مگر اب جب کہ عام اور خاص مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو آپ بصیرت کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے اور یہ اچھا نہیں سمجھا کہ چلنے کے بعد واپس ہوں یا اقدام کے بعد رُکے رہیں، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے بخدا میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن راہ پر ہوں نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا، نہ میں گم کردہ راہ ہوں نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہو۔

حضرت علیؓ کی طرح ان کے ساتھیوں کے دل بھی جب وہ بصرہ جا رہے تھے تردد اور شبہ سے خالی تھے، ہاں ابو موسیٰ اشعریؓ کی ایک بات تھی لیکن یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بصرہ کے لوگ ان کے ہم خیال نہ تھے، حضرت علیؓ کے کچھ ساتھیوں نے اپنے دین اور خاص طور پر اپنی عاقبت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ بصرہ آنے سے اور ان کو ساتھ لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ تاکہ آپ لوگوں کی موجودگی میں بصرہ کے بھائیوں سے ملاقات کروں، انھیں امن و عافیت کی دعوت دوں، ان پر حق اور صداقت کا اظہار کروں اور اس معاملے میں اُن سے بحث و مباحثہ کروں شاید وہ سمجھ جائیں اور ہم آہنگی پیدا ہو کر جماعت میں وحدت کی صورت نکل آئے، ان لوگوں نے سوال کیا، اگر حق بات نہ مانی گئی اور امن و صلح کی باتوں کو نامنظور کر دیا گیا۔ آپ نے جواب دیا تو ان سے جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔ سوال کیا گیا، اگر انھوں نے شروع کر دی، آپ نے جواب دیا تو حق کے لئے ہم اُن سے لڑیں گے تا آنکہ وہ تسلیم کر لیں۔

اپنی عاقبت پر اطمینان کرنے کے لئے انھیں میں سے بعض نے سوال کیا کہ لڑائی میں مارے جانے والوں کا کیا حشر ہوگا؟ آپ نے جواب دیا۔ حق کی حمایت میں سچی نیت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے جس نے جنگ کی اس کا انجام شہداء کا انجام ہوگا۔

انھیں میں کے ایک آدمی نے ایک دن حضرت علیؑ سے سوال کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ باطل پر متفق ہو جائیں؟ آپ نے جواب میں کہا۔ حقیقت تم پر کھل نہ سکی، حق اور باطل افراد کی قدروں سے جانا جاتا ہے، حق کو پہچانو، اہل حق کا پتہ چل جائے گا، باطل کو سمجھو اہل باطل سمجھ میں آجائیں گے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ جامع اور دل نشیں جواب اور کوئی ہو سکتا ہے، جس سے وحی کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کوئی بھی خطا کی زد سے بچ نہیں سکتا خواہ کیسا ہی عالی مرتبہ ہو اور کوئی حق کا ٹھیکیدار نہیں بن سکتا خواہ کیسے ہی پوزیشن کا مالک ہو۔

پس حضرت علیؑ اور اُن کے ساتھی بصیرت کی روشنی میں قدم بڑھا رہے تھے، وہ اپنے ہی جیسے مسلمانوں پر ہاتھ اُٹھانے سے ڈرتے تھے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اس سے رک بھی نہیں سکتے تھے۔

حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ مصالحت کے لئے گفت و شنید ہو اور حق کے لئے بحث و مباحثہ بھی، لیکن اگر جنگ ہو تو اس کی ابتدا وہ خود نہ کریں، پس طرفین کی کیفیت میں فرق تھا۔ بصرہ کے لوگ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں باہم مختلف تھے۔ حضرت علیؑ کی جماعت متحد تھی، بصرہ کے لوگ متذبذب اور متردد تھے، حضرت علیؑ کے ساتھی ایک روشن اور مقرر مسلک رکھتے تھے، بصرہ کے لوگ تعداد میں کم ہو رہے تھے، کچھ تو فتنے سے دل گرفتہ ہو کر اور کچھ امن پسند بن کر اور کچھ خفیہ اور علانیہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہوتے جا رہے تھے اور حضرت علیؑ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی، لوگ بصرہ سے کوفہ سے اور دیہاتوں سے آکر شریک ہو رہے تھے اور اس حالت میں حضرت علیؑ بصرہ پہنچے اور پہنچتے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔

حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ

باہم گفت و شنید

حضرت علیؓ نے قعقاع ابن عمروؓ صحابی کو سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اصلی حالات کا پتہ چلائیں اور گفتگو کر کے معلوم کریں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کس ارادے سے نکلے ہیں؟ چنانچہ وہ بصرہ پہنچے، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضری کی اجازت ملی، پھر انھوں نے دریافت کیا کہ بصرہ تشریف لانے کا مقصد کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا، لوگوں میں خرابیوں کی اصلاح۔ قعقاع نے کہا، اچھا ہوا گر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی بلوالیں کہ آپ کی حاضری میں ان سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں، حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلوایا، جب وہ آگئے تو قعقاع نے ان سے کہا" میں نے اُم المومنین سے اس شہر میں تشریف لانے کی غرض دریافت کی، اُنھوں نے جواب دیا کہ لوگوں کی اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کو اس سے اتفاق ہے یا اختلاف؟ اُنھوں نے جواب دیا، اتفاق ہے۔ قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے کہ یہ اصلاح کیا ہے جو آپ لوگ چاہتے ہیں؟ اگر وہ کوئی ٹھیک بات ہے تو ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے اور اگر بُری ہے تو اس سے بچیں گے، جواب ملا حضرت عثمانؓ مظلوم مارے گئے جب تک ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جائے گی معاملات درست نہ ہوں گے۔ قعقاع نے کہا- آپ لوگوں نے تو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے بصرہ کے چھ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ صرف ایک آدمی حرقوص ابن زہیر کو نہ مار سکے جس کے قبیلے کے لوگ غصے میں مشتعل ہو کر آپ کے مخالف ہو گئے اور اسی قتل کے باعث مضر اور ربیعہ کے آدمیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگوں کے ساتھ آپ کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی، اور اگر یہی سلوک آپ دوسرے شہروں کے ساتھ کرتے رہے تو ایسی تباہی آئے گی کہ پھر آبادی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا" تو پھر تمھارا کیا کہنا ہے؟" قعقاع نے کہا" عرض یہ ہے کہ اس بات کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔ جب فضا سازگار ہو جائے گی، اشتعال اور ہیجان میں تظم و سکون پیدا ہو جائے گا، لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہے گا اور ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں گے، اس وقت غور کیا جائے گا کہ اس فتنے کا باعث کون لوگ ہیں۔ یہ جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں مجھے اس کے پورا ہونے کے آثار نظر نہیں

آتے، اس لئے کہ معاملات بہت پیچیدہ ہیں، اُمت پر مصائب اور مشکلات کا نزول ہو رہا ہے اور ایک زبردست آزمائش کا سامنا ہے، اب تو مشیت ایزدی کے مواخذے کے بعد ہی کچھ اُمید ہو سکتی ہے۔

قوم نے آپ کی بات کو پسند کیا یا یوں کہئیے کہ قوم نے آپ پر ظاہر کیا کہ اس کو آپ کی بات پسند ہے اور کہا ہم سب آپ کے خیال سے متفق ہیں۔ اگر علیؓ یہی خیال لے کر آئے ہیں تو ہم ان سے ضرور اس پر مصالحت کر لیں گے۔ قعقاع خوش خوش واپس آئے اور حضرت علیؓ کو اپنی گفتگو سے باخبر کیا وہ بھی سن کر بہت خوش ہوئے۔

بصرہ کے لوگ حضرت علیؓ کے پڑاؤ میں آمد و رفت رکھتے تھے، ان میں سے جو ربعی تھے وہ کوفہ کے قبیلہ ربیعہ سے ملتے تھے اور جو مضری یا یمنی تھے وہ مضری اور یمنی قبیلے کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے تھے، ان ملاقاتوں کا موضوع سخن اگر کوئی تھا تو یہی صلح جوئی اور امن پسندی کی باتیں اور وہ بھی اس طرح کہ طرفین کے لوگ خیال کرنے لگے کہ بہت جلد معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ اس موقع پر شیعوں بعض غالی مخالف ایک روایت بیان کرتے ہیں جو میرے خیال میں ٹھیک نہیں، اس لئے کہ وہ حالات کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اور ایسی باتیں سادہ لوح ہی کیا کرتے ہیں، یا پھر وہ تصنع سے کام لینے والے جو تاریخ کی تصویر سے کہیں زیادہ اپنی تمناؤں کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں، ان غلو کرنے والوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کا جرم عظیم سرزد ہوا، وہ مصالحت کی بات سن کر گھبرا گئے اور ڈرے کہ کہیں وہ اس صلح کی قیمت نہ قرار پائیں۔ چنانچہ رات اپنی مجلس میں جمع ہوئے اور اپنے اپنے خیالات پیش کرنے لگے، ٹھیک اسی طرح جیسا تم نے سیرت کی کتابوں میں دار الندوہ میں قریش کا اجتماع پڑھا ہو گا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی گئی اور جس میں ابلیس ایک بوڑھے نجدی کی صورت میں آیا اور حاضرین کی رہنمائی کی۔

اس قصے میں جماعت کا ابلیس آخر میں مسلمان ہونے والا وہ یہودی ہے جو مسلمانوں کا دین و دنیا خراب کرنے کے لئے شہروں کا گشت لگاتا رہا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکایا، جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے، جو ابن السودا کی کنیت سے مشہور ہے۔

تبادلۂ خیالات کا آغاز ہوا اور مشورے پیش ہونے لگے، جو کچھ پیش کیا جاتا جماعت کا ابلیس اس کو جہل اور بیوقوفی بتا کر رد کر دیتا تا آنکہ آخر میں ایک رائے پیش ہوئی جسے ابن السودا نے پسند کیا، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابو جہل کی رائے ابلیس نے پسند کی تھی وہ رائے یہ تھی:

پوری طرح اپنی تیاری کر لو اور چپ چاپ رہو، جب فریقین اکٹھا ہوں حضرت علیؓ کی بے خبری میں

جنگ چھیڑ دو، اس طرح صلح کی راہ میں رکاوٹ بن جاؤ۔

قصہ آگے بڑھتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ قوم نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل کیا اور جیسے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؑ نے صلح کی کارروائی شروع کرنی چاہی ان لوگوں نے جنگ چھیڑ دی۔

اس قصے کی تردید میں کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں کھلا ہوا تصنع ہے، حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی اتنے غافل نہیں تھے کہ انھیں پڑاؤ میں غداری کی سازش کی جارہی ہو سازش کرنے والے خود انھیں کے افسروں میں سے ہوں اور انھیں خبر تک نہ ہو۔ اس سلسلے میں اعتدال پسند مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ طبعی تقاضوں کے مناسب ہے کہ قوم بصرہ کے قریب جمع ہوئی فریقین میں بحث و مباحثہ ہوا، جس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا، پھر جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا۔

جنگ

اہل علم مسلمانوں میں حضرت کعب ابن سورا ایک بڑے نیک اور راست باز عالم تھے، عہدِ جاہلیت میں وہ عیسائی تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد ہمیشہ نیکیوں کے پابند، بھلائیوں کے طالب اور دین میں تفقہ رکھنے والے رہے، اللہ اور بندوں کے ساتھ خلوص رکھا، چھوٹی چھوٹی باتوں اور دنیاوی ساز و سامان سے اونچے رہے، حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر اعتماد کیا اور بصرہ کا آپ کو قاضی مقرر کیا حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے دور میں آپ کو باقی رکھا، حضرت علیؓ کے حاکم نے بھی آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ بدستور بصرہ کے قاضی رہے، یہاں تک کہ فتنے کا زمانہ آگیا اور حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ بصرہ آئیں اور حضرت کعب ابن سُور نے کوشش کی کہ لوگوں میں مصالحت کرادیں لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ پھر انھوں نے چاہا کہ اپنے قبیلے "ازدو" کو کنارہ کشی پر اور بصرہ سے چلے جانے پر آمادہ کرلیں، لیکن یہ بھی نہ کرسکے۔ قوم کے سردار صبرہ ابن شیمان نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں پرانی نصرانیت کے اثرات عود کرآئے ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کو ہم یوں ہی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد حضرت کعب نے جب دیکھا کہ قوم ساتھ نہیں دے رہی ہے تو چاہا کہ خود اکیلے فتنے سے علیحدہ رہیں، لیکن یہ خواہش بھی پوری نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ ام المومنین نے قسم دلائی کہ وہ ان کے ساتھ رہیں، بس وہ اپنے دینی جذبہ سے متاثر ہوکر جماعت کے خیال سے آپ کے ساتھ رہنے لگے۔

گویا حضرت کعب سمجھ گئے کہ ام المومنین ساتھ رکھنے کی قسم دلا کر پناہ کا تقاضا رکھتی ہیں، چنانچہ ساتھ رہنے لگے، پھر بھی آپ کوشش کرتے رہے کہ لوگوں میں کسی طرح مصالحت ہوجائے، آپ کو اس کا خطرہ تھا کہ فریقین کہیں بالمقابل نہ ہوجائیں، آپ کے خیال میں ایسا ہونا لڑائی کو دعوت دینا تھا کیونکہ ایسے مواقع پر سنجیدہ لوگوں کی متانت دور ہونے اور نادانوں کو طیش آنے میں دیر نہیں لگتی۔

لیکن تیاری کی صبح فریقین بالمقابل ہو ہی گئے، حضرت علیؓ درمیان میں آکھڑے ہوئے اور گفتگو کے لئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلوایا۔ تینوں اکٹھا ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا:

"کیا تم دونوں نے میری بیعت نہیں کرلی ہے؟ جواب ملا، آپ کی بیعت ہم نے مجبوراً کی تھی۔

آپ ہم سے زیادہ خلافت کے حق دار نہیں ہیں، اس کے بعد حضرت طلحہؓ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ اپنی عزت محفوظ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ساتھ لے کر نکلا ہے، چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرلے، حضرت زبیرؓ سے آپ نے خطاب کرتے ہوئے کہا، ہم تجھ کو عبدالمطلب کی اولاد خیال کرتے تھے لیکن تیرے ناخلف لڑکے نے تجھ کو ہم سے جدا کر دیا، حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے جو صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی اسماء کا لڑکا ہے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور حضرت طلحہؓ تیمی کے ساتھ نکل کر اپنے تیمی پھوپوں کی طرفداری کی اور اس بات کا کچھ خیال نہیں کیا کہ اس کا باپ حضرت زبیرؓ عبدالمطلب کی لڑکی صفیہ کا لڑکا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی پھپی ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے زبیرؓ سے کہا، تمھیں وہ دن یاد ہے جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ تم ظالم بن کر مجھ سے لڑائی کرو گے، حضرت زبیرؓ کو حدیث یاد آگئی اور وہ متاثر ہو گئے، ساتھ ہی وہ حضرت علیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت سے بھی متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے، اگر مجھے یہ یاد ہوتا تو میں ہرگز نہ نکلتا، علیؓ! اب میں تم سے کبھی نہیں لڑوں گا۔ حضرت زبیرؓ ام المومنین کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اس معاملے میں معقولیت نظر نہیں آتی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا، پھر کیا ارادہ ہے؟ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں پہنچ کر مورخین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت زبیرؓ نکل پڑے اور ان کو ابن جرموز نے وادی السباع میں احنف ابن قیس کے حکم سے یا بلا اس کے حکم کے قتل کر دیا۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لڑکے عبداللہ نے ان کو بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا۔ ابن ابی طالب کے علم دیکھ کر تم کو یقین ہو گیا کہ اس کے نیچے تمھاری موت ہے، اس لئے تم بزدل ہو گئے، اس طرح کہہ کہہ کر ان کو غصہ اور اشتعال دلایا، تب حضرت زبیرؓ نے کہا، میں نے حضرت علیؓ سے نہ لڑنے کی قسم کھالی ہے، عبداللہ نے جواب میں کہا، ایسا تو بہت ہوتا ہے اور لوگ قسم کا کفارہ ادا کر دیا کرتے ہیں، اپنے غلام سرجیس کو آزاد کر دو اور دشمن سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کے ساتھ شکست کھائی۔ ہماری طبیعت پہلی روایت کی طرف مائل ہے، حضرت زبیرؓ رقیق القلب اور اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جو ان کو مرتبہ حاصل تھا اس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، بصرہ پہنچ کر لوگوں کی فتنہ پسندی اور اختلاف دیکھ کر سخت حیرت میں تھے، ان کی حیرت بہت زیادہ بڑھ گئی، جب انھوں نے عمار بن یاسر کو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں دیکھا، مسلمان حضرت عمارؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث سنتے چلے آئے تھے۔

ویحك یا ابن سمیة تقتلك	افسوس سمیہ کے لڑکے تجھے باغیوں کی
الفئة الباغیه	ایک جماعت قتل کر دے گی

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ عمّار حضرت کی فوج میں ہیں اس ڈر سے کانپ اُٹھے کہ وہ خود کہیں انھیں باغیوں میں سے تو نہیں، لیکن اس کے باوجود انھوں نے ضبط اور برداشت سے کام لیا، حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور ان کی باتیں سنیں اور اس کے بعد ان کی بصیرت روشن ہوئی اور وہ قوم کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور لڑنا گوارا نہیں کیا، تا آنکہ وادی السّباع میں دھوکے سے قتل کر دیئے گئے، حضرت علیؓ کو ان کی موت کا بڑا رنج ہوا۔ آپ نے قاتل کو آگ کی بشارت دی اور حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر کہا، یہ وہ تلوار ہے جو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصیبتوں کے بادل چھانٹتی رہی۔

پس حضرت زبیرؓ لڑے نہیں، بلا لڑے واپس ہو گئے، ان کی یہ واپسی ان کے ساتھیوں کی طاقت توڑ دینے والی ثابت ہوئی، چنانچہ دوپہر تک ہی لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شکست ہو گئی، حضرت طلحہؓ زخمی ہو کر بھی ساتھیوں کو اُبھار رہے تھے کہ ایک بے نشانہ تیر ان کو آ کر لگا، بعض روایات میں ہے کہ یہ تیر مروان ابن الحکم کا تھا، جو انھیں کے ساتھیوں میں سے تھا۔ مروان کہا کرتا تھا، بخدا میں نے اس واقعہ کے بعد کبھی حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے بعض لڑکوں سے یہ بھی کہا۔ میں نے تمھارے باپ کا بدلہ حضرت طلحہؓ سے پورا کر دیا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو، بہر حال لوگوں کو شکست ہوئی، حضرت طلحہؓ زخمی ہوئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکیں گے۔ وہ اپنا خون بہتے ہوئے دیکھتے تھے اور کہتے تھے، اے اللہ حضرت عثمانؓ کا بدلہ مجھ سے لے لے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ پھر اپنے غلام کو کسی ایسی جگہ چلنے کا حکم دیا جہاں قیام کر سکیں، چنانچہ بڑی دقت اور دشواری کے بعد وہ ان کو بصرہ کے ایک اُجڑے گھر میں پہنچا سکا، جہاں تھوڑی دیر بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

لوگوں نے سمجھا کہ لڑائی ختم ہو گئی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی فتح یاب ہوئے، حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں میں منادی کرا دی، زخمی پر کوئی حملہ آور نہ ہو، بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرے، کوئی کسی کے گھر میں نہ گھسے، کوئی مال و اسباب پر قبضہ نہ کرے، کوئی کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچائے۔

اپنے بعض کاموں میں مصروف حضرت علیؓ اس خیال میں تھے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اور آپ غالب آ گئے ہیں

اتنے میں سخت شور و غوغا کی آواز آئی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ لوگوں کو آمادہ کر رہی ہیں اور قاتلین حضرت عثمانؓ پر لعنت بھیج رہی ہیں اور لوگ بھی لعنت ہیں ان کی ہم نوائی کر رہے ہیں، حضرت علیؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے ہیں، بخدا یہ تو اپنے اوپر لعنت بھیج رہے ہیں انہیں لوگوں نے تو عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اے خدا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت ہو۔

لڑائی کا نقشہ

اس دن صبح کے وقت جب حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ سے مایوس ہو گئے اور یقین کر لیا کہ ان کو لڑائی پر اصرار ہے، اپنے ساتھیوں کو نہایت سختی کے ساتھ پہل کرنے سے روکا اور کہا، جب تک میرا حکم نہ ہو اقدام نہ کیا جائے، بصرہ کے نوجوانوں خصوصاً بیوقوفوں کا اس وقت یہ حال تھا کہ وہ لڑائی چھیڑنے کی حرکتیں کیا کرتے اور حضرت علیؓ کے آدمیوں پر تیر چلاتے تھے، کتنے ہی آدمی زخمی ہوئے جن کو حضرت علیؓ کے پاس لایا گیا اور درخواست کی گئی کہ اب وہ لڑائی کی اجازت دینے میں دیر نہ کریں۔ پھر بھی آپ نے عجلت سے کام نہیں لیا اور اجازت نہیں دی، لیکن جب واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپ نے کوفہ کے ایک نوجوان کے ہاتھ میں قرآن دیا اور کہا کہ وہ اسے لے کر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور اس کی طرف قوم کو بلائے، حضرت علیؓ نے اس کو جتا دیا تھا کہ اس فرض کو پورا کرنے میں اس کی جان کا خطرہ ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد نوجوان نے قرآن ہاتھ میں لے لیا اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو کر اس کی دعوت دینے لگا، اس کے بعد لوگوں نے اس پر اتنے تیر برسائے کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس سلسلہ میں راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ لکھا ہے کہ قرآن اس کے داہنے ہاتھ میں تھا، جب وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اس نے بائیں ہاتھ میں لے لیا، جب وہ بھی کاٹ دیا گیا تو اس نے دانتوں سے پکڑ لیا یا اپنے مونڈھے پر کر لیا، تا آنکہ قتل کر دیا گیا۔

اتنی بات بہر حال قطعی ہے کہ وہ نوجوان قرآن کی دعوت دیتا رہا اور اسی حالت میں وہ مارا گیا، تب حضرت علیؓ نے کہا اب کوئی حرج نہیں۔ پہلا معرکہ دوپہر سے پہلے تک رہا اور زوال تک شکست ہو چکی تھی، اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پر جوش حامی جن کی قیادت غالباً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کر رہے تھے آئے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کو مسجد کے گھر سے نکالا، ایک ہودج میں سوار کیا جو زرہوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا، یہ ہودج آپ کے اسی اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پھر میدان معرکہ میں لایا گیا، یہ دیکھ کر شکست کھائے ہوئے لوگ ام المومنین کے پاس جمع ہونے لگے، انھوں نے محسوس کیا کہ صرف اپنی ماں کے حامی ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ان کی محبوب بیوی کی حمایت کر رہے ہیں،

ان کے دلوں میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا جس میں ایک طرف دین کا گہرا احساس تھا اور دوسری طرف آبرو کا اور ماں کی حمایت اور غیرت کا، چنانچہ لوگ لڑنے مرنے کے لئے اپنی ماں کے آس پاس جمع ہو گئے، وہ اس کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی موجودگی میں ان کے شہر میں ام المومنین پر ذرا بھی آنچ آئے۔

حضرت عائشہؓ کا اونٹ جیسا کہ معرکے میں بعض شریک ہونے والوں کا بیان ہے، بصرہ والوں کے لئے پناہ کا جھنڈا تھا جہاں پہنچ کر وہ محفوظ ہو جاتے تھے، جس طرح میدان جنگ کے سپاہی اپنے جھنڈے کے نیچے پناہ لیتے ہیں، یہ دیکھ کر فاتح جماعت بھی بڑی تیزی سے بڑھی کہ جس طرح دوپہر سے پہلے ان سے نپٹ لیا تھا، اب شام تک ان کو بھی ٹھکانے لگا دے، اتنے میں بصرہ کے قاضی کعب ابن ثور قرآن مجید گردن میں لٹکائے سامنے آئے اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف بلانے اور شر و فساد سے روکنے لگے، لیکن حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے تیر چلا کر انھیں مار ڈالا۔ کہنا چاہیئے کہ اس طرح انھوں نے اپنے نوجوان کا بدلہ لے لیا جو فریقین کے درمیان صبح کے وقت قرآن اٹھائے مارا گیا تھا فریقین میں بڑا سخت مقابلہ رہا، حضرت علیؑ کے ساتھی چاہتے تھے کہ کامیابی آنے کے بعد پلٹ نہ جائے حضرت عائشہؓ کے حامی ام المومنین کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینے پر تلے تھے، لڑتے لڑتے تھک گئے ان میں ایک دوسرے سے بیزاری اور مایوسی پیدا ہو گئی، آخر میں چیخنے چلانے کی آوازیں فضا میں دائیں بائیں گونجنے لگیں، لڑنے والوں سے کہا گیا کہ حریفوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو، چنانچہ یہ مذموم حرکت کی گئی۔ بعضوں نے بعضوں کے ہاتھ اور بعضوں نے بعضوں کے پاؤں کاٹ دیئے۔ پھر جس پر یہ گذرتی وہ خود ہی مرنے پر تیار ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھی تقریباً شکست کھا چکے تھے۔ لیکن اونٹ اپنی جگہ کھڑا ہوا اور ہودج اس پر بدستور برقرار تھا، جس پر ام المومنین بیٹھی لوگوں کو منتشر اور خائف ہونے کے بعد ہمت اور جرأت پر آمادہ کرتی تھیں، لوگ اونٹ کے پاس آکر جم جاتے تھے، ان کا مقصد فتح یا کامیابی نہ تھا وہ تو اپنی ماں کی حمایت کرنا چاہتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے ؎

یا امنا عائش لا تراعی	اے ماں ذرا بھی اندیشہ نہ کرو تمہارا
کل بنیک بطل المصاع	ہر لڑکا خوفناک مرد میدان ہے۔

اور حضرت عائشہؓ کا یہ حال کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور سامنے کے لوگوں کو جوش دلا کر آمادہ کرتیں اور حضرت علیؑ کے آدمی ان پر چھائے چلے جاتے اور جوش میں رجز پڑھتے جاتے ؎

یا امنا اعق ام نعلم	اے ماں ہم تمہیں بڑی نامہربان دیکھتے ہیں
والام تغذو ولدها وترحم	حالانکہ ماں اپنے بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے

اما ترین کم شجاع یکلم — کیا نہیں دیکھتی ہو کتنے بہادر زخمی کئے جا رہے ہیں
وتختلی منه ید ومعصم — اور ان کے ہاتھ اور کلائیاں کاٹی جا رہی ہیں

اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ کے ساتھی کہتے ہیں ؎

نحن بنی عنبة اصحاب الجمل — ہم قبیلہ عنبہ کی اولاد، اونٹ والے ہیں
ننازل القرن اذا القران نزل — ہم درجہ کے لوگوں سے لڑتے ہیں جب وہ سامنے آئیں
والقتل اشهی عندنا من العسل — خونریزی ہمیں شہد سے زیادہ مرغوب ہے
نبتغی ابن عفان باطراف الاسل — ہم ابن عفان کے خواہاں ہیں تیروں کی نوک سے
ردوا علینا شیخنا ثم بجل — ہمارا سردار ہمیں واپس کردو اور بس!

اسی حالت میں وہ جانیں نثار کر رہے تھے اور یہ شدت کے ساتھ ان پر غالب آ رہے تھے جب کوئی اونٹ کی نکیل تک ہاتھ پہنچاتا قتل کر دیا جاتا، اس بری طرح قتل سے حضرت علیؑ چلا اٹھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا، "اونٹ کو ذبح کر دو اس کی بقا میں عربوں کی فنا ہے۔" یہ سن کر ایک ساتھی ٹوٹ پڑا اور اونٹ کو اپنی تلوار سے ذبح کر دیا، اونٹ اپنے پہلو پر گرا اور گرتے ہی اس کے منہ سے ایسی بری چیخ نکلی جو کسی نے اب تک نہیں سنی تھی، یہ ہونا تھا کہ اونٹ کے حامی ٹڈیوں کی طرح منتشر ہو گئے، اب محمد ابن ابوبکرؓ اور عمار بن یاسر آ کر ہودج اٹھاتے ہیں اور ایک طرف لے جاتے ہیں۔ محمد ابن ابوبکرؓ ہودج پر کمبل ڈال دیتے ہیں، حضرت علیؑ ان سے کہتے ہیں کہ معلوم کرو کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ محمد اپنا سر اندر کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ پوچھتی ہیں، "تم کون ہو؟" انھوں نے جواب دیا "آپ کا وہ عزیز جس پر آپ بیحد خفا ہیں۔" حضرت عائشہؓ نے کہا، "خثعمیہ کا لڑکا" محمد نے کہا "ہاں، آپ کا بھائی محمد" اس کے بعد دریافت کرنے پر حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ ایک تیر کا ٹکڑا ان کے بازو میں پیوست ہے، محمد اس کو نکالنے لگے، حضرت علیؑ غصے کی حالت میں آئے لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنا نیزہ ہودج پر مارا اور کہا "ارم کی بہن کہو کیسی رہی اللہ کی کارسازی" حضرت عائشہؓ نے کہا "ابن ابی طالب تم نے فتح پائی، اب تم نرمی اختیار کرو" حضرت علیؑ نے فرمایا، "خدا آپ کو معاف فرمائے" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اور آپ کو بھی" اس کے بعد حضرت علیؑ محمد بن ابوبکرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کو بصرہ کے کسی گھر میں لے جائیں۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر لے جاتے ہیں جہاں وہ کچھ دنوں قیام کرتی ہیں۔

معرکۂ جمل کے بعد

حضرت طلحہؓ کے ساتھ معرکے میں دوپہر سے پہلے تک لڑائی ہوتی رہی، آخر شکست ہوئی اور حضرت طلحہ مارے گئے، اس کے بعد شام تک لوگ لڑتے رہے اور رات آنے سے پہلے ہی شکست ہو گئی، جس میں حضرت عائشہؓ سلامت رہیں۔ مسلمانوں کو اس موقع پر شرمناک حد تک جو بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا اس کی کوئی مثال نہیں، اس دن مسلمانوں نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی، خود انھوں نے انھیں کو قتل کر دیا، فریقین میں سے جلیل القدر صحابہؓ مسلمانوں کے بہترین فقہا اور علماء مارے گئے۔ حضرت علیؓ کو اس کا انتہائی غم تھا اپنے اور حریف کے مقتولوں کو پہچان پہچان کر دردمندی اور ترحم کا اظہار فرماتے اور خدا کی طرف متوجہ ہو کر کہتے

اشکوالیک عجری و بجری	اپنے غم کے احساسات اور کمزوریوں کی اے خدا تجھ سے فریاد ہے
شفیت نفسی و قتلت معشری	میں نے اپنے دل کی پیاس بجھائی لیکن اپنی قوم کو قتل کر دیا

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس دن عربوں میں ان کی جاہلیت اور گمراہی کا دور واپس آگیا تھا اور وہ اپنے روادار دین کو بالکل یا تقریباً فراموش کر چکے تھے یا پھر جنون کا دورہ ان کے ہوش و حواس کا خاتمہ کر چکا تھا اور وہ جانتے ہی نہ تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا نہیں کر رہے ہیں، یا پھر یوں کہیے کہ فتنے کی پٹی اتنی دبیز تھی کہ خود مسلمان اپنی بصارت کھو چکے تھے، گویا اللہ نے انھیں کے متعلق فرمایا ہے:

اوکصیب من السماء فیہ ظلمات	آسمان کی بارش کی طرح جس میں اندھیری
ورعد و برق یجعلون اصابعھم	کڑک اور بجلی ہے۔ اس میں چلنے والے
فی اذانھم من الصواعق	اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے
حذر الموت۔	ہیں موت اور کڑک کے خطرے سے۔

لیکن یہ لوگ تو مسلمان تھے، ان میں سے ہر ایک اس خیال کا تھا کہ اس کا غصہ اللہ کے لئے ہے اس جنگ میں وہ لڑے گا تو خدا کے لئے لڑ کر مر جائے گا تو اس کی موت خدا کی راہ میں ہو گی۔ پس حضرت علیؓ نے اس معرکے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے سوال کرنے پر کوئی دور کی بات نہیں کہی تھی کہ جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے حق بات پر لڑائی کی اور قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے احکام جاری کر دیئے، اُونٹ کے گرنے کے بعد آپ نے لوگوں کو امان دی اپنے آدمیوں کو بڑی سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ کسی زخمی پر حملہ آور نہ ہوں، کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ

کریں، کسی کے گھر میں گھس نہ پڑیں، کسی کی بے حرمتی نہ کریں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں میں جو مال غنیمت تقسیم کیا وہ بیت المال کی کوئی ملکیت نہ تھی بلکہ وہ بصرہ والوں کے گھوڑے اور ہتھیار تھے۔ حضرت علیؑ نے اس سلسلہ میں احتیاط کی حد کر دی، آپ نے حکم دیا کہ میدان معرکہ میں بصرہ والوں نے جو کچھ چھوڑ دیا ہے وہ سب جمع کر کے مسجد میں لایا جائے، پھر آپ نے لوگوں میں منادی کرا دی کہ آئیں اور اپنی اپنی چیزیں پہچان کر لے جائیں۔

رات نے آکر شاید قوم کو اس کی گئی ہوئی عقل واپس کر دی، چنانچہ فاتح اور مفتوح دونوں رنجیدہ اور مغموم ہوئے، دوسرے دن حضرت علیؑ نے تمام مقتولوں پر نماز پڑھی، جن میں ساتھی تھے اور حریف بھی اور لوگوں کو اپنے اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دی، کٹے ہوئے اعضا کے ٹکڑے جمع کروائے اور ایک بڑا گڑھا کھدوا کر اس میں دفن کروا دیئے اور خود بصرہ کے باہر اپنے پڑاؤ میں قیام کیا اور تین دن بعد بصرہ میں داخل ہوئے ظاہر ہے کہ اس افسوسناک اور مذموم معرکہ کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا اور بہت دیرپا ہوا۔ پھر اس نے شاعروں اور قصہ گویوں کے لئے ایک بڑی زرخیز زمین پیش کر دی، چنانچہ انھوں نے قصے کہانیاں تیار کیں اور ان میں بڑے مبالغے سے کام لیا، میدان جنگ میں مقابلہ کرنے والوں کی طرف ایسے اچھے اور موثر رجز اور اشعار منسوب کئے جس میں اصلیت کا حصہ بہت کم ہے، پھر بھی اس ننگ و عار سے بھرے ہوئے معرکے کا بیان نہ کر سکے، اور ادب اپنی زرخیزی اپنے اثر اور اپنی قوت کے باوجود کب یہ کر سکا کہ دردناک واقعات کا ہو بہو نقشہ کھینچ دے اور اگر اسے یہ بتانا ہو کہ کس طرح بھائیوں نے بھائیوں کو قتل کر دیا، باپ کس طرح بیٹے پر اور بیٹے کس طرح باپ پر جھپٹ پڑے تو وہ ان کیفیتوں کی بعینہ تصویر پیش کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سن کر کہا تھا، اب تک تم اس اونٹنی سے دودھ دوہتے رہے آج کے بعد سے دودھ کی جگہ خون نکلے گا۔ اندازہ کیجئے، نبیؐ کے اس صحابی نے کس قدر صحیح کہا تھا۔

طرفین کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس کی گنتی میں راویوں کا اختلاف ہے، بعضوں نے بیس ہزار لکھا ہے بعض نے دس ہزار سے زیادہ نہیں بتایا، ان اعداد و شمار میں کافی مبالغے سے کام لیا گیا ہے لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے بہت سے گھر ماتم کدہ بنے ہوئے تھے۔

یہ اس خلافت کی بد فالی ابتدا تھی جس سے مسلمان سراسر خوش بختی اور برکت کے متوقع تھے، حضرت علیؑ کی خلافت پر ابھی چند ماہ کی مدت بھی نہیں گذری تھی کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے خوفناک اور خطرناک بن گئے +

حضرت علیؓ بصرہ میں

معرکہ کے تین دن بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے، مسجد پہنچ کر نماز پڑھی اور لوگوں سے ملنے کے لئے دوپہر سے پہلے بیٹھ گئے، اور جب شام ہوئی تو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے ملاقات کے لئے سوار ہوئے، اور عبداللہ ابن خلف خزاعی کے گھر آئے، جو بصرہ کا سب سے بڑا گھر تھا، گھر کی مالکہ صفیہ بنت حارث عبدربہ بُری طرح پیش آئی، اس نے کہا دوستوں کے قاتل جماعت کو منتشر کرنے والے، خدا تیرے لڑکوں کو یتیم کردے، جس طرح تو نے عبداللہ کے لڑکوں کو یتیم کردیا۔ اس کا شوہر عبداللہ بن خلف اور اس کا بھائی عثمان دونوں معرکے میں قتل کئے جا چکے تھے۔ حضرت علیؓ نے کوئی جواب نہیں دیا اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے اور بیٹھنے کے بعد کہا۔ صفیہ مجھ سے بری طرح پیش آئی، میں نے اسے اس وقت دیکھا تھا جب وہ بچی تھی، اس کے بعد سے آج دیکھا، پھر آپ نے حضرت عائشہؓ سے کچھ باتیں کیں اور واپس ہوئے، واپسی پر صفیہ پھر سامنے آئی اور اپنی باتیں دہرانے لگی حضرت علیؓ نے چاہا کہ اس کو خاموش کردیں، چنانچہ بند کمروں کے دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: "میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان دروازوں کو کھولوں اور جو لوگ کمروں میں ہیں انھیں قتل کردوں۔" یہ سن کر صفیہ چپ ہوگئی اور سامنے سے ہٹ گئی، ان کمروں میں حضرت عائشہؓ کے بہت سے زخمی ساتھی تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کو ان کمروں میں جگہ دی تھی اور اچھا ہوجانے تک ان کی تیمارداری کا انتظام کیا تھا۔ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ارادہ ان کو قتل کردینے کا نہ تھا، بلکہ اس طرح آپ نے اس قریشیہ کو ڈرایا اور اس سے پیچھا چھڑایا۔

حضرت علیؓ کے بعض ساتھیوں نے صفیہ کو پکڑنا چاہا، لیکن آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹا اور فرمایا ہمیں تو مشرک عورتوں تک سے روکا جاتا تھا، اور جو شخص عورت کو مارتا اس کی اولاد تک کو طعنہ دیا جاتا تھا۔ خبردار! اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کسی نے کسی عورت سے اس لئے تعرض کیا کہ اس نے تم کو اذیت دی ہے یا تمہارے حاکموں کو گالی دی ہے تو میں سخت سزا دوں گا۔

ابھی آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ کوفہ کے دو آدمی آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کو سنانے کے لئے اونچی آواز سے سخت الفاظ زبان سے نکالے،

ایک نے کہا "ہماری ماں کو نامہربان ہونے کی سزا ملی"۔ دوسرے نے کہا "اماں تو یہ کر لیجئے آپ سے قصور ہوا ہے"

حضرت علیؓ نے ان دونوں کو اور ان کے ساتھیوں کو بلوایا اور یہ ثابت ہونے کے بعد کہ ان دونوں نے یہ بات کہی ہے، سرسری طور پر ان کو قتل کر دینے کا حکم دیدیا، پھر سزا میں تخفیف کر دی اور ہر ایک کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

بصرہ والوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ ایک ایسے شریف آدمی کا سا تھا جو قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے، مالک ہونے پر بھی نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ بصرہ والوں کے ساتھ میرا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسا مکہ والوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور ان کی بیعت لی، ان میں تندرست تھے اور زخمی بھی۔ پھر بیت المال میں آئے اور جو کچھ اس میں تھا لوگوں میں تقسیم کر دیا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے بیت المال سے صرف اپنے ساتھیوں کو دیا، بصرہ والوں کو نہیں دیا، آپ نے وعدہ کیا کہ اگر خدا نے شامیوں کے مقابلے میں کامیابی دی تو عطیات کے علاوہ اتنا ہی وہ ان کو دیں گے، حضرت علیؓ کی سیرت سے جو بات میل کھاتی ہے وہ یہ کہ آپ نے فاتح اور مفتوح میں تقسیم کیا، یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے باغی خفا تھے کہ حضرت علیؓ نے دوست دشمن میں تمیز نہیں کی اور اس کی اجازت نہیں دی کہ شکست کے بعد جو کچھ ملا ہے وہ لے لیا جائے۔ چنانچہ ایک نے کہا "ان کا خون تو ہمارے لئے حلال کیا لیکن ان کا مال حرام کر دیا"۔

بعض مورخوں نے کہا ہے کہ طبری اور اس کے راوی جن باغیوں کو سبائی کہنا پسند کرتے ہیں وہ بصرہ سے بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ چلے آئے، جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو بصرہ چھوڑنے میں جلدی کرنا پڑی کہ کہیں کوفہ جا کر یہ کچھ گل نہ کھلائیں لیکن غالباً ان کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بطور اظہار ناراضی ان لوگوں نے دبی زبان میں کچھ کہہ دیا ہو اور بس جس طرح اشتر کے متعلق روایتوں میں ہے کہ جب بصرہ کا حاکم حضرت علیؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو بنایا تو انھوں نے کہا، یہی ہونا تھا تو پھر بوڑھے کو ہم نے کیوں قتل کیا، آج بصرہ کے حاکم عبداللہ ہیں، یمن کے عبیداللہ، مکہ کے قثم اور سب کے سب بنی عباس میں سے ہیں۔ طبری راویوں کا خیال ہے کہ اشتر خفا ہو کر بڑی تیزی سے کوفہ چلا گیا تو حضرت علیؓ نے بھی کوچ کا حکم دیدیا، تاکہ کوفہ میں اشتر کے کچھ کرنے سے پہلے جا پہنچیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ پچھلے راویوں کی کھینچ تان ہے، لوگوں کو تو خلفا کی کتنی ہی باتوں پر اعتراض رہا ہے، لیکن یہ اعتراضات صرف زبان تک محدود ہیں۔

لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ پر اعتراض کیا، حضرت فاروق اعظمؓ پر نکتہ چینی کی، ابتدائی دور خلافت

میں حضرت عثمان پر بھی لوگ معترض رہے لیکن اعتراض کی حد سے آگے نہیں بڑھے۔

اس بات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ بصرہ میں کتنے دن رہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایک مہینہ بھر یا اس سے بھی کم۔ ایک اور جماعت کہتی ہے کہ دو ماہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ بصرہ میں آپ کا قیام طویل نہ تھا، آپ کے پیش نظر کچھ معاملات تھے جن کا نظم کر دینے کے بعد بعجلت کوفہ چلے گئے تاکہ شامیوں سے جنگ کی تیاری کی جا سکے سب سے اہم معاملہ بصرہ کے معرکے اور اس کے نتائج سے فرصت حاصل کرنا تھا اور یہ اطمینان کرنا کہ واپسی کے بعد وہاں کے حالات خاطر خواہ رہیں گے۔

لوگوں کو امن پسند اور صلح جو دیکھ کر آپ چشم پوشی کرتے اور اپنے خوش ہونے کا اعلان فرماتے، خوفزدہ لوگوں کو مطمئن کرتے، دشمنوں کے کھٹکوں سے تجاہل فرماتے۔

بنی امیہ کی جماعت سے آپ نے تجاہل کیا، اس جماعت کے افراد معرکے میں زخمی ہو کر ڈرتے تھے کہ حضرت علیؓ انھیں معاف نہیں کر سکتے، چنانچہ وہ ادھر ادھر پھیل گئے، انھوں نے ممتاز عرب گھرانوں میں پناہ مانگی، معزز عربوں نے انھیں پناہ دی، تیمارداری کر کے انھیں محفوظ مقامات پر پہنچا دیا، حضرت علیؓ یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن مخفی رکھتے تھے، کیونکہ معرکے کے بعد آپ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں چاہتے تھے، آپ جانتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے بہت سے زخمیوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے، لیکن آپ نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا، البتہ یہ بتا دیا کہ آپ ان سے واقف ہیں، اور جب صفیہ بنت حارث نے بُرا بھلا کہا اور بد دعائیں دیتے ہوئے سامنے آئی تو آپ نے اس کا اظہار کر دیا۔ عبداللہ ابن زبیرؓ بہت زیادہ زخمی ہو کر چھپے تھے۔ اُم المومنینؓ کو قاصد کے ذریعہ اپنی جگہ کی خبر کی اور کہا کہ محمد ابن ابوبکرؓ کو پتہ نہ چلنے پائے، اُم المومنینؓ نے اپنے بھائی محمد کو ہی حکم دیا کہ بھانجے کے پاس جاؤ اور مجھ تک پہنچا دو۔ محمد گئے اور انھیں لے آئے، راستے بھر ماموں بھانجے لڑتے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے رہے۔ محمد عثمانؓ کو اور عبداللہ اپنے ماموں محمد کو گالیاں دیتے رہے۔

اس طرح امن و عافیت اور رواداری کی فضا زیادہ سے زیادہ پھیلتی گئی اور دلوں کا ہیجان سکون پذیر ہوتے ہوتے اس میں حسرتیں چھوڑتا گیا، قوت اور کمزوری کے اعتبار سے جیسا دل تھا ویسی ہی حسرت۔

محدثین اور مورخین کی روایتوں کے مطابق مفتوحین میں حضرت عائشہؓ کی حسرت اور ندامت بڑی شدید قسم کی تھی وہ "قرن فی بیوتکن" والی پوری آیت تلاوت فرماتیں اور روتیں، اتنا روتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا اور فرماتیں کاش مجھے آج سے بیس سال پیشتر موت آجاتی۔ حجاز واپس آجانے کے بعد کہا کرتیں "یوم جمل سے اگر میں بیٹھ رہتی تو مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوتی کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم

سے مجھے دس لڑکے پیدا ہوتے۔

فاتحین میں خود حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی مغموم اور حسرت زدہ نہ تھا، آپ فرمایا کرتے تھے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ ہی نہیں لیتا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اشکو الیک عجری دبجری — اے خدا غم کے احساسات اور کمزوریوں کی تجھ سے فریاد ہے

شفیت نفسی و قتلت معشری — اپنی قوم کو قتل کر کے میں نے اپنی پیاس بجھائی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی طرح آپ بھی کہا کرتے تھے کہ "کاش آج سے بیس سال قبل مجھے موت آ چکی ہوتی"۔

بصرہ چھوڑنے سے پہلے آپ اہم امور سے فراغت چاہتے تھے، ان میں حضرت عائشہؓ کو مدینہ منورہ بھجوانا بھی تھا، تاکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے گھر میں بیٹھیں، آپ نے جلدی کی لیکن حضرت عائشہؓ نے مہلت طلب کی، غالباً وہ اپنے زخمیوں کے سلسلے میں پوری طرح مطمئن ہونا چاہتی تھیں۔ حضرت علیؓ نے مہلت دی، اس کے بعد آپ نے مرتبہ کے مطابق سواری کا انتظام کر دیا اور عورتوں اور مردوں کی ایک جماعت ساتھ کر دی، اپنے سفر کے دن حضرت عائشہؓ نکلیں تو لوگوں نے ان کو سلام کیا اور انھیں رخصت کیا، حضرت عائشہؓ نے لوگوں کو بھلائی کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، جو ایک عورت اور اس کے شوہر کے بھائی کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی تصدیق کی اور ساتھ ساتھ چلتے رہے تا آنکہ بہت دور ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا اور وہ دن بھر ساتھ چلتے رہے، دوسرے دن واپس آ گئے۔

حضرت علیؓ نے بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا حاکم مقرر کیا، اور ہمارا خیال ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو آپ مقرر نہیں کر سکتے تھے۔ بصرہ میں مضریوں کی اکثریت تھی اور ضروری تھا کہ معرکہ کے بعد بصرہ کا حاکم ایک ایسا مضری شخص ہوتا، جس کی حضرت علیؓ سے قریبی قرابت ہوتی۔ خراج پر حضرت علیؓ نے زیاد کو مقرر کیا اور کوفہ روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچنے پر آپ نے لوگوں کو خائف پایا اور مغموم مغموم وہ لوگ تھے جن کے بیٹے، بھائی یا باپ معرکے میں مارے گئے تھے۔ اور خائف وہ لوگ تھے جو گھروں میں بیٹھے رہے اور معرکے میں حصہ نہیں لیا، وہ ڈر رہے تھے کہ ان پر عتاب ہوگا۔ لیکن حضرت علیؓ نے دونوں سے ہمدردی کی اور شامیوں سے جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

شام کی لڑائی

بصرہ کی لڑائی کا نام حضرت علیؑ نے غداروں کی لڑائی رکھا تھا اور شام کی لڑائی کو وہ گمراہوں کی لڑائی کہا کرتے تھے، اس لئے کہ بصرہ والوں نے بیعت توڑ دی تھی اور شام والے راہ حق سے منحرف تھے۔ غداروں کی لڑائی سے فراغت پاتے ہی حضرت علیؑ نے گمراہوں سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی، نہ اپنے آرام کا کچھ خیال کیا اور نہ ساتھیوں کے ساتھ کچھ رعایت روا رکھی۔ ماہ رجب کے اواخر میں آپ کوفہ پہنچے اور چار ماہ تک قیام کر کے جنگ کی تیاری کر لی، آپ کے ساتھیوں نے بھی اپنے آرام کا کچھ خیال نہیں کیا، ان کو فتح کا جوش تھا اور چاہتے تھے، ایک فتح میں دوسری فتح کا اضافہ کر لیں اور جو لڑائی میں شریک نہیں تھے وہ اپنی غیر حاضری کی تلافی کے لئے بیتاب تھے، اور چاہتے تھے کہ آئیندہ جنگ میں سرفروشی اور ثابت قدمی سے حضرت علیؑ کو راضی کر لیں، آنے والی جنگ میں غیر معمولی قربانی اور زبردست پامردی کی ضرورت تھی، شام کا حریف بہت بڑا تھا، اس کے پاس فوج کی خوفناک اور سخت قوت تھی اور اس کی تندت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ابوسفیان کا لڑکا ہے، جس نے بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی، اس جنگ میں وہ زبردست آزمائش کے دور سے گذرا اور چال بازی کا مظاہرہ بھی کیا۔ آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا، ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام، تب مسلمان ہوا۔

حضرت معاویہؓ کو وراثت میں باپ کی طرف توانائی ملی، ساتھ ہی سنگ دلی، چالاکی، چال بازی اور لچک بھی ملی، پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض اور عداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں، مسلمانوں نے معرکہ بدر میں ان کو ڈرا دیا دھمکایا تھا، مشرکوں نے اُحد کے معرکے میں اس کا بدلہ لے لیا، لیکن پھر بھی ان کے کینے اور دشمنی کی آگ فتح مکہ تک بھڑکتی رہی، اس کے بعد شوہر کی طرح اسلام لانے پر مجبور ہوئیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنایا اور بنائے رکھا، حالانکہ والیوں کو بدلتے رہنے کی ان کی بڑی خواہش تھی۔ حضرت معاویہؓ نے شام اور شامی فوجوں کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کیا اور رومیوں کے بالمقابل جو ثابت قدمی دکھائی، حضرت عمرؓ اس سے مطمئن تھے۔ حضرت معاویہؓ کو فتوحات کا غیر معمولی حوصلہ

تھا، وہ چاہتے تھے کہ بڑی لڑائیوں کی طرح بکری لڑائیاں بھی لڑیں، حضرت عمرؓ ان کو اس سے روکتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو اُنھوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت معاویہؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ کے تمام حاکموں کو بدل دیا حضرت معاویہؓ کو باقی رکھا اور ان سے حضرت عمرؓ کی طرح خوش رہے۔

اُنھوں نے حضرت معاویہؓ پر اپنے تمام گورنروں سے زیادہ بھروسہ کیا اس لئے کہ وہ رشتہ دار تھے مصائب کی شدید تاریکیوں میں بھی وہ ہمّت نہیں ہارتے تھے، حضرت عثمانؓ کے گورنر جب کبھی کوفہ اور بصرہ کے بعض مخالفوں سے تنگ ہوئے تو اُن کو شام بھجوا دیا، جہاں حضرت معاویہؓ نے ان کو نرمی یا سختی سے جیسی ضرورت سمجھی ٹھیک کیا۔

اس کتاب کے پہلے حصّے میں جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت معاویہؓ کو ایک جلیل القدر صحابی سے بڑی کوفت اُٹھانی پڑی۔ یہ صحابی حضرت ابوذرؓ ہیں۔ ان کو حضرت معاویہؓ اپنی گرفت میں نہ لاسکے، اور نہ مال و دولت کے جال میں پھنسا سکے، اس لئے کہ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں ہیں، ان کو آپ کی خوشنودی کا ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے مدینہ بھجوا دینے کا حکم دیا۔ پھر خود حضرت عثمانؓ بھی حضرت ابوذرؓ کی مخالفت کی تاب نہ لاسکے اور انھیں مدینہ سے نکال کر مکہ میں قیام پر مجبور کیا، اور وہیں وہ اللہ کی رحمت کو پہنچے۔

حضرت عثمانؓ کے آخری دنوں میں جب لوگوں کی مخالفت کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تو حضرت معاویہؓ ان کے پاس آئے، اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے، حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ ان کے ہمراہ شام چلے چلیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس چھوڑنا منظور نہیں کیا، پھر یہ تجویز پیش کی کہ مدینے میں وہ شامیوں کی ایک فوج بھیج دیں جو آپ کی محافظ رہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی منظور نہیں کیا اور کہا کہ مدینے والوں کو وہ فوج کے ہاتھوں تنگ کرنا نہیں چاہتے، تب حضرت معاویہؓ نے مہاجرین کو ہدایت کی کہ وہ بڑے حضرت کا خیال رکھیں اور کہا ان کے معاملہ میں اگر کوتاہی اور زیادتی ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا۔

لیکن اس کے بعد جب وہ شام پہنچتے ہیں اور انھیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مخالفت میں شدت پیدا ہوگئی، پھر یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا گیا ہے تو نہ مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور نہ فوج کا کوئی دستہ بھیجتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ان کو اور گورنروں کی طرح حضرت عثمانؓ کا طلب امداد کا خط پہنچتا ہے تو دوسرے گورنروں کی طرح یہ بھی دیر کرتے ہیں۔

اتنی دیر کی کہ باغی حضرت عثمانؓ کا کام تمام کر چکے ہیں، اور جب سب کچھ ہو لیتا ہے تو خون کے بدلے کا دعویٰ لے کر اُٹھتے ہیں، اگر اس خون کی حفاظت مقصود ہوتی تو اس کے بہنے سے پہلے اقدام ضروری تھا، لیکن جب وقت تھا تو شام میں چپ چاپ بیٹھے رہے اور ایک نڈر کی طرح مناسب فرصت کا انتظار کرتے رہے اور جیسے ہی موقع ہاتھ آیا پھر اس سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی، ہاں مگر دونوں آنکھیں بند کر کے نہیں، وہ بڑے محتاط اور گہرے غور و فکر کے آدمی تھے، اسی کے ساتھ چست و سرگرم بھی ہمیشہ انھوں نے اپنے کاموں میں عقل اور بصیرت کو پیش نظر رکھا، ابتدا میں لوگوں کو اپنی کی طرف ایک گونہ بے نیازی سے متوجہ کیا، زیادہ زور مظلوم خلیفہ کے قتل کی اہمیت پر صرف کیا اور اس کی ہولناکی اس طرح پیش کی کہ شامیوں کے دل و دماغ پر قابو پا لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے کہیں زیادہ خود شامی غیض و غضب میں بیتاب، حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ طلب کرنے لگے اور چاہا کہ جلد سے جلد اُٹھ کھڑے ہوں، لیکن حضرت معاویہؓ نے ان کو روکا، احتیاط کے پیش نظر دیر لگائی اور دلجوئی کی ہر تدبیر پر عمل کیا، کچھ لوگوں کو ڈرایا دھمکایا، کچھ لوگوں کو اُمیدیں دلائیں، شوریٰ کے ممبروں کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی کہ کیا کرتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں، ان میں سے بعض کو بنی اُمیہ کے آدمیوں کے ذریعے خفیہ طور پر سبز باغ دکھائے اور بعضوں کو دھمکیاں دیں اور جب دیکھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ عثمانؓ کے خون پر اس قدر برہم ہیں کہ مکہ چلے آئے ہیں اور حضرت علیؓ سے مقابلے کے لئے مشورے کر رہے ہیں تو ان کو اپنے ہاں نہیں بلایا اور نہ ان کی امداد کے لئے کوئی فوج بھیجی، البتہ اپنے حامیوں کے ذریعے ان کو اس کا یقین دلایا کہ شام بلکہ مصر کی طرف سے اطمینان رکھیں حضرت معاویہؓ اس کے لئے کافی ہیں اب ان کو چاہیئے کہ عراق پر خود قابض ہو جائیں تاکہ حضرت علیؓ حجاز میں محصور ہو جائیں اور مغربی و مشرقی سمت سے جو حملہ بھی ہو اس سے نہ بچ سکیں۔

حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بنی اُمیہ کی طرف سے آنے والی اس آواز کے رخ پر چل پڑیں اور بصرہ جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں پہنچ کر بصرہ والوں کو اپنے ساتھ لیں گے اور کوفہ پر حملہ کر دیں گے اور جب عراق قبضہ میں آجائے گا تو ان کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان حضرت علیؓ کے خلاف مشترک تعاون کی صورت پیدا ہو جائے گی اور پھر سے نئی خلافت کی تنظیم عمل میں آسکے گی جس کے ارکان ثلاثہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ ہوں گے اور جس کا مطالبہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت کے بعد کیا تھا اور اسے آپ نے مسترد کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور شامیوں سے جنگ کی جو تیاری کر رہے تھے اس سے اپنی توجہ ہٹا کر

حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں غور کرنے لگے، آپ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو اطاعت کے لئے آمادہ کریں گے اور اگر یہ اپنی بات پر اڑے رہے تو پھر ان سے جنگ کریں گے، حضرت معاویہؓ کو ان بزرگوں کی مشغولیت سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ مطمئن ہو کر اپنا معاملہ ٹھیک کرنے لگے، غالباً وہ خیال کرتے تھے کہ ان بزرگوں کی یہ باہمی آویزش ایک کو دوسرے سے خائف بنا کر کمزور کردے گی، پھر ان کی ہوا اُکھڑ جائے گی اور وہ خود ان میں سب سے زیادہ طاقت اور شوکت کے مالک بن جائیں گے اور بقول ایک قدیم شاعر کے وہ ایسے بہادر ہوں گے جو اژدہے کی طرح زہر پھونکتا ہے[۱]

چنانچہ ان مہاجر اور انصار بزرگوں نے لڑائی کی، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مارے گئے، حضرت عائشہؓ مدینے میں اپنے گھر واپس آئیں، اور کوفہ اور بصرہ کے بہت سے لوگ مارے گئے اور وہاں کے بہت سے گھر ماتم کدہ بن گئے، اب جو حضرت معاویہؓ نے آنکھ اٹھائی تو ان کو نظر آیا کہ حضرت علیؓ سے براہِ راست مقابلہ ہے لیکن پھر بھی انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ لڑائی کا تذکرہ تک درمیان میں نہیں آنے دیا۔ قوت بڑی زبردست، تیاری بھرپور، ساتھی اور حامی سب کے سب خوش حال اور فارغ البال، جان و مال کے خطرے سے محفوظ، پھر سب کے سب محبت کا دم بھرنے والے ہر طرح کی حمایت اور خدمت کے لئے تیار اور اس بات پر متفق کہ حضرت معاویہؓ اپنے چچا زاد بھائی مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ ضرور لیں۔

ادھر حضرت علیؓ کا یہ حال کہ ایک بڑی ناگوار جنگ میں معرکہ آرا رہے، جس میں خود ان کی جماعت اور حریفوں کی بہت جانیں گئیں، دشمن آپ سے ناراض و نالاں کہ ان کے آدمیوں کو قتل کر کے ان کو نقصان عظیم پہنچایا، دوست اور بھائی اس لئے ناراض کہ بصرہ میں ان کے بھائیوں کا خون بہایا۔

اب اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ سیرت اور سیاست دونوں اعتبار سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں بڑا فرق تھا تو بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت معاویہؓ بڑے اطمینان، اعتماد اور قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے انتظار میں تھے، دونوں کے درمیان فرق کا یہ عالم کہ حضرت علیؓ تو عہد یعنی فاروقی اور ابتدائی عثمانی دور کے مسلمانوں کی طرح خلافت کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں وسیع ترین معنوں میں ایسا انصاف جاری کریں جس میں کسی کو کسی پر فوقیت نہ ہو، ان کا یہ بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کریں اور خرچ بھی صرف واجبی ہو

---

[۱] مطرق ینفث سما کما   اطرق افعی ینفث السم صل

بیت المال سے صلے اور انعامات گوارا نہ کریں، اپنے اور گھر والوں کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ نہ لیں بلکہ کم میں کم کام چل سکتا ہو تو چلالیں۔ حضرت علیؑ بیت المال میں دولت جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، جو کچھ جمع تھا وہ اس کو مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے اور اگر کچھ بچ رہتا تو انصاف کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے، حضرت علیؑ کو یہ بات پسند تھی کہ بیت المال میں داخل ہوں، اور مفاد عامہ میں خرچ سے بچا ہوا کچھ پائیں تو انصاف سے اس کو تقسیم کر دیں اور پھر جھاڑو دینے کا حکم دیں اس کے بعد بیت المال کو پانی سے دھلوائیں، پھر اس میں دو رکعت نماز پڑھیں اور یہ فرمائیں کہ بیت المال کو ایسا ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ ہر وقت داد و دہش فرماتے رہتے، لیکن عدل و انصاف کی مقررہ بنیاد پر۔ اب رہی حضرت معاویہؓ کی سیرت تو اس کی ترجمانی میں کم سے کم جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ وہ ایسے پختہ کار، چالاک اور فیاض عرب کی سیرت ہے جو لوگوں کو اپنی گنجائش کے مطابق دیتا ہے، اُمراء اور افسروں میں سے جن کی دلجوئی چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا کرنا اس کے نزدیک نہ کوئی جرم ہے نہ کوئی گناہ۔ گویا حرص و طمع رکھنے والوں کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس وہ سب کچھ تھا جو وہ چاہتے تھے اور حضرت علیؑ کے پاس صرف وہ چیز تھی جو دنیا سے بے رغبت لوگوں کو پسند ہے۔ حضرت علیؑ کی سیرت کا اندازہ لگائیے کہ ایک دن ان کے بھائی عقیل ابن ابی طالب اُن کے پاس آئے اور کچھ امداد طلب کی تو آپ نے اپنے صاحبزادے حسنؑ سے کہا۔ "جب میرا وظیفہ ملے تو اپنے چچا کو ساتھ لے کر بازار جانا اور ان کے لئے نیا کپڑا اور نیا جوتا خرید کر دینا"۔ اب ذرا حضرت معاویہؓ کی سیرت پر نظر ڈالیے کہ یہی عقیل ابن ابی طالب بھائی کی امداد سے ناخوش ہو کر ان کے پاس آتے ہیں تو وہ بیت المال سے ایک لاکھ امداد پیش کرتے ہیں ——— یہ تھا حضرت معاویہؓ کا سیاسی مسلک جس پر وہ اعتماد کرتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ اس طرح وہ ہر شخص کو اپنے ساتھ کر لیں گے جو دنیا کی کوئی غرض رکھتا ہو، پھر ان کی یہ نوازشیں صرف شامیوں تک محدود نہ تھیں بلکہ بنی اُمیّہ کے آدمی حجاز تک حضرت علیؑ کی اطاعت کرنے والوں میں سے جن کو چاہتے عطیات اور مالی امداد پہنچاتے تھے۔ عراق میں بھی حضرت معاویہؓ کے جاسوس موجود تھے جو مخفی طور پر رقمیں دیا کرتے تھے، اور لوگوں کو ڈراتے اور اُمیدیں دلاتے تھے۔ حضرت علیؑ میں ایسی کوئی بات نہ تھی ان کو حرص تھی تو یہ کہ مال کی امانت میں کہیں کوئی خیانت نہ ہو جائے، عہد و پیمان میں کہیں کوئی فرق نہ آجائے، دین کے معاملے میں کوئی کمزوری راہ نہ پا جائے، ان کو بغض تھا تو اس بات سے کہ بیت المال کا ایک درہم بھی بے جا یا ناحق خرچ ہو جائے۔ ان کو دشمنی تھی تو مکاری سے، چالبازی سے اور ہر اس چیز سے جو پرانی جاہلیت سے وابستہ ہو، آپ کے سامنے حق کی روشن راہ تھی، اسی پر آپ

پختہ ارادے کے ساتھ چلے اور اسی کی اپنے ساتھیوں کو دعوت دی، آپ کے سامنے باطل بھی بالکل واضح تھا جس سے وہ جان بوجھ کر دُور رہے اور ساتھیوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ قصداً اس سے دُور رہیں، ان وجوہ اور اسباب کی بنا پر آپ کے ایسے ساتھی تھے جو آپ سے محبت اور خلوص رکھتے تھے آپ کے اقتدار کے لئے اپنی جان و مال پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کوفہ میں قیام کرتے ہی آپ کے ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ شامی دشمنوں سے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں، لیکن آپ نے اس کے باوجود شام کی طرف کوچ کرنے سے انکار کر دیا۔ اِلّا یہ کہ پہلے حضرت معاویہؓ کے پاس سفیروں کو بھیج دیں اور انھیں دعوت دے دیں کہ لوگوں کی طرح وہ بھی اطاعت قبول کر لیں تاکہ آپ کی دلیل پر زور ہو جائے، اور جو بھی ساتھ دینا چاہے وہ آپ کے معاملے میں روشنی میں ہو، اور خدا کی ہدایت کے ماتحت ہو۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

سفرأ کے ذریعے گفت وشنید

ایک صحابی ہیں جریر بن عبداللہ بجلیؓ، حضرت علیؓ نے انھیں کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ بیعت کا مطالبہ کریں اور مطالبے کے حق میں دلیل پیش کریں۔ جریرؓ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے گفتگو کی اور ساتھ ہی نصیحتیں بھی کیں، جریرؓ نے اپنی گفتگو اور نصیحت میں کافی زور صرف کیا اور آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت معاویہ خاموشی سے سنتے رہے، کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہاں جریرؓ سے باتیں کہلواتے رہے، پھر شام کے معززین اور مرکزی مقامات کے رئیسوں کو بلوایا اور حضرت علیؓ کے مطالبے کا تذکرہ کرکے ان سے مشورہ چاہا، ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کے خون کی اہمیت بتائی اور مظلوم خلیفہ کے ساتھ وفاداری اور ان کے قصاص کے مطالبہ پر ان کو ابھارا۔

اب عمرو بن العاصؓ سامنے آتے ہیں جو چالاکی، چالبازی اور داؤ پیچ میں حضرت معاویہؓ سے کسی طرح کم نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تھا، اسی وقت سے یہ ان سے خفا تھے، جب فتنے کا زمانہ آیا تو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرتے رہے، ان کی خفیہ مخالفت اُن کے ظاہری اختلاف سے زیادہ سخت تھی، چنانچہ جہاں تک ان سے ہو سکا وہ مخفی طور پر لوگوں کو جمع کرتے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ تو اُنھوں نے مسجد میں علانیہ حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرکے کہہ دیا "آپ تو لوگوں کو ساتھ لئے مصیبت کے غار میں چلے آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ یہاں پہنچے اب آپ توبہ کریں تو ہم بھی توبہ کریں۔" حضرت عثمانؓ پر اس کا بہت بُرا اثر پڑا، پھر جب فتنے میں شدت پیدا ہو گئی اور عمرو بن العاصؓ نے سمجھ لیا کہ مصیبت بہرحال نازل ہو کر رہے گی تو اسی میں خیریت دیکھی کہ اس مدت میں کنارہ کشی اختیار کر لیں، چنانچہ اپنی فلسطین والی زمین میں چلے گئے اور وہیں ٹھہر کر حالات و واقعات کا پتہ چلاتے رہے۔

فلسطین کے اس سفر میں ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور محمد بھی ساتھ تھے، عبداللہ ایک راستباز مخلص دیندار اور دنیا سے بے تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر سیرت نبوی سے بہت

کچھ نفس یا نہ، فضولیات سے بالاتر، تقویٰ، طہارت کی زندگی جیتے تھے، لیکن ان کے بھائی محمد اور وہ بھی قریشی نوجوان تھے، ان میں دنیا سے بے رخی نہ تھی بلکہ دوسرے نوجوانوں کی طرح ان کو بھی خوشحالی ترقی اور شہرت کی غیر معمولی خواہش تھی۔

عمرو بن عاصؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ فلسطین ہی میں تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پہنچی، سن کر کہنے لگے، میں ابو عبداللہ ہوں جس پھوڑے کو میری انگلیاں کھجلا دیں کیا مجال کہ پھر وہ خون آلود نہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بغاوت اور فتنے کی راہ انھوں نے ہی ہموار کی تھی، اور تحریک کامیاب ہوئی، اس کے بعد اطلاع آئی کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے اور یہ کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں شام کے لوگ حضرت معاویہؓ کے ہمنوا ہیں۔ اب عمرو بن عاصؓ نے اپنے دونوں لڑکوں سے تبادلہ خیال کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو سامنے رکھ کر اپنی جگہ کہاں ہونی چاہیئے۔ عبداللہ نے مشورہ دیا کہ جب تک یہ انتشار اور خلفشار ہے آپ الگ ہی رہیئے، پھر جب لوگوں میں یک جہتی اور اتفاق ہو جائے گا تو مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جانا۔ عبداللہ نے اپنے باپ پر زور ڈالا اور ان کو یاد دلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ آپ سے راضی رہ کر دنیا سے اٹھے، اس قدر و منزلت کو ضائع نہ کیجئے۔ محمد نے کہا آپ تو عرب کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں، ایسے وقت میں جبکہ معاملات کی توڑ جوڑ کی جا رہی ہے آپ کی غیر حاضری مناسب نہیں، میرا تو یہ مشورہ ہے کہ آپ حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیجیے۔

عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ کا مشورہ میرے دین اور میری آخرت کے لئے مفید ہے اور محمد کی بات میری دنیا کے لئے۔ رات بھر طرح طرح کے خیالات میں غلطاں و پیچاں جاگتے رہے، حضرت علیؓ کی بیعت گوارا نہ تھی اس لئے کہ اس بیعت سے کسی نفع کی امید نہ تھی، نہ گورنری مل سکتی تھی نہ حکومت میں حصہ۔ اس لئے بھی کہ حضرت علیؓ ان کو ایک معمولی مسلمان کی پوزیشن میں رکھیں گے جو سب کے لئے وہ ان کے لئے۔ حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی اہلیت سے بڑی چیز کا حوصلہ کریں گے پھر یہ کہ یہ دین کے معاملے میں غیر مناسب ڈھیل ہے، پھر عمرو بن عاصؓ نے غور کیا اور خوب غور کیا۔ بڑی دیر کے فکر و تامل کے بعد ارادہ کیا کہ نفس کو لوگوں سے علیحدگی پر رضامند کر لیں، لیکن گمنامی اور انتظار کی زندگی برداشت نہ ہو سکی۔

عمروؓ کو مصر کی گورنری ابھی بھولی نہ تھی، جس کا موقع عہد فاروقی میں ملا تھا اور جس سے معزولی پر حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا شوق آپ کے دل کی آرزو بنا رہا اور جب صبح ہوئی

تو یہ طے کر چکے تھے کہ حضرت معاویہؓ سے جا ملیں گے۔ چنانچہ فلسطین سے دمشق آئے، لڑکے بھی ساتھ تھے، یہاں آکر دیکھا کہ شامی حضرت معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور حضرت علیؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں، فوراً ہی ان کی صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت معاویہؓ سے ملنے لگے اور اپنی ملاقاتوں میں مظلوم خلیفہ کے معاملہ کی اہمیت جتاتے رہے، حضرت معاویہؓ ان کی سب باتیں سنتے، مگر بے توجہی کے ساتھ اُن کے خیال میں ابھی اور رُکے رہنا مناسب تھا۔ ادھر شامی جنگ کے لئے بیتاب تھے اور خیال کرتے تھے کہ لڑ کر مظلوم خلیفہ کا حق ادا کریں گے ساتھ ہی دین کا ایک فرض بھی انجام دیں گے۔ عمروؓ لڑائی کے لئے اس لئے جلدی کر رہے تھے کہ حضرت معاویہؓ کو ان کی ضرورت پڑے، مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ کی پہلو تہی بڑھتی جا رہی ہے تو ایک دن ملاقات کے دوران میں کھل کر گفتگو کی، جس کے بعد حضرت معاویہؓ بات کی تہ تک پہنچ گئے اور پھر توجہ کی اور کوشش کرنے لگے کہ کچھ قول و قرار کر کے ان کو ساتھی بنا لیں۔ ہوا یہ کہ عمروؓ بن عاص نے حضرت معاویہؓ سے اس بے رخی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق پر تم نہیں ہو حق پر تمھارا حریف ہے اور تمھاری کامیابی اور تمھارا ساتھ دُنیا کا راستہ ہے دین کا نہیں، میں تمھارا ساتھ دینا چاہتا ہوں، اپنے دماغ، اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں، یہ میری بڑی قربانی ہے۔

یہ سُن کر حضرت معاویہؓ سمجھ گئے اور یقین کر لیا کہ اگر عمروؓ واپس چلے گئے تو وہ کوئی گہری چال چلیں گے خیر اسی میں ہے کہ ان سے سمجھوتہ کر کے اپنا بنا لیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اور جس کے لئے بیتاب ہیں انھیں دے دیں، علاوہ ازیں وہ ایک لڑاکا اور چالاک کھلاڑی ہیں، انھوں نے فلسطین فتح کیا مصر فتح کیا فاروق اعظمؓ ان سے زندگی بھر مطمئن رہے اور ان سب باتوں کے بعد وہ عرب کے پختہ کار چالاکوں میں سے ایک ہیں، قریش کے شیوخ میں ان کی شخصیت ممتاز درجے کی مالک ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے عمروؓ سے پوچھا کہ "اپنے اس ساتھ دینے کی کیا قیمت لوگے"؟ عمروؓ نے کہا۔ "زندگی بھر کے لئے مصر کی حکومت"۔ حضرت معاویہؓ کی نگاہ میں یہ قیمت زیادہ تھی۔ اس پر دونوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ عمروؓ غصے میں اُلٹے پاؤں واپس ہو جاتے لیکن عقبہ ابن ابی سفیان نے درمیان میں مداخلت کی اور اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کو عمرو بن عاص کے مطلبے پر راضی کر لیا۔ چنانچہ اس کے متعلق دونوں میں ایک تحریری معاہدہ ہو گیا۔

اس کے بعد عمرو بن العاصؓ جب اپنے لڑکوں سے ملے تو وہ دونوں اس قیمت پر خوش نہیں ہوئے اور ان سے بہت کم سمجھ کر اپنے باپ کا مذاق اُڑایا۔ عبداللہ کے خیال میں باپ نے اپنا دین کم دام پر

فروخت کر دیا۔ محمد کی رائے میں باپ نے اپنے دماغ کی قیمت بہت کم لی۔

بہرحال حضرت امیر معاویہؓ کے گرد و پیش مشیروں کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا، جس میں قبائل کے شیوخ، شہروں کے رئیس، ابوسفیان اور بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شامل تھے۔ انھیں میں عمرو بن العاصؓ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ سب کے سب حضرت معاویہؓ کو جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرتے تھے۔ ان میں سے بعضوں نے تو دیر کرنے پر یہ الزام لگایا کہ حضرت معاویہؓ میں کچھ دم نہیں ہے۔

جب سب ٹھیک ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سفیر جریر بن عبداللہ بجلی کو خالی ہاتھ کوفہ واپس کر دیا۔ جریر نے آ کر حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہ شام کے حالات غیر معمولی طور پر اہم ہو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ غالباً جریرؓ کی سفارت سے مطمئن نہیں ہوئے اور آپ کے ساتھیوں نے جس میں اشتر پیش پیش تھے جریرؓ کو بعض ناگوار باتیں سنائیں جس پر خفا ہو کر وہ اپنے بچوں سمیت کوفہ سے نکل کر مضافات شام کے ایک مقام قرقیسیا چلے گئے اور غیر جانبدارانہ رہے۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گئے۔

اب حضرت معاویہؓ بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن انھوں نے بھی حضرت علیؓ کی طرح پہلے اپنا ایک سفیر بھیجا۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

کی

خط و کتابت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو لڑائی پسند نہیں کرتے تھے، اگرچہ وہ اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ حضرت عثمانؓ قتل کردیے جائیں اور قاتلوں سے درگذر کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ جب جنگ کا مشورہ کر رہے تھے تو ایک شخص جس کا نام ابو مسلم عبدالرحمن یا عبداللہ بن مسلم خولانی ہے درمیان میں کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، آپ کس بنیاد پر حضرت علیؓ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، آپ میں نہ اُن کے جیسی فضیلت ہے اور نہ ان کی طرح اسلام لانے میں آپ نے پہل کی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواب میں کہا "میں اس دعوے پر لڑنا نہیں چاہتا کہ ان کی طرح فضیلت رکھتا ہوں یا اسلام لانے میں میں نے پہل کی ہے، میرا تو مطالبہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے کردیں تاکہ میں ان سے قصاص لوں"۔ ابو مسلم نے کہا تو اس کے متعلق ان کو خط لکھیے، اگر انھوں نے خاطر خواہ جواب دیا تو جنگ کی مصیبت ہم سے ٹل جائے گی، اگر انھوں نے اس سے انکار کیا تو ہم بصیرت کی روشنی میں ان سے مقابلہ کریں گے"۔ حضرت معاویہؓ ابو مسلم اور اس قسم کے لوگوں کی بات پوری کردینا چاہتے تھے، اس لئے حضرت علیؓ کے نام ایک خط لکھا اور اسے ابو مسلم کے ہاتھ روانہ کیا۔ بلاذری کی روایت کے مطابق خط کی عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے علیؓ ابن ابی طالب کے نام۔ اما بعد اللہ نے اپنے علم سے محمدؐ کو برگزیدہ کیا ان کو اپنی وحی کا امین اور اپنی مخلوق کا پیغمبر بنایا اس کے بعد مسلمانوں میں سے آپ کے حامی پسند کئے جنھوں نے آپ کی تائید کی اور ان حامیوں کے درجات اسلام میں ان کی فضیلتوں کے مطابق ہیں، ان میں اللہ اور رسولؐ کے سب سے زیادہ مخلص خلیفۂ اول ہیں، پھر ان کے جانشین، پھر تیسرے مظلوم خلیفہ عثمانؓ، تم نے ان میں سے ہر ایک سے حسد کیا، اور

ہر ایک کی بغاوت کی، ہم نے اس کا پتہ تمہاری غضبناک تیز نگاہوں سے، تمہاری سخت کلامی سے، تمہاری غم بھری لمبی سانسوں سے اور خلفاء کی بیعت میں تاخیر سے لگایا ہے، ہر موقع پر تم کو نکیل پکڑ کر لائے چلنے والے اونٹ کی طرح لایا گیا، تم کو سب سے زیادہ حسد اپنی پھوپھی کے لڑکے سے رہا، حالانکہ رشتہ اور فضیلت کے نقطۂ نظر سے وہ سب سے زیادہ حق دار تھا، کہ تم اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے پس تم نے ان کو چھوڑ دیا، ان کی اچھائی کو برائی بتایا، ان کی دشمنی کا اظہار کیا اور ان کے لئے دل میں کھوٹ چھپا رکھی، ان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا، ہر طرف سے اونٹوں اور گھوڑوں پر قافلے آئے، حرم پاک میں ان پر ہتھیار اٹھایا گیا، پھر وہ اپنی جگہ پر تمہاری موجودگی میں قتل کردیئے گئے، تم دشمن کی آوازیں سنتے رہے اور مدافعت میں نہ زبان ہلائی نہ ہاتھ، قسم خدا کی اے ابن ابی طالب اگر تم ان کے لئے کھڑے ہوجاتے اور لوگوں کو منع کرتے، ان کے متعلق غلط بیانوں کی مذمت کرتے تو ہماری نگاہوں میں تمہارا ہمسر کوئی نہ ہوتا، تمہاری جانبداری اور بغاوت کی باتوں پر پانی پھر جاتا، دوسری بات جس کا حضرت عثمانؓ کے وارث تم پر الزام رکھتے ہیں، قاتلوں کو پناہ دینا ہے، یہی قاتل تمہارے دست بازو ہیں، مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے کو حضرت عثمانؓ کے خون سے بری خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کردو، ہم اُن سے قصاص لیں گے، پھر ہم تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے، اور قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ریگستانوں میں، پہاڑوں میں، بحر و بر میں قاتلوں کا پتہ چلائیں گے تا آنکہ ان کو قتل کردیں یا پھر ہماری جانیں جان آفریں تک پہنچ جائیں۔"

ابو مسلم یہ خط لے کر حضرت علیؑ کے پاس پہنچے، لوگ مسجد میں جمع ہوگئے، حضرت علیؑ نے حکم دیا اور خط پڑھا گیا، مسجد کے گوشوں سے لوگ چلا چلا کر کہنے لگے "ہم سب نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے کام سے ناراض تھے، خود ابو مسلم نے محسوس کیا کہ حضرت علیؑ کے ساتھی حضرت عثمانؓ کے قتل کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی تصور کرتے ہیں اور اس کے لئے تیار نہیں کہ قاتلوں میں سے کسی ایک کو بھی حوالے کریں، ابو مسلم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علیؑ سب قاتلوں کو یا بعض کو اگر حوالے کردینا بھی چاہیں تو اس کی کوئی صورت نہ تھی، پس حضرت علیؑ نے ایک آدمی بھی حوالے کرنے سے انکار کردیا تو ابو مسلم نے کہا اب بات ٹھیک ہے۔

حضرت معاویہؓ کے خط سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ نہ صلح چاہتے ہیں نہ امن، ان کا مقصد تو

یہ ہے کہ بعض شامی دوستوں اور خصوصاً تردد رکھنے والوں اور گناہ سے بچنے والوں کے سامنے اپنی معذرت پیش کریں، امن اور صلح چاہنے والا اپنے کسی حریف کو ایسی باتیں نہیں لکھتا جن سے اذیت پہنچے اور غصہ اور نفرت کے جذبات بھڑک اٹھیں۔

حضرت علیؑ کے لئے برداشت کرنے جیسی بات نہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کے خط میں یہ الزام پڑھتے کہ آپ کو خلفاء سے حسد تھا، آپ نے اُن کے خلاف بغاوت کی، ان کی بیعت کرنے میں تاخیر سے کام لیا پھر جبراً پکڑ کر لائے گئے۔

اسی طرح یہ بھی حضرت علیؑ کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ خط میں اپنے پھوپھی کے لڑکے پر حسد کا الزام پڑھیں اور یہ کہ ان کے خلاف بغاوت کی، ان سے ترک تعلق کیا، لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جب باغیوں نے تنگ کیا تو ان کی امداد سے باز رہے، اور آخر میں یہ بات بھی آپ کے لئے معمولی نہ تھی کہ وہ کھلا ہوا چیلنج پڑھیں جس میں دعوت دی گئی ہے کہ قاتلوں کو حوالے کر کے اپنی بے گناہی ثابت کی جائے ورنہ ان کے اور معاویہؓ کے درمیان تلوار ہو گی۔

حضرت معاویہؓ اپنے چیلنج میں حد سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر علیؑ، عثمانؓ کے قاتلوں کو سپرد کر دیں گے تو وہ اور اہل شام ان کی بیعت اور اطاعت کے لئے دوڑتے ہوئے آئیں گے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؑ ان کا یہ چیلنج ہرگز منظور نہیں کریں گے اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو بھی ان کے حوالے نہیں کریں گے، یہ تو حکومت کو دھمکی کا ایک ڈھنگ حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا تھا ورنہ ان کے لئے صحیح راہ تو یہ تھی، اگر وہ امن پسند ہوتے کہ پہلے بیعت اور اطاعت کر لیتے، پھر خلیفہ کے سامنے آتے اور مطالبہ کرتے کہ میرا اور حضرت عثمانؓ کے لڑکوں کا انصاف کیجئے، اور جن لوگوں نے میرے بھائی کو اور اُن کے باپ کو قتل کیا ہے ان سے قصاص لیجئے۔

پھر حضرت معاویہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پا لیتے تو یقیناً مدینے میں ان سے قصاص لے لیتے، جب بیعت کے موقع پر مہاجر اور انصار نے اس سلسلے میں آپ سے گفتگو کی تھی، لیکن اب جبکہ آپ عراق میں ہیں اور انھیں لوگوں میں ہیں جن کی اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی، اور بالآخر ان کو قتل کر دیا پھر تو قصاص کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔

حضرت معاویہؓ یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ شامیوں کو اور خصوصاً ان لوگوں کو جو لڑائی کے گناہ سے بچنا چاہتے تھے، یہ بتا دیں کہ یہ لڑائی جس کا ہونا یقینی ہے، اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے، ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ کا مطالبہ مسترد کر دیا،

اور اسی سفیر کو خط کا جواب لکھ کر واپس کر دیا، جس کی عبارت بلاذری کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

"اللہ کے بندے امیر المومنین علیؑ کی طرف سے، معاویہؓ ابن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد خولان کے بھائی میرے پاس تمہارا خط لے کر آئے، جس میں تم نے محمدؐ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ نے ان کو ہدایت اور وحی کی عزت اور شرف سے نوازا، پس سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہر جگہ آپ کو قوت بخشی اور آپؐ کے قدم جمائے اور سب دینوں پر آپؐ کو غالب کیا اور آپؐ کے ذریعے قوم کے ان افراد کا خاتمہ کر دیا جن کے دل بغض و عداوت سے بھرے ہوئے تھے، جنہوں نے آپؐ کو جھوٹا بنایا اور آپؐ کی مذمت کی، آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو شہر بدر کرنے کی کوشش کی اور بہت کچھ الٹ پھیر کیا تا آنکہ اللہ کی بات ان کے خلاف غالب آئی، جو لوگ سب سے زیادہ آپؐ کے لئے سخت تھے وہ آپؐ ہی کی قوم کے تھے اور آپؐ سے قریب تو تھے، مگر چند افراد جن کو اللہ نے بچا لیا، تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مسلمانوں میں سے ایسے حامی پسند کئے جن سے آپ کی تائید ہوئی اور یہ حامی آپ کی نظر میں وہ درجات رکھتے ہیں جو اسلام میں ان کی فضیلتوں کے حساب سے ہیں پس ان میں سب سے افضل آپ کے خلیفہ ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین، بخدا اسلام میں ان دونوں کا بیشک بڑا مرتبہ ہے اور ان کی معصیت بھی بہت بڑی ہے، جن کے رتبے میں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔

تم نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ فضیلت میں تیسرا درجہ رکھتے ہیں، اگر حضرت عثمانؓ نے اچھا کیا ہے تو وہ اپنے رب کو شکور پائیں گے جو ان کی نیکیاں دو چند کر دے گا اور اس کی جزا دے گا اور اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوئی ہیں تو وہ اپنے رب کو غفور اور رحیم پائیں گے جس کی جناب میں گناہ بڑا نہیں ہے مغفرت بڑی ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جب اللہ اعمال کے حساب سے نوازش کرے گا تو مسلمانوں کے ہر گھر سے ہمارا حصہ زیادہ ہوگا۔ اللہ نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپؐ نے ایمان اور توحید کی دعوت دی، اس وقت ہم اہل بیت نے سب سے پہلے دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے، ہمارے سوا عرب کی ایک چوتھائی میں اس وقت اللہ کی عبادت کرنے والا ایک بھی نہ تھا۔ پھر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی، ہمیں مصیبتوں میں مبتلا کرنا چاہا، ہمیں ہلاک کر دینے کا

ارادہ کیا ہمیں ایک تنگ گھاٹی میں چلے جانے پر مجبور کیا، جہاں ہم پر نگرانی رکھی جاتی تھی، ہم پر کھانا اور میٹھا پانی بند کر دیا گیا اور آپس میں ہمارے بائیکاٹ کا تحریری عہد و پیمان کیا گیا کہ کوئی ہمارے ساتھ نہ کھائے نہ پیئے، نہ خرید و فروخت کرے، نہ شادی بیاہ اور نہ ہم سے بات چیت کرے، تا وقتیکہ ہم اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے یا ان کا ہاتھ پاؤں کاٹ لینے کے لئے ان کے حوالے نہ کر دیں، لیکن خدا نے ہمیں ان کو بچانے اور ان کی طرف سے مدافعت کی توفیق بخشی، قریش کے دوسرے مسلمان ہم سے بالکل فارغ تھے، ان کو حامیوں اور رشتہ داروں کی حمایت حاصل تھی، چنانچہ وہ عافیت سے رہے اور ان کا کچھ نہ بگڑا، ہم اسی حالت میں رہے جب تک اللہ نے رکھا، اس کے بعد خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی اور مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا تو جب ضرورت پڑی اور مقابلے کا موقع آیا آپ نے اہل بیت کو آگے کیا اور اپنے ساتھیوں کو بچایا، چنانچہ بدر کے معرکے میں حضرت عبیدہؓ، اُحد کے معرکہ میں حضرت حمزہؓ اور موتہ کے معرکے میں حضرت جعفرؓ نے اپنی اپنی جانیں پیش کیں اور تم چاہو تو میں نام لے کر بتا دوں کہ اس قسم کے مواقع پر کس کس نے اپنے کو پیش کیا، لیکن بعضوں کا وقت پورا ہو چکا تھا اور بعضوں کی مدت باقی تھی تم نے خلفاء سے میرے رکنے رہنے اور حسد کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خلفاء سے میں نے خفیہ یا علانیہ حسد کیا ہو، رہ گیا میرا دیر کرنا تو میں لوگوں سے اس کی کوئی معذرت نہیں کرتا اور میرے پاس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی تمہارے باپ آئے اور کہا خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو، ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں گا، یہ بات تو تم کو اپنے باپ سے معلوم ہو چکی ہو گی، لیکن میں نے خود اس سے انکار کیا کہ مبادا لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے ابھی جاہلیت اور کفر کا زمانہ ان سے قریب ہے، اگر تم میرا حق اتنا ہی جانتے ہو جتنا تمہارے باپ جانتے تھے تو تم نے راہِ حق پالی ہے اور اگر تم باز نہ آئے تو خدا مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ تم نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ میں نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جمع کیا، حضرت عثمانؓ نے جو کیا وہ تم نے دیکھا ہے اور جس طرح لوگ ان سے علیحدہ ہوئے وہ تم کو معلوم ہے اور میں ان باتوں سے بالکل الگ رہا، پھر بھی ایک بری کو مجرم بناتے ہو تو بناتے رہو، تم نے بزعم خود حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کر کے مطالبہ کیا ہے کہ میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں، میں تو ان کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتا باوجودیکہ میں نے بہت تلاش کیا، لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں کہ جن لوگوں پر تم قتل کی تہمت رکھتے ہو

اور جن لوگوں پر گمان کرتے ہو ان کو بھیج دوں، اور اگر تم اپنی گمراہی اور دشمنی سے باز نہ آئے تو ان کو خود پہچان لوگے، تم کو ان کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، والسلام۔"

حضرت معاویہؓ نے اپنے خط کی ابتدا جیسا کہ تم نے پڑھا بہت سخت لب ولہجہ میں کی ہے، حضرت علیؓ نے جواب اس سے زیادہ سخت اور تلخ دیا ہے، نبی پر وحی و ہدایت کے انعام خداوندی اور اہل بیت کی اطاعت کا ذکر کرنے کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی بغاوت اور مکاری کا اظہار کرتے ہیں، پھر اہل بیت اور عبدالمطلب کی اولاد کے ساتھ مکہ کی تنگ گھاٹی میں آپؐ کے جبراً محصور کئے جانے کا تذکرہ کرتے ہیں اور صحیفہ کے نام سے جو واقعہ ہے اس کی انتہا تک پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ ان تمام حالات کے بیان میں تعریض کرتے ہیں کہ بنی امیہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے، نبیؐ اور اہل بیت میں سے جو آپ کے ساتھی تھے ان کے ستانے میں ستانے والوں کا ساتھ دیتے رہے پھر حضرت علیؓ بتاتے ہیں کہ اللہ نے اہل بیت کو یہ امتیاز بخشا کہ انھوں نے اسلام کی طرف سبقت کی، اسی طرح ان کو گھاٹی میں محصور ہونے کی مصیبت پر صبر کرنے کی خصوصیت بھی عطا فرمائی، جبکہ دوسرے مسلمان مطمئن اور خوش حال تھے، ان کے قبیلے کے لوگ اُن کی حمایت کرتے تھے، تیم نے حضرت ابوبکرؓ کی، عدی نے حضرت عمرؓ کی اور اُمیہ نے حضرت عثمانؓ کی حمایت کی، غیر قریشی مسلمانوں کو ان کے حلیفوں نے بچایا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی راہ میں اہل بیت نے جیسی مصیبتیں اٹھائیں کوئی نہیں اُٹھایا، خصوصاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے، چنانچہ ان لوگوں کا محاصرہ کیا گیا نہ مقاطعہ اور نہ ان پر رزق کی تنگی کی گئی، پس اہل بیت لوگوں میں سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا بیان کیا ہے اور بتایا کہ وقت پڑنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے اہل بیت کو پیش کر دیا کرتے تھے، چنانچہ بدر کے معرکے میں عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب شہید ہوئے، اور اُحد کے معرکے میں حمزہؓ بن عبدالمطلب اور موتہ کے معرکے میں جعفرؓ ابن ابی طالب نے شہادت پائی، اور خود حضرت علیؓ نے شہادت کے لئے اپنی جان پیش کر دی تھی لیکن وہ دوسرے اہل بیت کے لئے مقدر تھی، پس اہل بیت نے ہجرت کے پہلے بھی اور بعد بھی جو مجاہدہ اور سرفروشی کی وہ کسی اور نے نہیں کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اُن کے ساتھ خفیہ یا علانیہ حسد رکھنے سے بری بتایا اور بیعت میں تاخیر کی لوگوں سے معذرت نہیں کی، اس کے

بعد معاویہؓ کو یاد دلایا کہ اُن کے باپ بیعت کے لئے علیؓ کا حق تسلیم کرتے تھے اور خود ہی اس کی طلب کی تھی اور کہا اگر میرے حق کے بارے میں تمہاری بھی وہی رائے ہے جو تمہارے باپ کی تھی تو تم نے ہدایت کی راہ پالی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو خدا تم سے مجھے بے نیاز کردے گا، اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا، لوگوں سے ان کے اختلاف کا اور بغاوت سے اپنے علیحدہ رہنے کا بیان کیا اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنی رائے صاف صاف دے دی کہ وہ کچھ نہیں کہتے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اچھا کیا ہے تو اللہ ان کو دوگنا اجر دے گا اور اگر بُرا کیا ہے تو وہ ان کے گناہ معاف کر دے گا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کرتے ہوئے معاویہؓ کو مطلع کیا ہے کہ باوجود تحقیق و تلاش کے وہ کسی مقرر شخص کو حضرت عثمانؓ کا قاتل نہیں پاتے اور اس لئے وہ محض بدگمانی کی بنا پر کسی متہم کو سپرد نہیں کر سکتے، سزا کے معاملات میں قاضی کی حجت، ثبوت اور شہادت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ بات بیعت اور اطاعت کے بغیر ممکن نہیں، اس کے بعد آپ نے معاویہؓ کو دھمکی دی کہ ان کو قتل کے ملزموں کی تلاش میں پہاڑوں، میدانوں یا خشکی اور تری میں جانے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ وہ بہت جلد ان کو میدان جنگ میں معرکہ آرا دیکھ لیں گے۔

اس طرح معاویہؓ کا سفیر بھی حضرت علیؓ کے سفیر کی طرح ناکام رہا، اور عراقیوں کی طرح شامیوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ لڑائی کے سوا چارہ نہیں، شامیوں کا نقطۂ نظر مظلوم خلیفہ کا بدلہ لینا تھا، عراقی چاہتے تھے کہ پہلے شامیوں کو بیعت اور اطاعت پر مجبور کیا جائے، شامیوں کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی اطاعت ان کے لئے ضروری نہیں ہے کیونکہ لوگوں نے ان کی بیعت رضامندی سے نہیں کی ہے اور اس لئے کہ اللہ کے ایک حکم کو انھوں نے معطل کر رکھا ہے یعنی مظلوم خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص، عراق کے لوگ اور ان کے مہاجر اور انصار ساتھی خیال کرتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعت حرمین میں، کوفہ اور بصرہ میں اور مصر میں کر لی ہے، اب ان کی اطاعت واجب ہے اور اس نقطۂ نظر سے شامیوں کی پوزیشن ایک باغی جماعت کی پوزیشن ہے جس کے متعلق اللہ کا حکم ہے کہ اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

سنہ ۳۶ھ کا ذی الحجہ کا مہینہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت علیؓ مقدمۃ الجیش کو روانہ کر چکے تھے، اور حکم دیا تھا کہ شامیوں سے مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں پہل نہ کرنا تا آنکہ میں پہنچوں، اس کے بعد آپ ایک لشکر عظیم ساتھ لے کر نکل پڑے اور مقدمۃ الجیش کے ساتھ مقام صفین تک پہنچ گئے۔ راہ میں بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں جن کا تذکرہ کر کے ہم بات کو بڑھانا نہیں چاہتے۔

فریقین کا مقابلہ

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت علیؓ نکلنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں، امیر معاویہؓ شامیوں کی ایک بڑی فوج لے کر نکل پڑے، مقدمۃ الجیش کو پہلے بھیج دیا اور حضرت علیؓ سے پہلے ہی صفین پہنچ گئے اور اپنے آدمیوں کو نہر فرات سے قریب تر ایک اچھے کشادہ مقام پر اتارا۔ حضرت علیؓ بھی اپنا بہت بڑا لشکر لے کر آگئے اور اپنے آدمیوں کو حریف کے بالمقابل اتارا، لیکن ان کو فرات کی کوئی نہر نہ مل سکی جہاں سے پانی کا انتظام ہوتا۔ حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے پاس سفیر بھیجے اور مطالبہ کیا کہ پانی کو آزاد رکھا جاوے تاکہ دونوں فوجیں پی سکیں۔ حضرت علیؓ کے سفیروں نے معاویہؓ سے گفتگو کی لیکن انھیں کوئی جواب نہیں مل سکا اور وہ بلا جواب واپس ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ کے آدمیوں نے دیکھا کہ معاویہؓ نہر فرات پر پہرہ داروں کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں تاکہ حضرت علیؓ کے آدمیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کردیں، وہ چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ پر محاصرے کے وقت پانی حرام کر دیا گیا تھا اسی طرح ان پر بھی حرام کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کا معاویہؓ سے اصرار تھا کہ پانی کی راہ میں مزاحمت نہ کی جائے ورنہ فوراً تصادم شروع ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حریف سیراب ہوتا رہے اور حضرت علیؓ کے آدمی پیاسے رہیں۔ لیکن اموی عصبیت عقل مندوں کے مشورے پر غالب آئی اور معاویہؓ کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑا، اب ضروری تھا کہ پانی کے لئے مقابلہ ہو، ہوا اور سخت ہوا، قریب تھا کہ جنگ کی صورت اختیار کرلے، لیکن حضرت علیؓ کے آدمی غالب آئے اور پانی پر قبضہ کرلیا اور چاہا کہ اب حریف کو پیاس پر مجبور کردیں، جیسا کہ اس نے چاہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ان کو روکا، آپ نے چاہا کہ امن و امان رہے اور بلا اتمام حجت جنگ نہ چھڑ جائے۔ پھر آپ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ اللہ نے تو نہر اس لئے جاری کی ہے کہ تمام لوگ اس سے سیراب ہوں اور ہم اپنے حریف کو پیاسا رکھیں۔

اس طرح قوم کو موقع ملا کہ چند دن ایک دوسرے سے بے خوف ہو کر ملیں، پانی پر اکٹھا ہوں، ایک دوسرے کے لئے کوشش کریں، فریقین کے درمیان سخت اختلاف اور شدید دشمنی تھی، لیکن جنگ نہ تھی اس کے بعد حضرت علیؓ نے چاہا کہ آخری بات کرلی جائے تاکہ کوئی عذر نہ رہ جائے۔ چنانچہ سفیر آئے گئے،

لیکن نہ مفاہمت ہو سکی اور نہ مفاہمت جیسی کوئی بات بن سکی۔ جب حضرت علیؓ مایوس ہو گئے تو اپنے آدمیوں کے ہاتھوں میں جھنڈے دے دیئے اور ایک ایک دستے نکلنے لگے، حضرت علیؓ کی فوج کا ایک دستہ نکلتا اس کے مقابلے کے لئے معاویہؓ کی فوج کا ایک دستہ آتا اور دن بھر یا دوپہر تک معرکہ آرائی رہتی پھر دونوں رُک جاتے، حضرت علیؓ ایک عام جنگ نہیں چاہتے تھے، اس خیال سے کہ شاید حریف راہ پر آجائے خدا کے کلمہ کی طرف رخ کرلے اور مسلمانوں کے امن وامان کا خواہاں بن جائے۔

بات اسی طرح دس دن یا کم و بیش ذی الحجہ کے آخر تک چلتی رہتی، اس کے بعد محرّم کا مہینہ آگیا جو حرمت کا مہینہ ہے، تیس دن امن وامان سے گذرے، لوگ ایک دوسرے سے مطمئن رہے۔ اس اثنا میں سفیر مسلسل آتے گئے، لیکن پورا مہینہ گذار دینے کے بعد بھی صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکی، اب تو فریقین کو یقین ہو گیا کہ تصادم کے سوا چارہ نہیں ❊

جنگ

محرم گذر جانے کے بعد جنگ بدستور جاری رہی، ایک ٹکڑی کے لئے دوسری ٹکڑی نکلتی اور ایک قبیلہ کے لئے دوسرا قبیلہ، اور بعض اوقات تو ایک آدمی کے مقابلہ میں دوسرا آدمی نکلتا اور یہ لڑائی صرف تلوار کی لڑائی نہ تھی بلکہ اس میں زبانی بھی چلتی تھی اور افسروں میں تو خط و کتابت کی جنگ بھی جاری تھی۔ روایتوں میں ہے کہ عمرو ابن العاصؓ نے معاویہؓ کے کہنے سے ابن عباسؓ کو لکھا کہ وہ لوگوں کو جنگ سے روکنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں، تاکہ عوام امن و عافیت سے رہیں اور لڑائی کی ہلاکتوں سے بچیں۔ ابن عباسؓ نے اس کا نہایت سخت اور مایوس کن جواب دیا۔

شام کو جب لڑائی بند ہوتی تو عربوں کی عادت کے مطابق قصہ گوئی شروع ہوتی، اشعار پڑھے جاتے، جدید اور قدیم عہد کے کارنامے دہرائے جاتے، اپنی یا حریف کی سرفروشی اور ثابت قدمی کا تذکرہ کیا جاتا، اسی طرح ماہ صفر کے ابتدائی دن گذر گئے اور فریقین میں سے کوئی بھی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم اس تھوڑی اور رہ رہ کر شروع ہونے والی لڑائی سے اکتا گئی، اور حضرت علیؓ بھی اس طوالت سے اکتا گئے جو کسی کے لئے بھی مفید نہ تھی بلکہ اس سے فتنہ کی رسی دراز ہو رہی تھی اور برائی کی آگ پھیلتی جاتی تھی، لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور کینہ کے جذبات بڑھتے جا رہے تھے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے دن ایک ایسی لڑائی میں ضائع ہو رہے تھے جو نہ پیچھے ہٹتی ہے نہ آگے بڑھتی ہے اور اتحاد و اتفاق کی امیدیں غیر معلوم مدت کے لئے ٹلتی جا رہی ہیں، پس آپ نے ایک عام حملے کی تیاری کر دی۔ یہ دیکھ کر معاویہؓ نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ دونوں لشکر دن بھر لڑتے رہے اور رات کا بھی ایک حصہ لڑائی میں گذرا، اور کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، دوسرے دن بھر نہایت شدید مقابلہ رہا، اور فریقین بری طرح لڑتے رہے جس میں حضرت علیؓ کے میمنہ میں ابتری اور تقریباً شکست کے آثار پیدا ہو گئے اور قلب سے متصل فوج کمزور ہو گئی، حضرت علیؓ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے جو ربیعہ پر مشتمل تھا۔ ربیعہ کے لوگوں نے اپنے آپ کو جاں نثاری کے لئے پیش کر دیا، ان میں سے ایک نے کہا، ربیعہ کے لوگو! اگر ہماری موجودگی میں امیر المومنین پر کوئی مصیبت آئی تو آج کے بعد سے عربوں میں تم اپنا کوئی عذر پیش نہیں کر سکو گے چنانچہ ربیعہ نے موت کا عہد و پیمان کیا۔ اس کے بعد اشتر اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے میمنہ مضبوط

ہوگیا، اور حضرت علیؑ کا لشکر دوپہر سے پہلے کی طرح منظم ہوگیا، اب رات آگئی اور کچھ لوگ برابر لڑتے رہے اور باز نہیں آئے، یہاں تک کہ تیسرے دن کی صبح نمودار ہوئی اور معاویہؓ کی فوج میں ابتری اور کمزوری پیدا ہوگئی اور ان کے آدمی فسطاط کے قریب پسپا ہوگئے، خود معاویہؓ بھاگنے کی فکر کرنے لگے تھے کہ ان کو ابن اطنابہ کے یہ اشعار یاد آگئے ؎

ابت لی ھمتی و ابی بلائی ‏ ‏ واخذ الحمد بالثمن الربیح

میری ہمت اور استقامت کی خودداریاں محاسن کے لئے میرا ‏ ‏ گراں قدر معاوضہ ناگواریوں اور تلخیوں پر نفس کو آمادہ

واجشامی علی المکروہ نفسی ‏ ‏ وضربی ھامۃ البطل المشیح

کرنا دلیروں کے سروں پر میرا وار کرنا، اپنے نفس کو ‏ ‏ گھبرایا ہوا دیکھ کر میرا کہنا، فکر نہ کر تیرے لئے عزت

وقولی کلما جشأت وجاشت ‏ ‏ مکانک تحمدی او تستریح

اور آرام ہے یہ سب کچھ اس لئے کہ میں اچھی اور اونچی ‏ ‏ روایات کی مدافعت اور سچی عزت کی حمایت کروں

لادفع عن مآثر صالحات ‏ ‏ واحمی بعد عن عرض صحیح

ان اشعار نے ان میں صبر و استقلال کا حوصلہ پیدا کردیا۔ امن کے دنوں میں معاویہؓ اس واقعہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ دن چڑھ گیا اور قوم جنگ میں مصروف تھی، نہ آرام کرتی نہ آرام کرنے دیتی حضرت علیؑ کے ساتھی اپنی فتح کا یقین کرچکے تھے، اتنے میں شامیوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن مجید اٹھائے گئے اور ان کے منادی نے آواز دی کہ خدا کی کتاب اول سے آخر تک ہمارے درمیان ہے۔ عرب، اسلام اور سرحدیں، اہم مسائل ہیں، خدا کے لئے ان کو سامنے رکھو، اگر شامی ہلاک ہوگئے تو شام کی سرحدوں کا کیا ہوگا، اور عراق کی سرحدوں کی نگرانی کون کرے گا اگر عراقی فنا ہوگئے۔

حضرت علیؑ کے آدمیوں نے نیزوں پر بلند قرآن مجید دیکھے، اللہ کے حکم کی طرف بلانے والی دعوت اور امن و بقا کی پکار سنی سنتے ہی ان کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا، چنانچہ ہاتھ رک گئے، دلوں میں تردد پیدا ہوا، پھر امن و صلح کا تصور آیا، پھر اس کی طرف رغبت ہوئی اور غیر معمولی خواہش حرکت کرنے لگی، فوجی افسروں نے تیزی کے ساتھ حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ قوم جو کچھ پیش کررہی ہے اسے مان لیں۔

حضرت علیؑ انکار کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ یہ قوم قرآن والی نہیں ہے، اس نے قرآن اس لئے نہیں اٹھایا کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف رجوع کرتی ہے، یہ تو ایک چال ہے جس میں ہم کو پھنسانا چاہتے ہیں اور پھر قرآن مجید اٹھانا ان کی کوئی جدت نہیں ہے، ان کو معلوم ہے کہ بصرہ میں جنگ سے

پہلے قرآن مجید اُٹھایا گیا تھا، تو یہ اس کی تقلید میں لڑائی ہو جانے کے بعد مقابلے سے گھبرا کر اپنی شکست کا یقین کر لینے پر کرتے ہیں، حضرت علیؑ کی ان فہمائشوں کے بعد بھی آپ کے ساتھی اصرار کرتے رہے کہ درخواست منظور کر لی جائے، پھر اصرار میں اتنی شدت کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی، تو ساتھ چھوڑ دینے کی دھمکی بھی دے دی اور بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ آپ کو معاویہ کے حوالے کر دیں گے۔

ایک جماعت حضرت علیؑ کی ہم خیال تھی اور شامیوں کی چال میں آ ئی، اس نے کہا، ہم نے تو کتاب اللہ کے مطابق ہی جنگ کی ہے اور ہم کو ذرا بھی شک نہیں کہ ہم کو ذرا بھی شک نہیں کہ ہم حق پر ہیں اور یہ کہ ہمارے ساتھی امیرالمومنین ہیں، اور مقابلہ کرنے والے باغی ہیں، اگر ہم کو اس میں ذرا بھی شک ہوتا تو ہم لڑائی نہ کرتے اور اپنا اور دشمنوں کا خون نہ بہاتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے آدمیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک جماعت لڑائی سے رک جانا چاہتی تھی اور دوسری چاہتی تھی کہ لڑائی جاری رہے، پھر جب فوج کے افسروں میں اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے، تو خود فوج سے کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس وجہ سے حضرت علیؑ لڑائی روکنے پر مجبور ہو گئے، اشتر کو بڑی بڑی کوششوں سے روکا گیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ قریب ہوئے اور قاصدوں کے ذریعے پوچھا کہ قرآن مجید اُٹھانے کی غرض کیا ہے؟ معاویہؓ نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ ہم دونوں اپنی طرف سے ایک ایک آدمی منتخب کریں اور ان کو حکم دیں کہ ہمارے اختلافات کا کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں۔

قاصد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور معاویہؓ کے جواب سے مطلع کیا، اکثریت تو اس سے خوش ہوئی، لیکن اقلیت ناراض، حضرت علیؑ نے مجبوراً اکثریت کا ساتھ دیا۔

فریقین کی حالت

صفین کے معرکے میں فریقین جس بُری طرح لڑے، مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اس جنگ میں فریقین کی فوجوں کی تعداد کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے ایک جماعت حضرت علیؓ کی فوج ایک لاکھ اور معاویہؓ کی ستر ہزار بتاتی ہے، دوسری جماعت اس سے کم اندازہ کرتی ہے، اسی طرح دونوں طرف کے مقتولوں کا شمار بھی مشکل ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ شامی مقتولوں کی تعداد ۴۵ ہزار تک جا پہنچی تھی اور عراقی ۲۵ ہزار کام آئے۔

اس وقت یہ بات اہم نہیں ہے کہ ہم دونوں فوجوں کا بڑی باریکی سے حساب کریں۔ اہم بات یہ ہے کہ فریقین کی تیاری ہر پہلو سے بھرپور تھی اور اس تیاری نے دونوں کو مجبور کر دیا کہ اپنی اپنی سرحدوں کو جو دشمنوں کے بالمقابل تھیں خالی چھوڑ دیں اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ رومیوں کو شام پر حملہ کرنے کا حوصلہ ہو گیا تھا، لیکن معاویہؓ نے انھیں کچھ دے دلا کر مصالحت کر لی اور ان کو روک دیا۔ مشرق میں عراقی سرحدوں کے مقابلے میں رومی سلطنت کی طرح کوئی طاقتور اور منظم حکومت تو نہ تھی لیکن پھر بھی فارس کے بہت سے شہر مسلمانوں سے کھنچ گئے تھے اور بغاوت کا ارادہ کرنے لگے تھے، اگر حضرت علیؓ کوفہ کی طرف نہ لوٹتے اور ان سرحدوں کا انتظام نہ کر لیتے، بہر حال دو بڑی فوجوں میں طویل اور شدید جنگ ہوئی، جس کی خرابیوں اور ذلت آفرینیوں کو مورخوں اور سوانح نگاروں نے لکھا ہے لازمی طور پر فریقین کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے بہت سے قتل کئے گئے، ہاں یہ ضرور ہے کہ داستانی سراؤں نے مقتولوں اور زخمیوں کی تعداد بتانے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔

لیکن اتنی بات قطعی ہے کہ اس لڑائی میں شام اور عراق کے بزرگوں اور بڑوں کی ایک جماعت قتل ہو گئی، ان بزرگوں کا مارا جانا دیکھنے والوں کے لئے دردناک تھا اور سننے والوں کے لئے بھی اور آج بھی جو لوگ تاریخ اور سوانح کی کتابوں میں ان کے واقعات پڑھتے ہیں ان کے دل درد سے بھر جاتے ہیں، معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے فاروق اعظمؓ کے لڑکے عبید اللہ ابن عمرؓ جو ہرمزان کے قاتل تھے، اسی لڑائی میں مارے گئے، اسی طرح معاویہؓ کے اور بہت سے ساتھی مارے گئے جو بڑی شان و شوکت اور غیر معمولی شجاعت اور بہادری کے مالک تھے، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں عمار بن یاسر جن کا قتل مسلمانوں میں

ایک تاریخی روایت بن گیا ہے، اسی لڑائی میں مارے گئے، اسلام میں وہ سب سے پہلے شہید ہونے والے ماں باپ کے بیٹے تھے، سب جانتے ہیں کہ ابو جہل نے ان کے ماں باپ کو مصیبتوں میں مبتلا کیا یہاں تک کہ مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ کو خطاب کرکے فرمایا تھا۔ افسوس ابن سمیہ تجھے باغی جماعت قتل کردے گی، اور ابھی تم نے پڑھا ہے کہ زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ عمار حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو وہ ڈر گئے، خزیمہ بن ثابت انصاری صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ تھے لیکن لڑتے نہ تھے، وہ عمار کی جستجو میں تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ مارے گئے تو انھوں نے کہا کہ اب گمراہی کھل گئی، چنانچہ لڑائی میں شرکت کی اور مارے گئے، خزیمہؓ نے دیکھا کہ شامیوں نے عمار کو قتل کیا ہے تو ان کو یقین ہوگیا کہ شامیوں کی جماعت ہی وہ باغی جماعت ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں کیا ہے، معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر بھی عمار کے قتل کا بڑا دردناک اور گہرا اثر ہوا، وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمار سے کہا تھا کہ "تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔" لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس حدیث سے اپنی بے خبری کا اظہار کریں، لیکن جب اس کی صورت بن نہ پڑی تو تاویل کرنے لگے، چنانچہ معاویہؓ نے کہا" ان کو ہم نے قتل نہیں کیا، ان کے قاتل تو وہ ہیں جو اُن کو یہاں لائے۔" حالانکہ عمار کو صفین میں لانے والا کوئی نہیں، حضرت علیؓ نے ان کو جنگ کے لئے یا لڑائی پر نکلنے کے لئے مجبور نہیں کیا، عمار تو بوڑھے تھے نوے سال سے زیادہ ان کی عمر تھی، ان کا جسم ضرور بوڑھا ہوچکا تھا، لیکن ان کا دل، ان کی عقل اور ان کی بصیرت بڑھاپے کی زد سے محفوظ تھی، چنانچہ وہ بولنے چالنے میں، بحث و مباحثہ میں اور جہاد کرنے میں جوان تھے، انھوں نے معرکہ جمل کے بعد حضرت عائشہؓ کو سلام کیا اور کہا:

كيف رأيت ضربنا يا أمي — امی جان! ہمارا معرکہ کیسا رہا؟

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ "نہ میں تمھاری ماں ہوں نہ تم میرے بیٹے"۔ عمار نے ہنس مکھ بن کر کہا "چاہے جتنا تمھارا جی نہ چاہے، لیکن مجھے بیٹا اور تمھیں ماں تو رہنا ہے"۔ عمار کا مطلب یہ تھا کہ قرآن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو امہات المومنین کہا ہے، اب عائشہؓ قرآن کو تو نہیں بدل سکتی تھیں، عمار حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں لڑائی پر ابھارنے میں سب سے زیادہ سخت تھے، ایک دن میں لڑائی میں وہ عمرو بن العاصؓ کے مقابلے میں تھے اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا:

نحن ضربناكم على تنزيله — ہم نے تم کو اس کے نزول کے موقع پر مارا تھا

واليوم نضربكم على تأويله — اب اس کے مقاصد کے تحت تم کو ماریں گے

ضربا یزیل الہام عن مقیلہ	ایسی مار جو سر کو جدا کر دے گی
و یذہل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کی یاد دوست سے بھلا دے گی
او یرجع الحق الیٰ سبیلہ	تا آنکہ حق کے لئے راستہ صاف ہو جائے

عمار اس دن عمرو بن العاص کے جھنڈے کی طرف اشارہ کرکے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے:

"خدا کی قسم اس جھنڈے والے سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین مرتبہ لڑ چکا ہوں اور یہ چوتھی بار ہے، اور یہ موقع بھی پہلے سے کچھ اچھا نہیں ہے۔ عمار ساتھیوں میں جب بھی کچھ ابتری اور انتشار محسوس کرتے تو کہتے:" اگر حریف ہم کو مار مار کر ہجر[1] کے نخلستان تک بھی بھگا دے گا، تب بھی ہم کو یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔"

کہا جاتا ہے کہ عمار نے اپنے آخری معرکہ میں جانے سے پہلے پانی مانگا تو ان کے سامنے دودھ پیش کیا گیا، جب آپ نے دیکھا تو تکبیر کہی اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ دنیا میں تیرا آخری توشہ دودھ کے چند گھونٹ ہوں گے، اس کے بعد پی کر معرکہ میں ٹوٹ پڑے اور ساتھیوں کو آواز دی، کون جنت چلتا ہے، جنت تلواروں کے نیچے ہے، آج گھاٹ کا دن ہے، کل دوستوں سے ملاقات ہوگی یعنی محمدؐ اور ان کی جماعت سے صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس دستے کی کمان عمار بن یاسر کر رہے تھے، اس کا جھنڈا ہاشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص کے ہاتھ میں تھا۔ یہ قریش کے بڑے شہسواروں اور بزرگوں میں تھے، حضرت علیؑ کے ساتھ ان کو غیر معمولی اخلاص اور محبت تھی، وہ یک چشم تھے، عمار کبھی ان کو یک چشم کہہ کر سستی کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیتے اور کبھی نرمی سے کہتے، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، میاں آگے بڑھو۔ ہاشم ابن عتبہ عمار کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہتے ابوالیقظان ذرا ٹھہرو تم تو بھڑکتے ہو اور میں رینگتا ہوں، شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں، اس حالت میں بھی ابن عتبہ لڑتے تھے اور رجز پڑھتے تھے۔

اعور یبغی نفسہ محلا	یک چشم اپنی جگہ چاہتا ہے
قد اکثر القول وما اقلا	اس نے کمی نہیں کی بہت کچھ کہا
دعالج الحیاۃ حتی ملا	زندگی سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک چکا
لابد ان یفل او یفلا	اب اس کا گرنا یا گرایا جانا ضروری ہے

---

[1] کوفہ اور بصرہ کے درمیان کا علاقہ۔

اشاھم بذی الکعوب مشلا میں ان کو گرہ دار نیزوں سے بھگاتا ہوں

اسی طرح حضرت عمّار ان کو آگے بڑھاتے رہے اور وہ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ دونوں نے جان دے دی، حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں سے علماء اور عابدین کی ایک بڑی جماعت قتل کر دی گئی، یہ لوگ بصیرت کی روشنی میں لڑ رہے تھے، لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور اُن کی اتباع کرتے تھے۔

امیر معاویہ کے ساتھیوں میں سے بھی جو لوگ لڑائی میں کام آئے وہ بڑے درجے اور رتبے کے تھے، شامیوں کی نگاہ میں ان کی اہمیت اور وقعت اتنی ہی تھی جتنی عراقیوں کے دلوں میں حضرت علیؑ کے کام آنے والے فداکاروں کی، دونوں طرف کے لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنھوں نے اس لڑائی کو دین سمجھا، اس کو اللہ کی قربت کا ذریعہ جانا، عراقی خیال کرتے تھے کہ حضرت علیؑ کی کیا بات ہے، نبیؐ کی نگاہ میں ان کا درجہ، اللہ اللہ! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا۔ کیا میں ایمان والوں میں سب سے زیادہ بہتر نہیں ہوں؟ اور اُن لوگوں نے جواب دیا، یقیناً آپ سب سے بہتر ہیں تو آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "میں جس کا آقا ہوں علیؑ بھی اُس کے آقا ہیں اے خدا علیؑ کے دوست کا دوست رہ اور اس کے دشمن کا دشمن رہ" اسی طرح عراقیوں کی نگاہ قرآن کریم کی اس آیت پر تھی النبی اولی بالمومنین من انفسھم[1] اور اس آیت پر بھی: قل ان کان اباءکم و ابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا، احب الیکم من اللہ و رسولہ وجھاد فی سبیلہ۔ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین[2]

پس حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر جب وہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو ایسا محسوس کرتے تھے کہ اس لڑائی میں گویا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، ایسی حالت میں ان کا شوقِ شہادت، ان کا لڑائی کے لئے ٹوٹ پڑنا کوئی حیرت کی بات نہیں، حیرت تو اس پر ہوتی کہ وہ رُکے رہتے یا پیچھا دکھلاتے یا ہچکچاتے۔

---

[1] ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ لگاؤ نبیؐ سے ہے۔

[2] آپ کہہ دیجئے کہ تمھارے باپ تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو، اگر اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

امیر معاویہؓ کے ساتھی خیال کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وہ پابند ہیں، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا ہے اسلام میں انھوں نے بڑا خطرناک رخنہ پیدا کر دیا، اُنھوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے خون کو حلال کیا اور خلافت پر دست درازی کی جس کے وہ مجاز نہ تھے، اور پھر انھوں نے خلیفہ کی بے حرمتی کی۔

امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اُتار دی تھی کہ حضرت علیؓ در اصل اللہ کے ایک زبردست قانون قصاص کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، چنانچہ بہت سے شامی معاویہؓ کے لئے نہیں بلکہ دین کی حرمت کے لئے لڑے، ان کو غصہ تھا کہ دین کی حدیں جاری نہیں کی جا رہی ہیں، دین سے متعلق جو بگاڑ ہو گیا ہے اور لوگوں کی روش میں دینی حیثیت سے جو خرابی پیدا ہو گئی ہے حضرت علیؓ اس کو سیدھا اور درست نہیں کرتے۔ پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر دوسرے معاملات بھی پیش نظر رکھے جائیں جو دین سے وابستہ نہیں بلکہ ان کا تعلق اس عربی عصبیت سے ہے جس کی آگ حضرت عمرؓ نے کچھ دن کے لئے بجھا دی تھی، اور جو روم اور فارس کے دشمنوں سے مقابلے کے دوران میں دبی رہی، لیکن فتنے کی ہوا چلتے ہی بھڑک اُٹھی اور اپنی پہلی حالت پر آ گئی، اس نے بہت سے عربوں کو ان کے پرانے دنوں کی یاد دلا دی، اُنھوں نے چاہا کہ اُن کا قدیم ان کے جدید جیسا ہو جائے، چنانچہ فخر، غرور اور خود بینی کی جن باتوں سے روکا گیا تھا ان کی طرف چل پڑے اسی طرح وہ معاملات جن کا تعلق دنیا کی طلب اور دنیاوی جاہ و جلال کی حرص سے ہے، اب اس بات کو اگر ان دینی جذبات سے جوڑ دیا جائے جو قوم کو سخت جنگ کی طرف ڈھکیل رہے تھے تو اس خوفناک اور تباہ کن جنگ کی کوئی بات تم کو بُری معلوم نہ ہو گی۔

ایک جماعت پر دین غالب آیا، اس نے دین کی حمایت میں سچے ایمان والوں کی طرح جنگ کی، دوسری جماعت پر دنیا غالب آئی اور اس نے دنیا جمع کرنے کے لئے حریفوں اور بدلگاموں کی طرح مقابلہ کیا، اس مقابلے کے دوران میں سرحد بالکل یا تقریباً خالی ہو گئی، اور مسلمانوں کے دشمنوں نے وہ حوصلہ پایا جو وہ نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت علیؓ کے ساتھی

میرا خیال ہے کہ قرآن مجید نیزوں پر اُٹھانے کی چال تنہا عمرو بن العاص کی ساختہ پرداختہ نہ تھی اس لئے نہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے ایک عمل کی نقل تھی، بلکہ اس کا ایک اور سبب ہے جو آگے چل کر آپ کو

معلوم ہوگا، یہ بات پیش نظر رہے کہ بصرہ کی جنگ کے موقع پر قرآن مجید بلند کرنے کی کارروائی حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے کی تھی، مطلب یہ تھا کہ مقابل کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے، اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو درجہ ہے اس کا تقاضا تھا کہ حضرت علیؓ احتیاط اور تدبیر سے کام لیتے، ان کو قرآن مجید اور اس کے احکام کی یاد دلاتے اور اپنی دعوت کے جواب سے جب تک مایوس نہ ہو جاتے لڑائی کا آغاز نہ کرتے، چنانچہ جب بصرہ والوں نے اس قرآن اٹھانے والے نوجوان کو تیروں کا نشانہ بنا لیا، تب حضرت علیؓ نے کہا، اب کوئی چارہ کار نہیں۔

پس شام کے لوگ اگر واقعی فتنہ اور لڑائی سے بچنا چاہتے تھے تو یہ کام ان کو لڑائی شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہیئے تھا، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بار بار ان کو قرآن اور احکام قرآن کی یاد دلائی گئی اور انھوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، کتنی مرتبہ انھوں نے حضرت علیؓ کے سفیروں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا، نہ صلح کی نہ صلح جیسی کوئی بات پیش کی، پھر لڑائی پر ہفتوں گذر جانے کے بعد بلکہ محرم کا ایک پورا مہینہ امن سے گذار لینے کے بعد اب قرآن مجید نیزوں پر بلند کرنا مکاری کے سوا کیا معنے رکھتا ہے، یہ تو فتنے سے بچنا نہیں شکست سے گریز کرنا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں بھی بعض افسر مخلص اور آپ کے سچے خیر خواہ نہ تھے، اس لئے کہ وہ دین دار نہیں دنیا دار تھے، وہ دل ہی دل میں ان عیش بھرے دنوں کی حسرت رکھتے تھے۔ جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں انعام و عطیات پاتے رہنے کی فضا میں گذارے تھے۔ اس قسم کے افسروں میں سے میں صرف اشعث ابن قیس کندی کا تذکرہ کروں گا جو عہد نبوت میں مسلمان ہوا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا اور اپنے قبیلے کو ابھار کر جنگ کی مصیبت میں مبتلا کر دیا، پھر قبیلے کے لوگوں کو حوالے کر کے خود توبہ کر لی اور بڑی عجلت کے ساتھ مدینہ آیا، اور حضرت ابوبکرؓ سے نہ صرف اپنا خون بچانے میں کامیاب ہو گیا، بلکہ آپ کی بہن ام فروہ سے شادی بھی کر لی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں گمنامی کے گوشے میں رہا اور عہد عثمانی میں باہر آیا، حضرت عثمانؓ نے اس کو فارس کے بعض مقامات کا والی بنا دیا۔ پھر جب حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس سے مسلمانوں کے کچھ مال کا مطالبہ کیا، بعد میں اپنے ساتھ رکھا اور اس کے اصلاح کی کوشش کی، پھر جب قرآن اٹھائے گئے اور ثالثی کی تجویز پیش ہوئی تو یہی اشعث بن قیس تھا جس نے حضرت علیؓ کو بڑی شدت کے ساتھ مجبور کیا کہ تجویز منظور کر لیں۔

ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ شام پر اس حملے میں حضرت علیؑ کے ساتھ صرف کوفہ اور حجاز کے لوگ نہ تھے بلکہ بصرہ کے بھی ہزاروں آدمی تھے، کچھ تو معرکہ جمل کے وفادار تھے، کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس دن کنارہ کشی اختیار کی تھی، اور بہت سے وہ لوگ تھے جو طلحہؓ اور زبیرؓ کے قتل کے بعد شکست کھا گئے تھے۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ سب عثمانی تھے اور حضرت علیؑ کے ساتھ سچائی اور رضامندی سے نہیں، بادلِ ناخواستہ تھے، ان کے دلوں میں حضرت علیؑ کی طرف سے کدورت تھی، اس لئے کہ آپ نے ان کے لوگوں کو قتل کیا تھا اور ان کو شکست کھانے پر مجبور کیا تھا۔

پس حضرت علیؑ کے سب آدمی مخلص نہ تھے، کچھ مخلص تھے کچھ مطلبی، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ طرفین کے آدمی محرم کے دنوں میں پوری آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے تھے۔ اب ہم مزید کہتے ہیں کہ ایک دن جب مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو حضرت علیؑ نے ان کی تجہیز و تکفین کے لئے وقتی مصالحت کا مطالبہ کیا جو منظور کر لیا گیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شامی اور عراقی مختلف مواقع پر ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے، اور ان کے لئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی کہ باہم سرگوشیاں اور آزادانہ تبادلہ خیالات کریں ایسی حالت میں یہ میں بعید نہیں سمجھتا کہ عراق کے چالاک سردار اشعث بن قیس کی ملاقات شام کے کھلاڑی عمرو بن العاصؓ سے ہوئی ہو اور دونوں نے مل جل کر یہ تدبیر نکالی ہو کہ لڑائی جاری رکھیں اگر شامی غالب آجائیں تو ٹھیک ہی ہے اور اگر خطرہ ہو اور اپنی شکست دیکھ رہے ہوں تو قرآن مجید بلند کریں اور حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا کر کے آپس میں ایک دوسرے کو خائف کر دیں، اگر ایسا ہوا ہو تو کہنا چاہیئے کہ ان کی تدبیر کارگر ہوئی اور اشعث اور اس کے ماتحتوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کا کہا مانیں اور لڑائی روک دیں۔

میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ سازش یہیں آکر نہیں رُکی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک میدان میں اس نے قدم بڑھائے، یہ خطرناک میدان دو ثالثوں کا انتخاب تھا۔ اس لئے کہ اشعث اور اس کے یمنی آدمیوں کا کسی وجہ سے سخت اصرار تھا کہ ابو موسیٰ اشعری کو حکم چنا جائے۔ حضرت علیؑ کو اس بات کی آزادی نہیں دی گئی کہ اپنے بھروسے کا آدمی ثالث بنا سکیں، حالانکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ابو موسیٰ نے لوگوں کو کوفہ میں حضرت علیؑ کی امداد سے باز رکھا تھا اور اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے ان کو معزول کر دیا تھا، حضرت علیؑ کو ثالثی کے فیصلے پر مجبور کیا گیا، پھر ایک ثالث کے انتخاب پر مجبور کیا گیا۔ یہ تمام باتیں اتفاقیہ ظہور پذیر نہیں ہوئیں بلکہ مکر و چال سے ہوئیں۔ اور اس کے اندر حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ دونوں کے دنیا دار ساتھیوں کا ہاتھ تھا۔

فریقین کے حکم

بہرحال فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دو حکم مقرر کئے جائیں، امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علیؑ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعریؓ۔ حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے یہ بات نہیں مانی کہ ابن عباسؓ کو حضرت علیؑ اپنی طرف سے حکم بنائیں اس لئے کہ وہ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں اور یہ بھی نہیں مانا کہ اشتر حکم ہوں، اس لئے کہ ان میں جنگ اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کی اسپرٹ بہت زیادہ تھی، احنف ابن قیس چاہتے تھے کہ وہ اس معاملے میں حضرت علیؑ کی نمائندگی کریں یا کم از کم موسیٰ کے ساتھی رہیں، لیکن حضرت علیؑ کی مجبوری کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھیوں نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اور اصرار کیا کہ نمائندگی تو صرف ان کے پرانے حاکم ابوموسیٰ اشعری ہی کریں گے جنھوں نے ان کے لئے فتنہ پسند نہیں کیا نہ لڑائی میں کسی کی طرف سے حصہ لیا، ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ عمرو بن العاصؓ نے تو جنگ میں حصہ لیا ہے اور اپنی زبان سے، تلوار سے اور دماغ سے جنگی خدمت انجام دی ہے، خیال تو ان کو ضرور آیا ہوگا، لیکن ان لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی

فریقین کی جانب سے گفت و شنید کرنے والے اکٹھا ہوئے اور ایک تحریر میں اس بات پر اتفاق کیا کہ طرفین لڑائی بند اور ثالثی منظور کرتے ہیں، دو حکم فیصلے کی جگہ اور وقت مقرر کرتے ہیں اور یہ کہ دونوں حکم جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے ان کی جان و مال بہرحال محفوظ رہے گی، نیز معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف پوری قوم متحد ہوگی۔

ان نکات کی بڑی باریک بینی کے ساتھ حد بندی کی گئی لیکن ایک بات بالکل چھوڑ دی گئی، اور نزدیک و دور کہیں سے اس کو بحث کو میں نہیں لایا گیا، یعنی جھگڑے کا موضوع جس کا فیصلہ دونوں حکم کو کرنا ہے، پہلے اس تحریر کو پڑھئے جو بلاذری کی روایت کے مطابق یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ قرارداد ہے جس پر حضرت علیؑ اور معاویہؓ نے اپنے عراقی اور شامی حامیوں کے ساتھ اتفاق کیا ہمیں اللہ کا حکم تسلیم ہے، ہمارے اختلافات کے لئے اللہ کی کتاب از اول تا آخر ہمارے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب نے جس کو زندگی بخشی ہم اس کو زندہ رکھیں گے، جس کو

اس نے مُردہ کیا ہم بھی اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیں گے، دونوں حَکم اللہ کی کتاب میں جو کچھ پائیں گے اس کی اتباع کریں گے اور اگر اپنے اختلاف کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی راستہ نہ پاسکیں گے تو پھوٹ سے بچنے والا انصاف کا راستہ اختیار کریں گے، عبداللہ ابن قیس اور عمرو بن العاص حکم ہوں گے، ہم نے ان دونوں سے عہد و پیمان لیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے صاف اور صریح حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے، اگر کوئی مقررہ حُکم نہیں ملا تو پھوٹ نہ ڈالنے والی متفقہ راہ اختیار کریں گے، دونوں حکم حضرت علیؓ اور معاویہؓ سے اور دونوں کی فوجوں اور افسروں سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی وہ فیصلہ کریں اسے قبول کرنا ہوگا یہ حُکم بھی لوگوں سے اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی امان کا قول و اقرار کرتے ہیں اور اس کا عہد کہ پوری قوم ان کے فیصلے کی حمایت کرے گی، دونوں حَکموں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں صلح اور اتفاق کرائیں گے، پھوٹ اور لڑائی نہ ہونے دیں گے۔

فیصلے کی مدت رمضان تک مقرر کی جاتی ہے اگر اس سے پہلے کرنا چاہیں تو ان کو اختیار ہے۔ طرفین کی مرضی کے بغیر اگر حَکم فیصلے میں تاخیر کرنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے، فیصلے سے قبل اگر کسی حَکم کا انتقال ہو جائے تو اس کے امیر اور اس کی جماعت کو حق ہے کہ وہ کوئی دوسرا آدمی اس جگہ مقرر کرے جو عادل اور مخلص ہو، فیصلے کی جگہ کوفہ، شام اور حجاز کے درمیان کا کوئی مقام ہو، جہاں ثالثوں کی اجازت کے بغیر کوئی نہ جاسکتا ہو، اگر دونوں حُکم فیصلے کے لئے کوئی دوسری جگہ چاہیں تو پسند کر سکتے ہیں اور طرفین میں سے جس کو چاہیں گواہی کے لئے لے جاسکتے ہیں، پھر ان گواہوں کی اس معاہدہ میں یہ گواہی لکھی جائے کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف دوسرے کی مدد کریں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم اس شخص کے خلاف تیری مدد چاہتے ہیں جو اس معاہدے کے خلاف زیادتی سے کام لینا چاہے گا۔

عراق اور شام کی طرف سے دس دس آدمیوں نے یہ شہادت دی، عراق کی طرف سے عبداللہ ابن عباسؓ، اشعث ابن قیس، سعد ابن قیس ہمدانی، ورقاء ابن سمی، عبداللہ بن طفیل، حجر ابن عدی کندی، عبداللہ ابن حجل ارحبی بکری، عقبہ بن زیاد، یزید بن حجیہ تمیمی، مالک بن ارحبی نے۔ اور شام کی طرف سے: ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی، حبیب بن مسلمہ فہری، مخارق بن حارث زبیدی، زمل بن عمرو عذری، حمزہ بن مالک ہمدانی، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مخزومی

شریح بن یزید حضرمی، علقمہ بن یزید الحضرمی، عتبہ بن ابی سفیان، یزید ابن حر العبسی تھے۔
بلاذری کے علاوہ دوسروں نے بھی اس معاہدے کی روایت کی ہے جس میں لفظوں کا معمولی ہیر پھیر ہے اور کچھ جملوں کی تقدیم و تاخیر ہے لیکن اس میں کوئی اہمیت نہیں، البتہ اہمیت کے قابل جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ ہے کہ فریقین نے اختلاف کے اصل موضوع کو جس کا فیصلہ ثالثوں کو کرنا ہے چھوڑ کر باقی تمام باتوں کی اچھی طرح حد بندی کر دی تھی۔

آخر اختلاف کس بات پر تھا، امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ خلیفہ کے قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ حضرت علیؑ عثمانؓ کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتے تھے اور تمام باغیوں کو حوالے کر دینا ان کے بس کی بات نہ تھی، پس فریقین ثالثوں کے ذریعے اس اختلاف کا فیصلہ چاہتے تھے۔ پھر یہ کیا بات تھی کہ معاہدے میں انھوں نے اس کی صراحت نہیں کی بلکہ عثمانؓ اور قاتلین عثمانؓ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

طلحہؓ اور زبیرؓ کے قتل ہو جانے پر اپنی قوت مضبوط اور معاملات منظم کر لینے کے بعد امیر معاویہؓ اس خیال کے ہو گئے تھے کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے مشورے سے طے ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؑ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ان کی بیعت سابق خلفا کی طرح ہو چکی ہے، حرمین کے لوگوں نے بیعت کر لی ہے، جو ارباب حل و عقد ہیں اور بجز شام کے تمام شہروں میں بھی ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بالعموم مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اور خصوصاً انصار و مہاجر کا آپ پر اتفاق ہو چکا تھا، اب امیر معاویہؓ کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے اور ان کے شامی ساتھی بھی یہی کرتے۔ اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، تو ان کی حیثیت ایک باغی جماعت کی ہے، جس سے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب تک یہ جماعت راہ راست پر نہ آ جائے اور صلح سے انکار کرتی رہے اس سے جنگ جاری رکھو۔ پس فریقین کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے معاہدے میں اس کا اظہار تک نہیں کیا اور خلافت اور شوریٰ کا تو نام بھی نہیں لیا۔ پھر حیرت تو یہ ہے کہ مورخین کا روایت کردہ یہ معاہدہ فریقین کے لئے اطمینان بخش تھا، کسی نے اس کے مبہم، عام اور غیر واضح ہونے پر اعتراض نہیں کیا، حالانکہ وہ مسلمانوں کی اس قضیہ سے متعلق تحریروں میں سب سے زیادہ پیچیدہ، مبہم اور عام ہے اور ضرورت تھی کہ اسکو ہر پہلو سے اس طرح واضح کر دیا جاتا کہ کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہ جاتی۔

غالب گمان یہ ہے کہ فریقین میں سے جن لوگوں نے یہ معاہدہ لکھا انھوں نے باریک بینی اور ضبط نکات

کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی، وہ جنگ سے اکتا چکے تھے اور جلد سے جلد صلح کر لینا چاہتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے حامیوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ جنگ کے بادل چھٹ جائیں اور عراقیوں میں پھوٹ پڑ جائے اور عام عراقی صرف اس کے خواہاں تھے کہ کسی طرح امن و صلح کا دور آئے اور جس بات کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے اگر وہ برمحل ہے تو چالاکوں اور کھلاڑیوں کی کوشش یہ تھی کہ بات مبہم اور گول رہے ان کے خیال میں یہ بات امیر معاویہؓ کے حق میں مفید تھی اور حضرت علیؓ کے حق میں مضر، اور اسی کے ذریعے وہ دنیا اور دنیا کا اقتدار حاصل کر سکتے تھے۔

معاہدے کی تحریر کے بعد جو کچھ ہوا شامیوں میں جو اتحاد اور عراقیوں میں جس طرح پھوٹ پڑی وہ سب ہمارے اجمال کی تفصیل ہے۔ غالباً حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ ان کے ساتھی ان کی کوئی بات نہیں مانتے اور ان کا کوئی مشورہ قبول نہیں کرتے تو تنگ آ کر ان کے لئے راستہ صاف کر دیا کہ جو چاہیں کریں، گویا زبان حال سے آپ دُرید بن صمہ[1] کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

امرتهم امری بمنعرج اللوی — فلم یستبینوا الرشد الا ضحی الغد

میں نے منعرج اللوی میں اپنی بات بتادی تھی — لیکن یاروں کو ہوش دن چڑھے آیا

فلما عصونی کنت منهم وقد اری — غوایتهم واننی غیر مهتدی

جب انھوں نے میری نافرمانی کی تو میں بھی انھیں کی — رائے کا ہو گیا میں ان کی گمراہی دیکھ رہا تھا لیکن غلط

وهل انا الا من غزیة ان غوت — غویت وان ترشد غزیة ارشد

راہ پر تھا اور میں تو غزیہ میں سے ہوں وہ گمراہ تو میں — بھی گمراہ، اگر وہ راہ پر ہیں تو میں بھی راہ پر

---

[1] دُرید بن صمہ عہد جاہلیت کا مشہور شاعر ہے بڑا جری اور بہادر اس کی شاعری اور شجاعت دونوں کا عربوں میں عام چرچا تھا، اس نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن وہ مسلمان نہ ہو سکا۔ غزوہ حنین کے موقع پر اس کو تبرک کے طور پر مشرکین اپنے ساتھ لائے تھے اور یہی ان کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا۔

ایک دن دُرید قبیلہ بنی غطفان پر حملہ آور ہوا اور اونٹوں سمیت مال غنیمت لیکر روانہ ہوا، راستہ میں اس کے بھائی نے مقام منعرج اللوی میں بیٹھ کر مال کی تقسیم شروع کر دی، دُرید نے اسکو روکا کہ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں بنی غطفان تاک میں ہیں ان سے خطرہ ہے لیکن بھائی نے اس کی بات نہیں مانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عبس کے لوگ موقع پر آ گئے اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا، درید نے بھائی کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا بلکہ زخمی ہو کر زمین پر اس طرح گرا کہ حریف نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ درید اس حادثہ پر بہت رنجیدہ ہوا اور جب اس کی بیوی ام معبد نے اس کو طعنہ دیا اور اس کے بھائی کے حق میں برے بھلے الفاظ منہ سے نکالے تو اس نے اسکو طلاق دیدی، دُرید نے اپنے بھائی کے غم میں جو مرثیہ کہا اسی میں سے یہ چند اشعار ہیں

ہم دیکھتے ہیں کہ اشعث ابن قیس جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا، اتنے پر اکتفا نہیں کرتا کہ خوش ہو لے، بلکہ وہ تحریر لے کر فوج میں جاتا ہے اور فوجیوں کو سناتا ہے، سناتے سناتے جب خود تھک جاتا ہے تو دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ اس کو پڑھ کر سناؤ، فوجی اس تحریر کو سنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ لڑائی سے نجات ملی، ایک بڑی جماعت اس سے ناراض بھی ہوتی ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں یہ ثالثی اور تحریر دین کے خلاف اور قرآنی احکام کی مخالف تھی، اس جماعت کے بعض لوگ کہتے تھے کہ کیا تم اللہ کے دین میں اشخاص کو حکم بناتے ہو، اور بعضوں نے صرف ایک جملہ کہا لاحکم الا للہ اور یہی جملہ آگے چل کر خارجیوں کا نعرہ بنا، اور بعض تو غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور زبان کی جگہ تلوار سے کام لینے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ ثالثی کے ایک مخالف نے اپنی جماعت کا ساتھ چھوڑ کر تلوار کھینچ لی اور لاحکم الا للہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامیوں میں گھس پڑا اور لڑنے لگا یا آخر مارا گیا۔

اور یہ تو واقعہ ہے کہ تاریخی خارجی مرد اس ابو بلال کے بھائی عروہ بن اُدیہ نے جب اسکو تحریر پڑھ کر سنائی تو وہ اشعث کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا، اور چاہتا تھا کہ اس کو قتل کر دے لیکن اشعث کی سواری بھڑک اُٹھی اور عروہ کی تلوار کا وار سواری کے پچھلے حصہ پر پڑا اور قریب تھا کہ اشعث کے ہم قبیلہ یمنیوں میں اور عروہ کی قوم تمیمیوں میں بات بڑھ جاتی، لیکن تمیم کے بڑے بڑے لوگ دوڑ پڑے اور معذرت چاہی، جس پر اشعث راضی ہو گیا۔

مناسب نہ ہوگا کہ ہم صفین سے حضرت علیؑ کی فوج واپس ہونے دیں اور ان لوگوں کا نقطہ نظر پیش نہ کریں جنھوں نے ثالثی کو اور اس تحریر کو بُرا سمجھا اور جو بعد میں اسلامی تاریخ میں بڑی شان کے مالک بنے۔

ان کا نقطہ نظر بالکل صاف اور ان کی دلیل بڑی زوردار ہے، جسے خود قرآن مجید نے اس وضاحت سے پیش کیا ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

وان طائفتان من المومنین	اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں
اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت	لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح
احداھما علی الاخری فقاتلوا	کردو، پھر اگر ان میں کا ایک گروہ
التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ فان	دوسرے پر زیادتی کرے تو اس
فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل	گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہو یہاں تک
واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین	کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔ جائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کا خیال رکھو، بلا شبہ اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے، مسلمان تو سب بھائی ہیں اور اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی اور یہی مسلمانوں کی اکثریت تھی، خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں نے بغاوت کی، حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ اور اُن کے حامی شامیوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے، اُنھوں نے سفیروں کو واپس کردیا اور کہہ دیا کہ ہمارے ان کے درمیان تلوار ہے اور صرف تلوار، اس کے بعد امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی پانی پر پہلے پہنچے اور چاہا کہ خود ہی سیراب ہوں اور ان کے ساتھیوں کو پیاسا رکھیں، اس پر دونوں میں لڑائی ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کا پانی پر قبضہ ہوگیا، لیکن حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اجازت دی کہ سیراب ہوں یہ ہیں مسلمانوں کی دو جماعتیں جو آپس میں لڑیں۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ کے پاس اپنے سفیر بھیجے جنھوں نے اطاعت کی دعوت پیش کی اور مسلمانوں میں نفاق و شقاق کا باعث بننے سے ان کو روکنا چاہا لیکن سفراء کامیاب نہ ہوسکے، چنانچہ کچھ دنوں تک لڑتے رہے، اس کے بعد محرم کا مہینہ خیریت سے گذرا، پھر حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے صلح کی کوشش کی لیکن شامیوں نے اسے منظور نہیں کیا، اس کے بعد صفر کے مہینے میں جنگ شروع ہوئی

مذکورہ بالا آیت کے مطابق ضروری تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے تا آنکہ امیر معاویہؓ اور شامی اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں اور اس کے بعد ان سے جنگ روک دی جائے، پھر حریف بھائی بھائی بن جائیں اور دو بھائیوں میں صلح و صفائی ہوجائے۔

حضرت علیؑ کی فوج باغی جماعت پر غالب آرہی تھی اور اس کو اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہورہی تھی کہ اتنے میں قرآن مجید بلند کئے گئے اور جنگ روک دی گئی اور قوم ایک ایسے فیصلے میں الجھ گئی جو بالکل مبہم اور غیر واضح تھا، پس جن لوگوں نے لا حکم الا اللہ کہا ان کا کوئی قصور نہیں اللہ کا حکم یہ ہے کہ لڑائی امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہتھیار ٹیک دینے تک جاری رہتی اور اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؑ خود امام نے قرآن مجید اٹھانے کے فریب میں آنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ معاویہؓ اور ان کے درباری قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں یہ تو تلوار سے بچنے کی ایک چال ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ خود خلیفہ کی بھی یہی رائے تھی کہ حکم اللہ کے سامنے ہے اور اللہ کے حکم کا راستہ

لڑائی جاری رکھتا تا آنکہ شامی سرِ تسلیم خم کر لیں، لیکن اکثریت نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور حضرت علیؑ کو ان کی طبیعت کے خلاف مجبور کیا، اس کے نتیجہ میں یہ ثالثی کا فیصلہ سامنے آیا۔

بلاشبہ اب تک ثالثی تسلیم نہ کرنے والوں نے کوئی غلطی نہیں کی اُنھوں نے قرآن مجید کا حکم مانا اور امام کی رائے کی بھی پابندی کی، کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا امام سے سخت اصرار تھا کہ جنگ بدستور جاری رکھی جائے تاکہ اللہ کا حکم نافذ ہو لیکن حضرت علیؓ نے دیکھا کہ یہ لوگ بہت تھوڑے ہیں اور یہ کہ ان کا مشورہ قبول کرنے کی صورت میں وہ ان کو ایک طرف شامی دشمنوں اور دوسری طرف عراقی ساتھیوں کے درمیان محصور کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ اس لئے ان کا مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کو ٹھنڈا کیا پھر تسلی دی اور مشورہ دیا کہ وہ راستہ اختیار کریں جس میں ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے امن و عافیت ہو۔

یہاں پہنچ کر ثالثی کے مخالفین غلطی کرتے ہیں، امام سے مشورہ کرنے تک صحیح راہ پر تھے، امام نے ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کو جلد بازی سے روکا اور اعتدال پسندی کا حکم دیا، پھر وہ حضرت علیؑ سے زیادہ قرآن سمجھنے والے نہ تھے اور نہ سنت اور مصلحت کے ان سے زیادہ محافظ اور عالم تھے، ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ امام کو اتنی آزادی دیتے کہ وہ رعایا کے لئے احکام جاری کرے، ایک طرف ساتھیوں کی بہت بڑی اکثریت صلح اور ثالثی کا مطالبہ کر رہی ہے، دوسری طرف ساتھ کے تھوڑے سے لوگ جنگ چاہتے ہیں اور ثالثی کی تجویز کو مسترد کر دینے پر مصر ہیں، دونوں کے دونوں اپنے سرداروں کے سر ہو جاتے ہیں اور اپنی بات کی پیچ کرتے ہیں، ایسی حالت میں امام کے لئے اس کے سوا کیا چارہ کار کہ یا تو وہ اکثریت کا ساتھ دے، صلح اور ثالثی منظور کر کے ایک ایسی مصالحت کی اُمید کرے جس سے پراگندگی کا خاتمہ ہوگا، خونریزی بند ہوگی پھر اقلیت کا ساتھ دے اور جنگ کر کے ہلاکت آفریں یاس سے ہم آغوش ہو جائے، حضرت علیؑ نے اکثریت کا ساتھ دینا پسند کیا، اب اقلیت کا فرض تھا کہ وہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے امام کا انتظار کرتی، اگر اطمینان بخش صلح ہو جاتی تو ٹھیک تھا اور اگر ایسی صورت نہ نکلتی تو سب کے سب جنگ میں شریک ہو جاتے۔

لیکن اقلیت اور اکثریت دونوں اپنی ضد پر اڑی رہیں، حضرت علیؑ نے بادلِ نخواستہ اکثریت کا ساتھ دیا ثالثی کی قرارداد لکھنے پر دو دن کی مدت گذر گئی تھی، جس میں قوم نے اپنے اپنے مقتولوں کو سپرد خاک کیا، اس کے بعد حضرت علیؑ کے منادی نے اپنی جماعت کو صفین سے کوچ کرنے کا اعلان کیا اور لوگ بری طرح کوفہ واپس ہوئے، نکلے تھے تو باہم کتنی محبت تھی، کیا اتحاد اور کیسی یگانگت تھی اور لوٹنے میں تو

کتنی گہری دشمنی، کیسی نفرت اور کتنا بڑا اختلاف لے کر، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، کوڑ دل سے مارتے ہیں، اقلیت، اکثریت سے کہتی ہے کہ تم نے دین کی مخالفت کی، قرآن کے حکم سے منہ موڑ لیا اللہ کی جگہ اشخاص کو اس معاملہ میں حکم بنایا جس میں خدا کے سوا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اکثریت جواب میں کہتی، تم نے امام کی مخالفت کی، جماعت میں نفاق اور انتشار پیدا کیا، جماعت کو ٹیڑھی راہ چلانا چاہا، پھر جس طرح کوفے سے نکلے تھے، سب کے سب واپس نہیں آئے بلکہ کچھ لوگ حروراء جا کر مقیم ہو گئے جو فیصلے کا مقام تھا، ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ بتانے والے اندازے میں بارہ ہزار بھی اور کم سے کم کا اندازہ کرنے والے چھ ہزار بتاتے ہیں، حروراء میں قیام کرنے کی وجہ سے وہ اسی طرف منسوب ہو گئے، پھر ان کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگو! جنگ کے افسر شبث ابن ربعی تمیمی ہیں، نماز کے امام عبداللہ ابن الکوا یشکری اور اللہ عزوجل کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بیعت ہے۔

اس دن سے اسلام میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا، جس کا اسلام کی تاریخ پر بہت گہرا اثر پڑا، حضرت علیؑ کوفہ میں داخل ہوئے تو اس کا نقشہ اسی طرح بدلا ہوا پایا جس طرح بصرہ سے واپسی میں پایا تھا اپنے آنے اور ملنے پر نہ پہلے لوگوں کو خوش دیکھا تھا نہ اب ان کو شادماں پایا۔ بصرہ سے جب آئے تھے تو لوگوں کو خستہ، حسرت زدہ اور روتا ہوا دیکھا تھا، صفین سے واپسی پر بھی وہی عالم پایا، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خراب حالت نظر آئی، اس لئے کہ بصرہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد سے صفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔

صفین کے سبائی

حیرت کی بات ہے کہ مورخین نے عہد عثمانی کے فتنوں کے بیان میں ابن سودا عبداللہ ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا بہت کچھ تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مدینے سے حضرت علیؓ کے نکلنے کے موقع پر، پھر اس وقت جب حضرت علیؓ نے طلحہؓ زبیرؓ اور ام المومنینؓ کے پاس مصالحت کے لئے اپنے سفیر بھیجے، مورخوں نے بار بار ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ کیا ہے، ان مورخوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے خلاف یکایک جنگ چھیڑ دینے کی سازش ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کی، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انہیں سبائیوں نے بصرہ کے نزدیک جب فریقین اکٹھا ہوئے تھے، دفعتہً جنگ کا آغاز کر کے مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا، لیکن تعجب ہے کہ صفین کے معرکے کی روایت میں مورخین سبائیوں کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ شام کے لئے ابن سودا نہیں نکلتا، حالانکہ اس کے ساتھی حضرت علیؓ کے ساتھ نکلے ہیں، لیکن یہ سبائی حضرت علیؓ کے بڑے خیرخواہ تھے اور بڑے وفادار اور فرمانبردار بھی۔ انھوں نے نہ کوئی سازش کی اور نہ فریقین میں لڑانے کی کوشش بلکہ پوری طرح مطیع اور مخلص بنے رہے، پھر جب قرآن مجید اٹھائے گئے تو ان میں کے بعض ان لوگوں کے ساتھ جن کو ثالثی کی قرارداد سے اختلاف تھا، نکل گئے، جیسے حرقوص ابن زہیر اور بعض حضرت علیؓ کی اطاعت پر قائم رہے، اگرچہ ان کو قرارداد سے اختلاف تھا اور وہ ثالثی کو برا سمجھتے تھے جیسے اشتر۔

صفین کے معرکے میں سبائیوں کے تذکرے سے مورخین کی پہلو تہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سبائیوں اور ان کے سردار ابن سودا کا افسانہ تصنع اور من گھڑت ہے اور یہ آخری دنوں میں جب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقوں میں معرکہ آرائی ہوئی تراشا گیا ہے، مخالفین شیعہ کا مقصد تھا کہ اس مذہب کے اصول میں یہودی عنصر داخل کر دیں تاکہ چال گہری ہو جائے اور اپنی غرض میں کامیاب ہوں، اگر ابن سودا کی بات کسی صحیح تاریخ یا حقیقت کی بنیاد پر ہوتی تو طبعی طور پر اس کی چال بازی کے کچھ نشانات صفین کی اس پیچیدہ جنگ میں نظر آتے، خصوصاً اس وقت جب ثالثی کے مسئلہ پر حضرت علیؓ

کے ساتھیوں میں اختلاف ہو رہا تھا اور اس نئے فرقے کی پیدائش کے موقع پر تو اس کے اثرات لازمی طور پر ظاہر ہوتے جو مصالحت سے متنفر تھا اور جو صلح کی رغبت یا شرکت کرنے والوں کو کافر کہتا تھا۔

لیکن ہم خارجیوں سے متعلق ابن سبا کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں پڑھتے، پس مورخین کی اس خاموشی کی کیا وجہ بیان کی جا سکتی ہے اور کیا توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ ابن سبا معرکہ صفین سے کس طرح غائب رہا اور لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگانے والی پارٹی کی تشکیل میں حاضر نہ ہو سکا۔

میرے نزدیک تو دونوں کا سبب ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ ابن سودا ایک ذہنی وجود ہے، اور اگر وہ کوئی تھا تو بالکل معمولی اور ناقابل ذکر، نہ ایسی شخصیت جس کی تصویر مورخین نے عہد عثمانیؓ میں کھینچی ہے اور جس کی سرگرمیوں کا نقشہ حضرت علیؑ کے ابتدائی دور خلافت میں پیش کیا ہے ابن سبا کو تو مخالفین شیعہ نے صرف شیعوں کے لئے تراشا ہے، خارجیوں کے لئے نہیں، اس لئے کہ خارجی جماعت میں سے نہ تھے، اور نہ ان کو خلافت اور حکمرانی کی خواہش تھی، وہ تو ایک ایسا گروہ تھا جو ہر خلافت کی بغاوت اور ہر بادشاہ کی مخالفت میں ٹوٹ پڑتا تھا اور جہاں تک ہو سکتا خلفاء اور بادشاہوں سے برسر پیکار رہتا۔

پھر یہ کہ بنی امیہ کے خاتمے تک خارجیوں کی کوئی مستقل اور مسلسل خطرناک تنظیم باقی نہ تھی، بلکہ بنی عباس کا زمانہ آنے تک ان کی قوت کمزور اور ان کی تیزی ختم ہو چکی اور ان کا مذہب صرف متکلمین کے مباحث میں باقی رہ گیا، پھر بھی اس کے اثرات نے عملی زندگی میں اپنی خاص جگہ بنالی تھی جس کا تذکرہ ہم اس کتاب کے تیسرے حصے میں کریں گے۔

پس خوارج کی جماعت نہ تھی جس کے مقابلے کے لئے کسی سخت جنگ اور جد و جہد کی ضرورت پڑتی جس کی وجہ سے لوگ اس سے ناراض ہو جاتے یا جس کی بدولت اس میں متقی اور پرہیزگاروں کی کمی ہو جاتی جیسا کہ شیعہ جماعت کا معاملہ ہے وہ اب تک بادشاہوں اور خلفاء سے مسلمانوں کی سیاست سے متعلق برسر پیکار ہیں۔

بلاذری جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے حصے میں بتا چکے ہیں، حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابن سبا کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ حضرت علیؑ کے سلسلے میں خاموش ہے بجز ایک مرتبہ کے جب ابن سبا ایک معمولی بات کے لئے حضرت علیؑ کے پاس دوسروں کے ساتھ آیا اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں سوال کیا، حضرت علیؑ نے بڑی سختی سے سرزنش کرتے ہوئے اس کو جواب دیا کہ تم لوگوں کو اس کے سوا کوئی

کام نہیں؟ اور یہاں حالت یہ ہے کہ مصر ہاتھوں سے نکل چکا اور وہاں کے حامی قتل کئے گئے۔

حضرت علیؑ نے ایک یادداشت لکھی جس میں بتایا کہ عراقیوں کی بے وفائی کے بعد حالات کا انجام کیا ہوا؟ اور حکم دیا کہ یہ تحریر عوام کو پڑھ کر سنائی جائے کہ اس سے مستفید ہوں۔

بلاذری لکھتا ہے کہ اس یادداشت کا ایک نسخہ ابن سبا کے پاس تھا جس نے اس پر زیر و زبر لگایا تھا لیکن یہ ابن سبا ابن سودا نہیں ہے بلکہ وہ عبداللہ بن وہب ہمدانی ہے۔

بلاذری ان سارے واقعات کی روایت میں امکانی احتیاط اور صداقت پیش نظر رکھتا ہے، وہ بسا اوقات لکھتا ہے اور آخر میں اپنے شک کا اظہار کر دیتا ہے کہ شاید وہ عراقیوں کی اختراع ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ عباسیوں کی حکومت کے مضبوط ہو جانے کے بعد اہل جماعت اور شیعوں کی باہمی خصومت میں مقابلہ، پروپیگنڈا اور تحریک چلانے کا ڈھنگ پیدا ہو گیا جس میں بڑی عیاری اور اختراع سے کام لیا گیا ہے، پس منصف مورخ کا فرض ہے کہ وہ ابتدائی عہد کے ان فتنوں کا بیان کرتے وقت انتہائی احتیاط پیش نظر رکھے، ظاہر ہے کہ شامیوں کے لئے عراقیوں کے حق میں غلط بیانی بالکل آسان ہے، اسی طرح عراقیوں کے لئے شامیوں کے حق میں دروغ بیانی کوئی مشکل بات نہیں اور پھر ایسی حالت میں جب کہ واقعات پر ایک عرصہ دراز گذر چکا ہو۔ اور حالات کی تحقیق دشوار ہو چکی ہو۔

اور جن لوگوں نے اپنے لئے نبیؐ اور صحابہؓ کے لئے حدیثیں وضع کرنا مباح کر لیا ہے، ان کو اس میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ عراقیوں اور شامیوں کے بارے میں اپنی طرف سے اغنا نہ کریں، جس زمانہ کے حالات کا نقشہ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں، اس کا مورخ دو باتوں کی وجہ سے بڑے سخت امتحان میں ہے۔

پہلی بات اُن قصہ گویوں کا ادب ہے جو بصرہ اور کوفہ میں اس فتنے کی داستانیں کہا کرتے تھے، یہ لوگ اپنی طبیعت کے مطابق خیال آرائی کرتے اور عرب کے مختلف قبائل سے تعصب برتتے تھے اور غالباً وہ ان سے کچھ وصول بھی کیا کرتے تھے کہ ان کا ذکر اہمیت کے ساتھ کریں اور ان سے ایسے ایسے کارنامے وابستہ کر دیں جو ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ پھر ان کارناموں کے ساتھ اشعار کی بھی روایت کرنے جائیں چاہے وہ اشعار صحیح ہوں یا غلط طور پر منسوب کر دیئے گئے ہوں، یہی وجہ تھی کہ صفین اور جمل کے میدان میں سبھی شاعر بن گئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایسے واقعات بیان کئے گئے جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔

چنانچہ اس نوجوان کا واقعہ جس کو حضرت علیؓ نے یوم جمل میں بصرہ والوں کے لئے قرآن اٹھانے کا حکم دیا تھا، جو اپنے داہنے ہاتھ میں قرآن لیتا ہے اور جب وہ کٹ جاتا ہے تو بائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر جب وہ بھی کٹ جاتا ہے تو دانتوں سے ٹھونٹھوں سے قرآن اٹھالیتا ہے حتیٰ کہ قتل کر دیا جاتا ہے۔

ایک دوسرے آدمی کا واقعہ جو پچھاڑ کھا کر گرتا ہے اور اسے مہلک زخم آتا ہے، وہ نزع کی حالت میں ہے اور شعر پڑھتا ہے، جس میں کسی کی تعریف اور کسی کی مذمت ہوتی ہے۔ یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے واقعات اور اشعار جن میں تصنع بالکل نمایاں ہے۔

دوسری بات متکلمین اور اہل جدل کے مباحث ہیں اور وہ ذخیرہ جس میں احادیث اور روایات پیش کر کے ان کے مسلک اور خیال کی تائید کی گئی ہے، یہ بات اس لئے اور بھی مشکل اور پیچیدہ ہے کہ اس کا تعلق دین سے ہے، فرقوں کے باہمی جدال اور اختلاف کو قدماء نے کبھی دنیوی حیثیت نہیں دی بلکہ انھوں نے اس کو دین کا اصولی مسئلہ تصور کیا یا اصول سے متفرع ہونے والی کوئی بات ایسی حالت میں مناظرہ کرنے والوں کے بہت آسان تھا کہ اپنے حریف کو کافر، فاسق، زندیق اور ملحد کہہ دیں، اور احادیث وسیر میں سے جو کچھ خود صحیح خیال کرتے ہوں اس کے پیش نظر، نیز ایجاد بندہ کے طور پر جیسا چاہیں خطاب دے دیں۔

بہر حال بلاذری عثمانی اور علوی دور میں ابن سبا سے متعلق کوئی فتنے کی بات نہیں لکھتا، طبری اپنے راویوں سے لیکر اور بعد کے مورخین خود طبری سے لیکر ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ عہد عثمانی میں اور حضرت علیؓ کی خلافت کے پہلے سال ہی فتنے کے سلسلے میں کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کو بھول جاتے ہیں۔ محدثین ومتکلمین طبری اور اس کے راویوں کے ہم خیال ہیں لیکن طبری اور اس کے راویوں سے محدثین اور متکلمین کو جو بات الگ کر دیتی ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ ابن سودا اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ میں الوہیت تسلیم کر لی تھی اور یہ کہ حضرت علیؓ نے ان کو آگ سے جلا دیا، یہ بات اگر آپ کسی تاریخی کتاب میں تلاش کریں گے تو نہ پاسکیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ حضرت علیؓ کی مختصر مدت خلافت کے کس سال میں ان غلو کرنے والوں کا فتنہ ہوا، اسلام کے ابتدائی عہد میں تو کسی جماعت کو آگ سے جلا دینے کا واقعہ اور وہ بھی صحابہؓ اور متقی مسلمانوں کی موجودگی میں کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کا مورخین کوئی تذکرہ نہ کریں نہ اس کا وقت بتائیں اور نہ اس پر توجہ دیں۔

مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ وہی ہے جو بلاذری نے مختصراً بتایا ہے کہ کوفہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر دیا، مرتد ہو جانے والوں کے لئے اسلام کا کھلا ہوا حکم ہے کہ

کہ ان سے توبہ کرائی جائے۔ اگر کر لیں تو ان کا خون محفوظ ہے اور اگر نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو ان کے مرتد ہونے پر اور توبہ نہ کرنے پر قتل کر دیا ہو۔

ہر چند کہ بلاذری نے ان میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور نہ اس حادثے کا کوئی وقت معین بلکہ بلا وقت اور نام کے واقعہ لکھ دیا ہے جس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہمیں ابن سودا اور سبائیوں کو جن کا وجود صرف وہمی رہا ہو خواہ معمولی چھوڑ کر حضرت علیؓ کے پاس آنا چاہیئے جو کوفہ میں مقیم ہیں، اور حروراء چلنا چاہیئے، جہاں تنازعوں کا فیصلہ ہونے والا ہے ؛

خارجی

حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی اس ٹولی سے مطمئن نہ تھے جو جماعت کا ساتھ چھوڑ کر حروراء چلی گئی اور یہ ٹولی بھی بجائے خود اپنے مستقبل سے مطمئن نہ تھی اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ اس نے جنگ کا افسر شبث ابن ربعی تمیمی کو بنایا تھا جو چند دنوں کے بعد کوفہ واپس چلا آیا اور جماعت کا ساتھی ہوگیا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ یہ لوگ راہ پر آجائیں اور خود یہ لوگ بھی پُر اُمید تھے کہ ان کے اور قوم کے درمیان جو ایک مشکل حائل ہوگئی ہے، اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس وفد بنا کر اپنے آدمی بھیجتے تھے جو آپ سے گفت و شنید کرتے، بحث و مناظرہ کرتے اور دعوت دیتے کہ شامی دشمنوں کے ساتھ از سرِ نو جنگ جاری کردیں، حضرت علیؓ جواب میں فرماتے میں نے لڑائی سے گریز نہیں کیا بلکہ تمھیں لوگ اس سے بیزار ہوئے اور گھبرا گئے، اور یہ کہ معاویۃؓ اور ان کے ساتھیوں سے اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پاچکا ہے، ایسی حالت میں ہمیں عہد کا پاس رکھنا ضروری ہے وفد کے لوگ حضرت علیؓ کی باتیں سُن کر اپنی جماعتوں میں جاتے اور ان کو سناتے۔ لیکن اس کے بعد قوم اور زیادہ اصرار کے ساتھ قطع تعلق اور دشمنی پر زور دیتی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے پاس عبداللہ ابن عباسؓ کو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا، جن سے ان لوگوں کا وہ مناظرہ ہوا جو متکلمین میں زیادہ مشہور ہے، عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت کیا، امیرالمومنین کی کیا بات آپ لوگوں کو ناگوار ہے؟ انھوں نے جواب دیا ــ دو آدمیوں کا حکم تسلیم کرلینا۔ ابن عباس نے جواب میں کہا، اللہ نے خود شکار کرنے والوں کے سلسلے میں حالتِ احرام میں حَکَم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں جانوروں کو قتل نہ کرو اور جو شخص قصداً کرے گا تو اس کو اس جانور کے مساوی پاداش دینی ہوگی اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں، اب یہ پاداش خواہ چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ مساکین کو

لِیَذُوقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ۔

کفارہ دیا جائے اور خواہ روزہ رکھ لیا جائے تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کریگا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

اسی طرح زوجین میں جدائی کے خطرے پر دو حکم بنانے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔

اگر تم کو میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم ایک آدمی مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق کروا دیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے خود چھوٹے چھوٹے معاملات میں لوگوں کو حکم بنایا ہے تو پھر بڑے معاملات کی کیا بات ہے جن کا تعلق خون کی حفاظت یا قوم کے اجتماعی مسائل سے ہے۔

خارجیوں کی طرف سے اس کا جواب بالکل مسکت تھا۔ انھوں نے کہا۔ اللہ نے جن احکام میں فیصلہ کر دیا ہے اس میں تو مخالفت کی گنجائش نہیں، البتہ جس معاملہ میں اللہ نے غور و فکر کی اجازت دی ہے، اس میں لوگوں کے لئے جائز ہے کہ سوچیں اور اجتہاد کریں، مثلاً زانی، سارق اور خون کرنے والے کے متعلق اللہ کا حکم مقرر ہے اب خلیفہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ کے اس فیصلے کی مخالفت کرے یا اس میں کوئی تبدیلی کر دے۔ امیر معاویہؓ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اللہ کا حکم باغی جماعت والی آیت میں صاف ہے۔ پس حضرت علیؓ کو کوئی حق نہ تھا کہ اس میں کوئی تبدیلی کرتے، ان کا فرض یہی تھا کہ وہ باغیوں سے بدستور جنگ جاری رکھتے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے۔

ابن عباس کے ایک ساتھی صعصعہ ابن صوحان آگے بڑھے ان کو وعظ و نصیحت کی اور فتنے سے ڈرایا، تو کہا جاتا ہے کہ ان میں تقریباً دو ہزار آدمی ابن عباسؓ کے ساتھ کوفہ چلے آئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو روانہ کرتے وقت کہا تھا کہ جب تک میں نہ آجاؤں قوم سے بحث و مباحثہ نہ کرنا لیکن ابن عباسؓ نے جلد بازی سے کام لیا اور مناظرہ شروع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ پہنچے دیکھا کہ ابن عباسؓ مغلوب ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ آگے بڑھے اور بحث کر کے قوم کی صحیح رہنمائی کی۔

میں بھی یہی ٹھیک سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؑ نے ابتدا میں ابن عباسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجنا کافی خیال کیا لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ ان سے مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے تو آپ نے خارجیوں کو مطلع کیا کہ وہ اپنے بارہ آدمیوں کو مناظرے کے لئے نمائندے مقرر کریں میں بھی اتنے ہی آدمی لے کر آتا ہوں، چنانچہ حضرت علیؑ نکلے اور یزید ابن مالک ارحبی کی کٹیا تک پہنچے جن کی خارجی بہت عزت کرتے تھے اور وہاں کا چکر لگایا کرتے تھے، حضرت علیؑ نے کٹیا میں دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد آگے بڑھے اور بحث میں حصہ لیا، لوگوں نے ان کی دلیل سُنی جو بالکل واضح تھی جیسا کہ ہم بار بار پیش کر چکے ہیں، حضرت علیؑ نے جواب میں وہی کہا جو اکثر کہا کرتے تھے کہ انھوں نے خود جنگ سے گریز نہیں کیا اور نہ جنگ بند کرنے کی تحریک کی بلکہ آپ کے ساتھی جنگ سے بیزار ہوئے اور انھوں نے لڑائی بند کرنے پر مجبور کیا، اسی طرح حکم قبول کرنے پر بھی اُنھوں نے ہی مجبور کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں نے حضرت علیؑ کی بات مان لی کہ ساتھیوں کے مجبور کرنے سے آپ نے لڑائی ترک کر دی، لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ حکم قبول کرنے پر کس طرح ساتھیوں نے مجبور کیا، وہ اکیلے تو لڑ نہیں سکتے تھے اور اپنے ساتھیوں کی اقلیت کو ساتھ لے کر بھی جنگ نہیں کر سکتے تھے جبکہ اکثریت نے ساتھ چھوڑ دیا ہو، لیکن حضرت علیؑ ایسا تو کر سکتے تھے، معلوم نہیں کس طرح، کہ حکم والی تجویز سے انکار کر دیتے اس پر ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا، اس بات کا جواب دیتے ہوئے حضرت علیؑ نے کہا — میں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ میرے اس طرز عمل کی وجہ سے لوگ اللہ کے اس قول میں تاویل کریں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ	اے محمدؐ! کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (توراۃ) کا ایک کافی حصہ دیا گیا اور اسی کتاب کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہیں۔

اسی طرح شکار والی آیت اور زوجین میں جدائی والی آیت میں لوگوں کو تاویل کی ضرورت پڑے۔

تب خارجیوں نے کہا کہ قرارداد میں آپ کو امیر المومنین کیوں نہیں لکھا گیا۔ کیا آپ کو اپنی خلافت میں کچھ شک ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے صحیفے سے لفظ رسول اللہ مٹا دیا تھا، حالانکہ آپ کو نہ اپنی رسالت میں شک تھا نہ نبوت میں۔

پھر حضرت علیؓ نے حکمین کی طرف توجہ کی اور کہا، دونوں سے اس بات کا عہد لیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے، اب اُنھوں نے اپنے عہد کی پابندی کی تو بلاشک وہ فیصلہ ہے، لیکن اگر اُنھوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا تو ان کا فیصلہ فیصلہ نہیں ہے، اس وقت شامیوں سے جنگ کے سوا چارہ کار نہیں۔ حضرت علیؓ کے ان دلائل سے قوم بہت زیادہ متاثر ہوئی اور اس نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں حضرت علیؓ نے بھی محسوس کیا کہ بات بڑی حد تک نزدیک ہو چکی ہے اور زیادہ نزدیکی کے خیال سے آپ نے فرمایا، اپنے شہر چلے چلو، اللہ تم پر رحم کرے اس کے بعد سب کے سب آپ کے ساتھ کوفہ چلے آئے، واپس تو چلے آئے لیکن ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان کہنا چاہیئے کہ کچھ غلط فہمی باقی رہ گئی، حضرت علیؓ نے سمجھا کہ میں نے ان کو حکم قبول کرنے اور حکم کے فیصلے کا انتظار کرنے کے بارے میں مطمئن کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اب حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں اور یہ وقفہ توج کے لئے استراحت کا وقفہ ہے جس میں سواروں کو تازہ دم اور ہتھیار ٹھیک کر لینا ہے اور اس کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔

کوفہ میں وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہوا، اور غالباً کوفہ میں مقیم شامی جاسوسوں کے ذریعے یہ باتیں شام تک پہنچ گئیں، اس لئے کہ امیر معاویہ کا قاصد حضرت علیؓ کے پاس آیا کہ عہد و پیمان پر وفاداری کے ساتھ قائم رہیں، ایسا نہ ہو کہ بکر اور تمیم کے دیہاتی آپ کا رُخ پھیر دیں، حضرت علیؓ نے غلط بیان خارجیوں کی تردید کی؛ اور بتایا کہ وہ ثالثی کی تجویز پر قائم ہیں۔

اس کے بعد ابو موسیٰؓ کو فیصلے کے مقام پر اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ بھیجا، شریح ابن ہانی کو ان کا امیر بنایا۔ ابن عباسؓ کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا، اس کے بعد خارجیوں سے آپ کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ وہ خطبے کے دوران میں ہر طرف سے لا حکمَ الا للہ کہہ کر ٹوکتے تھے، حضرت یہ سن کر فرماتے:

کلمۃ حق ارید بھا	یعنی حق بات باطل مقصد کے لیے
الباطل	استعمال کی جا رہی ہے۔

بعض خارجیوں نے خطبے کے دوران میں یہ آیت پڑھ کر ٹوکا:

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ [۱]

---

[۱] اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔

حضرت علیؓ نے جواب میں دوسری آیت پڑھی :-

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ[1]

اس کے بعد بات بگڑتی ہی گئی یہاں تک کہ وہ بالکل الگ ہو گئے اور غیض و غضب میں آکر آپؑ کو اور معاویۃؓ کو بھی کافر کہہ دیا اور آپ کے پاس سے نکل کر لڑنے والے حریف بن گئے حضرت علیؓ نے فرمایا اگر وہ خاموش رہیں گے تو ہم ان سے درگذر کریں گے، اگر گفتگو کریں گے تو ان سے بحث کریں گے اور اگر فساد کریں گے تو اُن سے مقابلہ کریں گے۔

تھوڑے ہی دنوں بعد اُنھوں نے فساد کیا اور پھر جنگ ہوئی۔

---

[1] پس آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں۔

ثالثوں کا اجتماع

دونوں حَکَم دومتہ الجندل یا اَذرُح میں یا پہلے دومتہ الجندل میں پھر اَذرُح میں جمع ہوئے مقام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، بہر حال اکٹھا ہوئے، جہاں حضرت علیؓ کے چار سو ساتھی جن میں عبداللہ ابن عباس بھی تھے حاضر ہوئے، امیر معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے بھی چار سو آئے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے ساتھیوں میں موجود تھے یا ان سے بہت قریب تھے۔

فیصلہ کرنے والے ثالثوں نے ان حضرات کی ایک جماعت کو مدعو کیا تھا جو شروع سے فتنے کی باتوں سے کنارہ کش تھے، جس میں عبداللہ ابن عمرؓ تھے اور ان لوگوں کی ایک جماعت کو بھی مدعو کیا تھا، جو آخری دنوں میں فتنہ سے دور رہے اور صفین کے معرکے میں حاضر نہیں ہوئے، جیسے عبداللہ بن زبیرؓ انھوں نے سعد ابن ابی وقاصؓ کو بھی دعوت دی تھی، لیکن انھوں نے اپنے ایک بیٹے کے بے حد اصرار کے باوجود دعوت منظور نہیں کی، اسی طرح سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ بھی شرکت پر راضی نہیں ہوئے۔

اب ثالثوں نے اپنا کام شروع کیا، اُن دونوں کی باہمی گفتگو لوگوں کے روبرو نہیں ہوتی تھی، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو خلوت میں لے جاتا اور بات چیت کرتا۔ حیرت ہے کہ ثالث کافی قیام پذیر رہے، اور ان کی باہمی گفت وشنید کا سلسلہ بھی غیر معمولی رہا، لیکن مورخین اپنی روایتوں میں بہت مختصر کٹی کٹی باتیں کہتے ہیں اور وہ بھی بڑے اختلاف کے ساتھ جس میں جگہ جگہ تضاد ہے، اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قرارداد جو ثالثوں کو فیصلے کا مجاز بناتی ہے بالکل مبہم اور پیچیدہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثالث یہ احساس رکھتے تھے کہ انھیں لوگوں کے نقطۂ نظر پر بحث کرنی ہے، اور اس کے بعد ایک ایسا عادلانہ فیصلہ کرنا ہے جو کتاب اللہ کے احکام کے مناسب اور سنت جامعہ سے میل کھاتا ہو۔ چنانچہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے اور یہ کہ معاویہؓ ان کے خون کے ولی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں کہ قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کریں لیکن معاویہؓ کو یہ مطالبہ کس سے کرنا چاہیے؟ کیا حضرت علیؓ سے، حالانکہ معاویہ کا حضرت علیؓ پر یہ الزام ہے کہ وہ عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو جمع کرتے تھے اور بھڑکاتے تھے۔ تو کیا معاویہؓ

خود ہی قصاص لے لیں پھر تو جنگ ہو گی، اسی کو روکنے کے لئے مسلمانوں نے تحکیم یعنی ثالثی کی صورت نکالی ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ امام چنا جائے جس کو عام لوگوں کی رضا مندی حاصل ہو اور معاویہ اس سے مطالبہ کر سکیں کہ اللہ کا یہ حکم جاری کرے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُوراً۔

جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے پس اس کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرے کہ وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ عمرو بن عاص کی تجویز تھی کہ یہ امام خود معاویہؓ ہو، لیکن میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ عمرو بن عاص یہ تجویز کس طرح پیش کر سکتے تھے جب کہ خود انھیں کا کہنا ہے کہ معاویہؓ عثمانؓ کے ولی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ معاویہؓ خلیفہ ہو کر اللہ کے حکم کے اجرا کا مطالبہ خود اپنی ذات سے کریں اور پھر عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لے کر خود ہی منصف اور خود ہی مدعی بنیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر عمرو بن عاص کی یہ تجویز منظور ہو جاتی اور معاویہؓ امام ہو جاتے تو مظلوم خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ حضرت عثمانؓ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے اور خود ہٹ جاتے، لیکن معاویہ کی طاقت کا سرچشمہ تو یہی مظلوم خلیفہ کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہونا تھا، اگر وہ اس سے الگ ہو جائیں تو پھر لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ امام کیوں بنیں، اس وقت نبیؐ کے صحابہ میں جو لوگ زندہ تھے ان میں معاویہؓ سب سے برتر نہ تھے، متعدد صحابی تھے جو فضیلت میں اسلام کی طرف پہل کرنے میں اسلام کے لئے مصیبتیں برداشت کرنے میں اور نبیؐ سے قریب ہونے میں معاویہؓ سے بہت آگے تھے۔

سعد بن ابی وقاص تھے جو مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انھیں دس آدمیوں میں سے ایک سعید بن زید بن عمرو ابن نفیل بھی تھے، پھر عبداللہ ابن عمرؓ بھی تھے، بقول ابو موسیٰ کے اچھے باپ کے اچھے بیٹے۔

ان وجوہ کی بنا پر میں اسے بہت دور کی بات خیال کرتا ہوں کہ عمرو بن العاص نے معاویہؓ کو خلافت کے لئے پیش کیا ہو، واقعہ جو کچھ بھی رہا ہو، جن راویوں نے یہ تجویز بیان کی ہے، انھیں کی روایت یہ بھی ہے کہ ابو موسیٰؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور حضرت علیؓ کو معاویہؓ پر فضیلت دی کہ وہ سابق الاسلام ہیں اسلام کے لئے قربانیاں دی ہیں، پھر نبیؐ کی نگاہ میں ان کا ایک درجہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی طرح ابو موسیٰؓ نے بھی ان کے خلاف ایک تجویز پیش کی اور اچھے باپ کے اچھے بیٹے، عبداللہ ابن عمرؓ کا تذکرہ کیا اور اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ ان کا خلیفہ بنانا عمرؓ کے ذکر کو زندہ کرنا ہے

لیکن عمرو بن العاصؓ نے اس تجویز کو مسترد کردیا، اس لئے کہ عبداللہ اس بوجھ کے سنبھالنے کے اہل نہ تھے، نہ شاندار تھے نہ سخت گیر، نہ طاقتور، غالباً عمرو بن عاصؓ نے ابو موسیٰؓ کو اس کی یاد بھی دلائی ہوگی کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو مجلس شوریٰ میں حاضری کا موقع دیا، لیکن کسی اور بات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی اور یہ کہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے سب جانتے تھے، مشہور تھا کہ ان میں طلاق دیتے رہنے کی علت تھی۔

عراقی راویوں نے بڑے غلو سے کام لیا، ان کا خیال ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی اور تخلیہ میں اُن سے کہا کہ اگر آپ مصر میرے حوالے کریں تو میں آپ کے لئے خلافت پیش کرتا ہوں، تو عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے دین میں یہ پستی گوارا نہ کی اور رشوت دیکر خلافت لینے سے انکار کردیا۔

میرے خیال میں یہ عراقیوں کا غلو ہے جن کو عمرو بن العاصؓ سے دشمنی تھی اور حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں ثالث خلافت کے لئے کسی اُمیدوار پر متفق نہیں ہوسکے اور اسی لئے ابو موسیٰ کی کہنے یا عمرو بن العاصؓ کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ خلافت سے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کردیں اور اُمت کو پوری آزادی دے دیں کہ باہمی مشورے سے وہ جس کو چاہے خلیفہ چن لے، لیکن اس مشورے کا انھوں نے کوئی دستور العمل یا دستور العمل سے مشابہ کوئی نظام مرتب نہیں کیا اور اس بات کا اندازہ نہیں لگایا کہ بات جب سامنے آئے گی تو اُمت میں اختلاف پیدا ہوجائے گا۔ عراق کے لوگ حضرت علیؓ کی طرف جھکیں گے اور شام کے لوگ معاویہؓ کی طرفداری کریں گے اور باقی مسلمان جسکو چاہیں گے اس کی اتباع کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ حجاز والے کھڑے ہوجائیں اور سعد ابن ابی وقاصؓ کو یا سعید بن زیدؓ کو یا عبداللہ بن عمرؓ کو یا ان کے علاوہ مہاجر صحابہ میں سے کسی کو پسند کریں۔ ان باتوں کی طرف دونوں ثالثوں نے کچھ غور نہیں کیا اور نہ احتیاط برتی، بس اس نتیجے پر پہنچے کہ دونوں کو معزول کردیں اور اُمت کا اقتدار اُمت کو واپس کردیں۔

اب وہ خطرناک مشکل درپیش آتی ہے جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا، دونوں ثالث لوگوں کے سامنے آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر متفق ہوچکے ہیں جس میں مسلمانوں کے لئے امن اور چین ہے، اس کے دعمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ کو آگے کردیا کہ متفقہ بات کا اعلان کردیں، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ ابو موسیٰؓ کو ان کی عمر اور نبیؐ کی صحبت میں انکی سبقت کے پیش نظر ہر بات میں مقدم رکھتے تھے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عباسؓ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی سے ڈرے اور ابو موسیٰؓ کو اشارہ کیا کہ تم بعد میں کھڑے ہونا تاکہ عمرو بن العاص کے بعد تم کہہ سکو،

لیکن ابوموسیٰؓ نے ابن عباسؓ کی بات نہیں سُنی بلکہ کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد اعلان کیا کہ ہم دونوں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو معزول کر دینے پر متفق ہیں اور خلافت مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کرتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ معاملہ ہاتھ میں لیں اور خلافت کے لئے جسکو چاہیں انتخاب کریں۔
اس کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا انھوں نے اپنے ساتھی حضرت علیؓ کو معزول کیا اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں اور اپنے ساتھی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں، تب ابوموسیٰؓ نے کہا، یہ کیا، خدا تیرا بھلا نہ کرے تو نے بدعہدی کی اور جھوٹ کہا، تیری مثال کتّے کی ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی ہانپتا ہے اور درگذر کرو تب بھی۔ عمرو بن العاصؓ نے اس کے جواب میں کہا: آپ کی مثال گدھے کی سی ہے، جس پر کتابیں لادی ہیں۔
اب قوم میں بڑا ہیجان پیدا ہوا، حضرت علیؓ کے حامیوں کے رئیس ابوالولید شریح ابن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر اور عمرو بن العاصؓ کے لڑکے محمد نے شریح پر کوڑے برسائے، یہ لوگ دونوں کے درمیان حائل ہو گئے ابوموسیٰؓ نکلے اور سواری پر چڑھ کر مکہ کی طرف چل پڑے اور شامی معاویہؓ کے پاس خلافت کی مبارکباد دینے آئے۔ اگر مورخین کا یہ متفقہ بیان ٹھیک ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے کھلا ہوا فریب کیا، ابوموسیٰ کے ساتھ دونوں کو معزول کرنے پر اتفاق کیا اور اس کے بعد ایک ہی کو معزول کیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انھوں نے قرارداد میں جو عہد و پیمان کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی، بس ان کا اور ان کے ساتھی کا فیصلہ ساقط ہو گیا۔
قوم بلا کسی نتیجے پر پہنچے منتشر ہو گئی گویا وہ جمع ہی نہیں ہوئی تھی اور معاویہؓ اس میں ہر طرح کامیاب رہے، ان کے ساتھیوں کے سر سے لڑائی کی مصیبت ٹلی، خود ان کو یہ موقع ملا کہ اپنے آدمیوں کو دم لینے دیں اور اپنے معاملے کے لئے بڑی شان و شوکت اور بڑی قوت کے ساتھ تیاری کریں، پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کو پھوٹ اور باہمی اختلاف کا شکار بنا دیا، اور مجبور کر دیا کہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کے لئے خطرہ بن جائیں۔
بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی چالبازی مکاری کی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ انھوں نے ابوموسیٰؓ کی طرح دونوں کو معزول کرنے پر اکتفا کیا اور دونوں کو مساوی درجہ دیا اور یہ بھی بڑی کامیابی تھی۔
لیکن یہ شاذ روایت صحیح نہیں، اگر عمرو بن العاصؓ وہی کہتے جو ابوموسیٰؓ نے کہا کہ دونوں کو معزول کرتے ہیں تو شامی امیر معاویہؓ کو مبارکباد کیوں دیتے، اور عمرو بن العاصؓ خود مبارکباد دینے والوں میں

نے تھے، نیز بہت سے عراقی معزولی کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت منظور نہیں کرتے جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ ثالثوں کی بات تسلیم کریں گے، پھر مکہ اور مدینہ میں طبعی طور پر سخت اضطراب و انتشار پیدا ہوتا یہاں کے لوگوں نے عہد کیا تھا کہ حکم اگر انصاف سے کام لیں گے تو وہ اُن کے حکم پر عمل کریں گے اور جب بے انصافی نہیں ہوئی تو کیوں انھوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور جاہلیت کی چال چلنے لگے، پھر وہ تمام صحابہؓ جو کنارہ کش تھے اور جنھوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کرلی تھی کس طرح اس بدعہدی پر راضی ہوگئے۔

اس روایت کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا کہ پوری اُمت خود غرض تھی، نفس پرور تھی اور احکامِ خداوندی کی مخالف۔ اللہ کا حکم ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝	اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو اپنے ذمے کرلو اور قسموں کو ان کے مضبوط کر لینے کے بعد مت توڑو، اور تم اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو جبکہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہو، اور تم اس عورت کے مشابہ مت ہو جس نے اپنا سوت کاتا، پھر توڑ ڈالا کہ اس طرح تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ پس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن اس کو واضح کردے گا۔

یہ تو کوئی معقول بات نہیں کہ پوری قوم بدعہدی پر متحد تھی، ہدایت کی جگہ گمراہی اور وفاداری کی جگہ غداری کو پسند کرتی تھی۔ البتہ ہوا یہ کہ دونوں میں سے ایک ثالث یعنی عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی ابو موسیٰ کو دھوکا دیا۔ ابو موسیٰؓ کچھ سادہ نہ تھے جیسا کہ مورخوں نے لکھا ہے، اگر وہ ایسے ہوتے تو حضرت عمرؓ ان کو صوبوں کی گورنری کے لئے پسند نہ فرماتے، اور کوفے والے عہد عثمانی میں فتنے کی شدت کے دوران میں اپنے شہر کے لئے ان کا والی ہونا پسند کرتے۔ البتہ وہ متقی، پرہیزگار، نرم دل اور خلیق تھے اور خیال کرتے تھے کہ مسلمان اور خصوصاً وہ مسلمان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف رکھتے ہیں، اپنے نفس اور اپنے دین کے معاملے میں اس سے بلند و بالا ہیں کہ بدعہدی کی

پستی تک اُتر آئیں۔ عمرو ابن العاصؓ نے ان کے خیال کو غلط ثابت کر دیا، اس سے زیادہ کوئی اور بات نہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوموسیٰؓ اپنا دین لئے مکہ چلے آئے اور وہیں گوشہ نشین ہو گئے اور اس کا ہمیشہ افسوس کرتے رہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ کی بات نہیں مانی، اس کے بعد عراقیوں کا وفد حضرت علیؑ کے پاس آیا اور جو کچھ ہوا تھا اس کی رپورٹ دی، خبر تو شاید پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اس لئے حضرت علیؑ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی، گویا جو کچھ ہوا اُن کی توقع کے مطابق تھا، البتہ ان کو یاد آ گئی کہ میں نے صفین میں جب قرآن اٹھایا جا رہا تھا تو قوم کو روکا تھا اور کہا تھا کہ یہ لوگ قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں۔

کوفہ کے اچھے آدمیوں کو اور حضرت علیؑ کے حامیوں کو اس بدعہدی پر بہت غصہ آیا اور وہ پھر جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اور مکاروں نے جو دنیا کے طالب تھے، مکر و فریب کی بات دل میں رکھی اور ظاہر ایسا کیا کہ وہ بھی اوروں کی طرح لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں لیکن خارجی درمیان میں حائل ہو گئے اور حضرت علیؑ اپنے حامیوں کے ساتھ شام پر حملہ نہ کر سکے۔

علیؓ اور خوارج

بلاذری کی روایت کے مطابق ثالثوں کا فیصلہ آجانے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا، ہر چند کہ زمانہ ایک بڑی مصیبت اور بڑا حادثہ لیکر آیا ہے، لیکن میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ امّا بعد ایک مخلص خیر خواہ کی نافرمانی حسرت اور ندامت کا باعث بنتی ہے۔ میں نے تم کو ان دونوں آدمیوں کے متعلق اور ثالثی کے متعلق اپنی رائے بڑی باریک بینی سے بتا دی تھی، کاش قصیرہ کی رائے مان لی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا۔ لیکن تم کو تو اپنے ارادے پر اصرار تھا، اب تمہاری اور میری حالت ہوازن کے بھائی درید ابن صمہ کے شعر جیسی ہے ؎

امرتھم امری بمنعرج اللوی	میں نے منعرج اللوی کے مقام پر متنبہ کر دیا تھا
فلم یستبینوا الرشد الا ضحی الغد	لیکن یاروں کو ہوش دن چڑھے آیا۔

سن لو جن ثالثوں کو تم نے پسند کیا، انھوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی طرف سے باتیں بنائیں اور اس طرح قرآن نے جس کو زندگی دی تھی اس کو مار ڈالا، اور جس کو قرآن نے مار ڈالا تھا اسکو زندہ کیا، دونوں نے اپنے فیصلے میں خیانت سے کام لیا، اس سے نہ ضرورت پوری ہوتی ہے اور نہ کوئی رہنمائی ملتی ہے، پس اس فیصلے سے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا دامن علیحدہ ہے، اس لئے تم جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور چلنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو، اور دو شنبہ کے دن لشکر میں پہنچ جاؤ۔

چنانچہ امام کے مقررہ وقت پر لوگ اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے بصرہ والوں کو لکھا تھا وہاں سے بھی ایک مستعد فوج آگئی، اس مرتبہ ابن عباسؓ نہیں آئے اور حضرت علیؓ کے پاس صرف فوج بھیج دینے پر اکتفا کیا، اور حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کو لیکر شام کے ارادے سے نکل پڑے، لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ان کو ایسی خبریں ملیں جن سے ان کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا، ان خبروں کا تعلق خارجیوں سے تھا۔ خارجی جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت علیؓ کے ساتھ واپس چلے آئے تھے، انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت علیؓ میدان سے ہٹ گئے، پھر انھوں نے دیکھا کہ وہ آ اپنی ہی راہ چل رہے ہیں تو لاحکم الا اللہ کا

ا؎ نصیر نامی شخص نے جذیمہ ابرش کو مشورہ دیا، جس نے اس کے مشورہ کا کچھ خیال نہیں کیا بالآخر مارا گیا۔

نعرہ بلند کیا اور چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر کوفہ سے باہر نکلنے لگے، کچھ تو چھپ چھپا کر اور کچھ کھلے بندوں بلا کسی جھجک کے، انھوں نے بصرہ کے اپنے بھائیوں کو بھی لکھا، اور وہاں سے کچھ راستے میں ان سے مل گئے، اور سب کے سب نے نہروان کا رخ کیا۔

حضرت علیؓ یہ سب کچھ جانتے تھے، اور جب لاحکم الا للہ کا نعرہ سنتے یا اس کے متعلق کوئی گفتگو کرتا تو فرمایا کرتے کہ یہ ایک کلمۂ حق ہے جس کا رُخ باطل کی طرف کر دیا گیا ہے، اسی طرح خارجیوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ہم ان کو غنیمت سے نہیں روکیں گے، نہ ان کو پریشان کریں گے، نہ ان کے لئے لڑائی چاہیں گے جب تک وہ کوئی اقدام نہ کریں، یا زمین پر فساد نہ پھیلائیں، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ چپ رہیں گے تو ہم ان سے چشم پوشی کریں گے، اور اگر وہ گفتگو کریں گے تو ہم ان سے بحث کریں گے، اور اگر وہ فساد پھیلائیں گے تو ہم اُن سے مقابلہ کریں گے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو خط لکھا کہ دونوں ثالث کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اب وہ شام کی جنگ کے لیے علیؓ کے حامیوں کے ساتھ آئیں، لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا، اور کہا ہم نے قضیہ سے پہلے آپ کو اس کی دعوت دی تھی اُس وقت آپ نے انکار کر دیا، اور اب تو ہم آپ کا ساتھ نہ دیں گے، آپ اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے لڑ رہے ہیں، آپ کا خیال تھا کہ رسول اللہؐ سے آپ کی رشتہ داری لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر دے گی کہ وہ آپ کو سب سے زیادہ ممتاز سمجھیں لیکن جب آپ نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے رُخ پھیر لیا تو اب دنیا حاصل کرنے کے لئے ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں پس ہمارا آپ سے اور اس دنیا سے جو آپ کو مطلوب ہے کوئی تعلق نہیں، اِلاّ یہ کہ آپ پہلے اپنے کو کافر کہئے پھر توبہ کیجئے جس طرح کہ ہم نے توبہ کی، اگر یہ آپ کو منظور ہے تو ہم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کے ساتھ ہیں، ورنہ ہمارے آپ کے درمیان تلوار ہے۔

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کو پریشان کرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ شام پہنچنے کی دُھن میں لگے رہے اور ان کے متعلق فرمایا کہ شاید وہ اپنے معاملات پر غور کریں اور سیدھی راہ پر آجائیں، لیکن حضرت علیؓ تک یہ اطلاعات پہنچیں کہ ان لوگوں نے فساد مچا رکھا ہے، اُنھوں نے عبداللہ ابن خباب کو قتل کر دیا ہے، خباب کا شمار ممتاز صحابہؓ میں ہے، اور چند عورتوں کو بھی قتل کر دیا ہے جو عبداللہ کے ساتھ تھیں، اور یہ کہ وہ لوگوں کو چھیڑتے ہیں اور ان میں دہشت پھیلاتے ہیں، تب حضرت علیؓ نے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ ان سے اس فساد کی باز پرس کرے، اور مطالبہ کرے کہ جن لوگوں نے ناحق خون کیا ہے ان کو اس کے حوالے کریں، لیکن قاصد کے پہنچتے ہی اس کو بھی قتل کر دیا، جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو آپ کے ساتھیوں نے

یہ بات پسند نہیں کی کہ خود تو شام کی طرف روانہ ہوں اور اپنے پیچھے خوارج کو آزاد چھوڑ جائیں کہ وہ فساد پھیلاتے رہیں اور ان کے اہل و عیال اور مال و متاع کو مباح بنائے رہیں، پس اُنھوں نے حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ وہ خوارج پر حملہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اور جب ان سے فراغت پالیں تو شامی دشمنوں کی طرف توجہ کریں اور اس طرح لڑیں کہ ان کو اپنے گھر بار کی طرف سے اطمینان رہے۔

حضرت علیؓ نے اُن کی یہ بات مان لی اور ان کے ساتھ نہروان کی طرف روانہ ہوئے اور جب ان سے مقابلہ ہوا تو مطالبہ کیا کہ وہ عبداللہ ابن خباب اور ان کے ساتھیوں نیز اپنے قاصد کے قاتلوں کو حوالے کردیں، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم سب کے سب قاتل ہیں، حضرت علیؓ نے خط و کتابت کرکے اور کبھی ان میں پہنچ کر وعظ و نصیحت کی جس کا اثر اچھا ہوا، اور بہت سے خارجی چوری چھپے کوفہ واپس آگئے اور ان کی بہت سی جماعتیں فوج سے کنارہ کش ہوگئیں اور کسی جماعت سے وابستہ نہیں رہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رئیس الخوارج عبداللہ ابن وہب راسبی کے گرد و پیش صرف تین ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی رہ گئے، حضرت علیؓ جب ان سے مایوس ہوگئے تو فوج کو حکم دیدیا لیکن پھر بھی ہدایت کردی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پہل نہ کریں، خارجیوں نے یہ دیکھ کر اپنی بھی تیاری کی اور ایک دن دوپہر کے وقت جنگ کے میدان میں اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کوئی پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ان کے منادی نے بلند آواز سے کہا "ہے کوئی جنت میں جانے والا؟" جس کا جواب سب کے سب نے چلاکر دیا۔ ہم سب جنت کے جانیوالے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی فوج پر ایسی شدت کا حملہ کیا کہ اس کے سوار دو جماعتوں میں منقسم ہوگئے، ایک جماعت میمنہ کی طرف چلی گئی اور دوسری میسرہ کی طرف اور خارجی دونوں جماعتوں کے بیچ میں پڑگئے، حضرت علیؓ کے تیراندازوں نے تیروں سے ان کا ڈھیر کردیا اور تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہوگیا اور میمنہ اور میسرہ کے سوار پھر ایک ہوگئے ایک خارجی بھی بچ نہ سکا، انھیں مقتولوں میں ان کا سردار عبداللہ ابن وہب راسبی بھی تھا، اور وہ جماعت بھی جو ثالثی سے پہلے حضرت علیؓ کی سب سے زیادہ مخلص تھی اور ان کی راہ میں جہاد کرتی تھی اس لئے کہ وہ آپ کی راہ کو اللہ کی راہ خیال کرتی تھی۔

حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ آپ کچھ پریشان سے ہیں اور اپنے قریب کے لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ ذالثدیۃ (چھاتی والے) کو تلاش کرو ایک پیدائشی طور پر ناقص ہاتھ والا جس کے بازو پر عورت کے سینے کی طرح اُبھار تھا اور اس اُبھار پر چند سیاہ بال تھے۔ لوگ مقتولوں میں پچھاڑ کھاکر گرنے والوں میں تلاش کرنے میں اور واپس آکر کہتے ہیں کہ تلاش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے اور فرماتے ہیں سنو! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا، دیکھو تلاش کرو وہ آدمی مقتولوں میں ہے

اتنے میں ایک آنے والا آتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ وہ مل گیا، یہ سنتے ہی حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی سجدے میں گر جاتے ہیں، اس کے بعد آپ سر اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں، واللہ نہ میں جھوٹا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے، تم نے بدترین انسان کو قتل کیا ہے۔

مورخین، محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ ناقص ہاتھوں اور چھاتی والا آدمی وہی ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "اے محمدؐ! انصاف کرو، تم نے انصاف نہیں کیا، جب حنین کے موقع پر آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور جس میں بعض عربوں کی دلجوئی کی تھی، اس کے کہنے پر آپ نے ایک مرتبہ دو مرتبہ کچھ خیال نہیں کیا، لیکن جب اس نے تیسری بار کہا تو آپ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار نمودار ہوگئے، اور فرمایا "میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا"۔

اس وقت بعض مسلمانوں نے چاہا کہ اس کا کام تمام کر دیں، لیکن آپ نے ان کو روکا، محدثین اور مورخین روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، اس شخص کی اصل سے ایک قوم نکلے گی جس سے دین اس طرح دور ہو جائے گا جیسے کمان سے تیر دور ہو جاتا ہے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

اب حضرت علیؑ خوارج کی لڑائی سے فرصت پا گئے اور سبھوں کو قتل کر دیا بجز ان کے جو چھپ چھپا کر کوفہ چلے آئے تھے یا جو جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے، حضرت علیؑ کو اس کامیابی کی بڑی خوشی تھی اور خصوصاً ذوالثدیۃ اس حشریہ آپ کا بڑا بیکا ساتھی تھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے زیادہ حریص، حضرت علیؑ کو جس بات کی بڑی خوشی تھی وہ یہ کہ اب ان کے خیال کے مطابق ان کو اس سے ہوئے دشمن سے فرصت مل جو ان کی فوج کے لئے خطرہ تھا اور عراق میں وہ جانے والے مال و عیال کے لئے پریشانی اور پراگندگی کا باعث جو پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا، اور واپسی میں عراق کا راستہ بھی روک سکتا تھا۔

حضرت علیؑ نے خیال کیا کہ تمام معاملات ٹھیک ہو گئے، اب ان کو اپنی اس فاتح فوج کو شامی دشمنوں پر حملہ آور کر دینا ہے، لیکن ایک بات جس کی طرف حضرت علیؑ نے توجہ نہیں کی اور کسی کو ان دنوں اس کا خیال نہ آیا کہ یہ تین ہزار آدمی جن کا صفایا ہو گیا یہ زیادہ تر عراق ہی کے تھے اور کچھ تھوڑے سے بصرہ کے، اور ان میں ہر ایک کا تعلق انھیں دونوں شہروں کے کسی خاندان سے تھا۔

حضرت علیؑ کی جس فوج نے ان کو قتل کیا تھا ان میں انھیں کے قبیلے کے لوگ تھے، چنانچہ عدی بن حاتم مثلاً حضرت علیؑ کے ساتھ نہروان میں تھے اور ان کا لڑکا زید ان خارجیوں کے ساتھ تھا جو قتل کر دیا گیا، اسی طرح کتنے ہی چچازاد بھائی تھے جو اس دن باہم ایک دوسرے کے مقابل تھے، اس قتل و خونریزی

کے ان اسباب کے متعلق آپ کا جو جی چاہے کہہ لیجئے جو طرفین کو ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ کر دینے کے باعث بنے، لیکن یہ سب کے سب مخلص تھے جس بات کو حق جانتے تھے اس کی مدافعت اخلاص کے ساتھ کرتے تھے اور بلا شبہ یہ سب کچھ ان سے ایک سچے دینی شعور کے ماتحت صادر ہو رہا تھا، پھر بھی وہ سب کے سب بہر حال انسان تھے، ان کے دلوں میں رنج و تلخی کی وہ سب کیفیتیں تھیں جو ایک انسان کے دل میں بیٹے بھائی یا دوست کے قتل ہو جانے سے پیدا ہو جاتی ہیں، وہ اپنے دلوں میں غصے اور کینے کے سارے جذبات پاتے تھے جو کسی عرب کے دل میں بیٹے بھائی یا دوست کے قتل کئے جانے پر موجزن ہو جاتے ہیں۔ پس وہ عہدِ جاہلیت کے ایک بہادر شاعر کی طرح محسوس کرتے ہیں، جو کہتا ہے:

فان لك قد بردت بهم غليلى	ان کو مار کر میں اپنی پیاس تو بجھا سکا لیکن یہ تو میں
فلم اقطع بهم الا يناني	نے اپنی ہی انگلیاں کاٹ لیں۔

اور جیسا کہ ایک دوسرے جاہلی شاعر نے محسوس کیا ہے

قومى هم قتلوا اميم اخى	میرے بھائی کو تو میری قوم نے مارا ہے، اے امم
فاذا رميت اصابنى سهمى	اب اگر میں ان پر تیر چلاؤں تو مجھ کو ہی نشانہ بنائے گا
فلئن عفوت لاعفون جاللا	معاف کر دوں تو بڑی بات ہوگی اور اگر حملہ کروں
ولئن سطوت لاوهنن عظمى	تو اپنی ہڈی توڑوں گا۔

اور جس طرح خود حضرت علیؑ طرفین کے مقتولین کو معرکۂ جمل کے موقع پر دیکھ کر احساس فرماتے تھے اور کہتے تھے ؎

اشکوالیك عجرى و بجرى شفيت نفسى وقتلت معشرى

بصرہ والوں پر فتح پا کر کوفہ والے اپنے غم میں بھی خوش تھے اور اس فتح نے ان کو صفین تک پہنچنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا، لیکن آج نہروان کے معرکے میں تو کوفہ والوں نے خود کوفہ والوں کو قتل کیا ہے بصرہ والوں نے خود بصرہ والوں کی جان لی ہے، ایسی حالت میں حیرت نہ ہونی چاہیئے، اگر دلوں پر رنج و ملال چھا جائے اور غم والم اس طرح گھیرے کہ خیریت نظر نہ آئے اور حیرت نہ ہونی چاہیئے کہ اگر علیؑ اس حالت میں شام پر چڑھائی کا حکم دیں تو سردارانِ قوم جس میں مخلص بھی تھے اور مکار بھی یہ جواب دیں کہ اب تو ترکش کے سارے تیر ختم ہو چکے، تلواریں ٹوٹ چکیں، نیزے نکمے ہو چکے، اب ہم کو اپنے شہر جانے دیجئے تاکہ کچھ آرام کر لیں اور اپنے ہتھیار درست کر لیں، اس کے بعد آپ کے ساتھ ہم دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے۔

پھر جیسے ہی حضرت علیؓ ان کو کوفہ کے باہر نخیلہ کے پڑاؤ پر لے کر آئے اور حکم دیا کہ پڑاؤ نہ چھوڑیں اور شہر میں داخل نہ ہوں تاکہ وہ حالات پر غور کریں، لیکن وہ چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار ایک ساتھ نکل بھاگے، یہاں تک کہ پڑاؤ میں بہت تھوڑے رہ گئے، جن سے کوئی بات بن نہیں سکتی تھی، پھر تو حضرت علیؓ خود کوفہ چلے آنے پر مجبور ہوئے تاکہ جنگ کی تیاری پر از سر نو غور کریں۔

امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت علیؓ شام پر حملہ آور ہوں گے، چنانچہ وہ اپنے آدمی لے کر صفین تک آچکے تھے، لیکن حضرت علیؓ نہیں آئے، اس کے بعد جب ان کو معلوم ہوا کہ خوارج کا معاملہ ہے اور حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے ہیں اور ان کے ساتھی ابھی لڑائی میں تعاون کے لئے تیار نہیں ہیں تو وہ خوش خوش بلا زحمت اٹھائے دمشق واپس آگئے۔

علیؓ اور حامیانِ علیؓ

حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو جیسا کہ سرداروں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا، یہ موقع دیا کہ کچھ دنوں آرام کرلیں اور پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، پھر جب آپ نے اندازہ کر لیا کہ آرام کا وقفہ پورا ہو گیا تو اُن کو جنگ کے لئے نکلنے کی دعوت دی، اُبھارا اور جہاد پر آمادہ کیا، لیکن ساتھیوں نے سُنا اور کچھ نہیں کیا، آپ نے مزید مہلت دی، اس کے بعد اپنے ساتھیوں کی نصرت سے مایوس ہو کر خطبہ دیا اور کہا۔ "اللہ کے بندو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم کو اللہ کے راستے میں جہاد کا حکم دیا جاتا ہے تو گرانبار ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر رضامند ہو چکے ہو، کیا تم عزت اور شرافت کے بدلے ذلت اور خواری اپنا اخلاق بنا چکے ہو، جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تمھاری آنکھیں سروں میں چکر کھانے لگتی ہیں، گویا تم موت کی طرف سے مدہوشی میں ہو اور تمھارے دل سخت ہو چکے ہیں، پس تم امن کے زمانے میں جنگل کے شیر ہو، لیکن جب بہادری کے لئے پکارے جاتے ہو تو مکار لومڑیاں بن جاتے ہو! تمھاری سرحدیں کم کی جارہی ہیں لیکن تم ذرا چونکتے نہیں، تمھاری وجہ سے دشمنوں کی نیند حرام ہے اور خود تم خوابِ غفلت میں ہو، مجھ پر تمھارے کچھ حقوق ہیں، جب تک تم مخلص ہو، میری دعائیں اور نیک خواہشیں اور غنیمت کا اضافہ تمھارے لئے ہے اور یہ کہ میں تمھیں تعلیم دوں اور ادب سکھاؤں تاکہ نادانی نہ کرو اور سکھائے نہ جاؤ۔ اب رہا میرا حق تم پر تو وہ یہ کہ بیعت پر وفاداری کے ساتھ قائم رہو حاضری اور غیر حاضری میں میرے مخلص اور ہمدرد رہو، جب میں آواز دوں جواب دو، جب حکم کروں تعمیل کرو۔"

لیکن یہ تقریر صرف اُن کے کانوں تک پہنچی دلوں میں نہ اُتر سکی، چنانچہ وہ سن کر چلے آئے اور کچھ نہیں کیا، نہ لڑائی کی تیاری کی نہ لڑائی کے لئے نکلے، نکلنے کی بات تو الگ رہی لڑائی کی خواہش کا بھی اظہار نہیں کیا، اپنے شہر میں مقیم رہے اور اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی کے کاموں میں لگے رہے گویا انھوں نے تمام پر حملے کا کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا اور نہ حضرت علیؓ سے لڑائی کی مکمل اور مضبوط تیاری کیلئے شہر میں آنے کی اجازت چاہی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس بدلی ہوئی کیفیت کے مختلف اسباب تھے۔

نہروان کے معرکے میں ناکتیں کے قتل اور کینہ گی کا ذکر کر کے اور یہ بتا کر کہ فتح پانے والوں کے

دلوں میں رنج وغم کے گہرے جذبات اس لئے تھے کہ اس دن دوست اور دشمن بھی قتل ہوئے اور یہ دوست دشمن باہم ایک دوسرے کے عزیز اور رشتہ دار تھے، ہم نے اس حالت کے بعض اسباب کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اب اگر ہم اس سلسلے میں اس حقیقت کا اضافہ کرلیں کہ حضرت علیؑ جیسے خلیفہ ہوئے اپنے ساتھی مسلمانوں کو اسی قسم کی شدید ہولناک لڑائیوں پر بھیجتے رہے، جن سے قرابت کے رشتے ٹوٹتے رہے باہمی تعلقات میں کمزوری اور میل جول میں خرابی پیدا ہوتی رہی، باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے، دوست دوست سے اور سرپرست سرپرست سے لڑتا رہا، تو معلوم ہوگا کہ عراق کے لوگ معذور تھے، اگر وہ اکتا چکے تھے اور ان میں ایسے معرکوں سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی، جن کا انجام حسرت وغم کے سوا کچھ نہ ہو۔ امام پر بھی اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں اور نہ کسی کو معترض ہونا چاہیئے، وہ اس بات کا پکا اور سچا ایمان رکھتے تھے کہ مسلمان پر خواہ کیسی ہی مصیبت آئے اور کیسی ہی کوشش کرنی پڑے لیکن ان کا فرض ہے کہ حق بات کے لئے خلیفہ کی مدد کریں، آپ کے ساتھیوں کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا، وہ اس کو دین و ایمان سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جمل کے معرکے میں اپنی جانیں پیش کر دیں اور صفین میں بھی یہی کیا، اور ایک بار پھر پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور اس کے لئے تیار ہو کر گئے تھے۔

لیکن مجبوراً نہروان جانا پڑا، کہ پہلے پیچھے سے ہونے والے حملے کا انتظام اور اپنے بال بچوں اور مال ومتاع کی حفاظت کا سامان کرلیں، لیکن نہروان پہنچ کر صرف بربادی ہاتھ آئی، بڑی خونریزی ہوئی، غم پر غموں کا اور حسرت پر حسرتوں کا اضافہ ہوگا۔ وہ تو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے سے، یہ جانتے تھے کہ فوجیں، فتوحات کی غرض، اور اسلام کا اقتدار بڑھانے کے لئے ہیں اور غیر مسلم دشمنوں سے مقابلے کے لئے تیار کی جاتی ہیں، لیکن وہ ہیں کہ بار بار خود مسلمانوں سے جنگ میں مبتلا کئے جارہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے خرابی اور تباہی کے کچھ نہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو چکا، حکومت کا اقتدار سرحدوں پر اضطراب کی حالت میں ہے، رومیوں کا یہ حوصلہ کہ وہ شام پر حملے کا ارادہ کر رہے ہیں، مشرقی سرحدوں کی یہ کیفیت کہ حضرت علیؑ کے گورنر پریشان ہیں اور انتہائی کاوش کے بعد حالات قابو میں آتے ہیں۔

پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نبیؐ کے ممتاز صحابہ کی ایک جماعت فتنہ اور لڑائی سے الگ ہے اور اہل قبلہ سے مقابلہ ناپسند کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ اس قوم سے برسرپیکار رہے جو لا الٰہ الا اللہ کہتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی تلوار توڑ دی اس لئے کہ مسلمانوں کی تلوار دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہے نہ کہ دوستوں سے جنگ کے لئے۔

پھر ہر شخص اپنے یقین اور ایمان میں حضرت علیؓ کی سی قوت، ارادے میں ان کی سی پختگی، رائے میں ان کے جیسا خلوص نہیں رکھتا تھا، اس لئے حیرت نہ ہونی چاہیئے، اگر یہ تمام باتیں لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح بیٹھ گئی ہوں کہ وہ پوری طرح مغموم اور مشکوک ہو گئے ہوں، ان کے دلوں میں ایک گہری مبہم ندامت نے گھر کر لیا ہو جس نے آپ کے ساتھیوں کو حیرت زدہ بنا دیا ہو اور جس سے ان کی تیزی ختم اور ان کی ہمتیں پست ہو گئی ہوں۔

مزید برآں حضرت علیؓ کے ساتھی عراق میں امن و صلح کی حالت میں پُر امید راحت اور پُر فریب سکون محسوس کرتے تھے، چنانچہ وہ اپنے شہروں میں مقیم لڑائی سے دُور گھر بیٹھے مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ پاتے تھے، پھر حضرت علیؓ نے اس سلسلے میں ان میں ایک اور طریقہ جاری کر دیا تھا جس سے وہ پہلے سے آشنا نہ تھے، عہد فاروقی میں حضرت علیؓ نے چاہا تھا کہ حضرت عمرؓ یہ طریقہ جاری کریں لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، اب جبکہ اقتدار اپنے ہاتھ میں آیا تو طبعی بات تھی کہ حضرت علیؓ اس کو جاری کرتے، جب سرحدوں سے بڑی مقدار میں مال آنے لگا تو حضرت عمرؓ نے مشورہ چاہا تھا، حضرت علیؓ نے اس وقت یہ رائے دی تھی کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہو سب کا سب لوگوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ کچھ باقی نہ رہ جائے، حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اُن لوگوں کی بات مانی جنھوں نے مشورہ دیا تھا کہ ایک رجسٹر تیار کیا جائے اور لوگوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جائیں۔

پھر جب معاملہ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آیا تو مال کے آتے ہی لوگوں میں اس کی تقسیم کرنے لگے البتہ مصالح عامہ کے لئے خرچ بچا لیتے، حضرت علیؓ کو بیت المال میں کچھ رقم رکھنے سے زیادہ کوئی بات ناپسند نہ تھی، وہ یہ بڑے حرج کی بات تصور کرتے تھے، یہاں تک روایت کی جاتی ہے کہ آپ کو یہ بہت پسند تھا کہ بار بار حکم دیں کہ بیت المال کو جھاڑو دے دی جائے، پھر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے، اس کے بعد آپ اس میں داخل ہوں اور دو رکعت نماز پڑھیں، آپ کو یہ منظور نہ تھا کہ ایک موت آ جائے اور بیت المال میں کچھ بچا رہ جائے جو حق داروں تک نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ بیت المال میں جب کچھ از قسم منقولات آ جاتا تو چاہے تھوڑا ہوتا چاہے بہت، آپ اس کو تقسیم فرما دیتے۔ اسی طرح شہد اور تیل اور اس قسم کی چیزیں بھی تقسیم کرتے۔ ایک مرتبہ تو سوئی اور دھاگہ بھی آپ نے لوگوں میں تقسیم کیا۔ بس ظاہر ہے کہ یہ لوگ امن و صلح کو پسند کرتے تھے، جن کو مشرقی فتوحات کا خراج اور سرحدوں سے آیا ہوا مال غنیمت شہر میں بیٹھے ہی تھوڑا یا زیادہ مل جایا کرتا تھا۔

یہ امن کی زندگی اُن کو بڑی محبوب تھی، بہر حال اس نے نتیجہ لڑائی سے تو بہت اچھی تھی جس میں مال غنیمت تو

کچھ نہیں ملتا تھا اُلٹے تاوان بھرنا تاوان ادا کرنا پڑتا تھا اور دوستوں اور سرپرستوں کا قتل مزید براں، اس طرح حضرت علیؑ کے ساتھی آرام وراحت کی زندگی گذارتے رہے اور جنگ و مقابلے کی ہر دعوت اور تحریک کو ٹالتے رہے۔

پھر امیر معاویہؓ کی چال نے ان کی دولت اور فارغ البالی میں اور اضافہ کر دیا، ان کے افسروں اور سرداروں کو امن وسلامتی کا گرویدہ بنا دیا ان کے افسروں اور سرداروں کو امیر معاویہؓ مسلسل تحطوط میں سبز باغ دکھاتے رہے، ساتھ ہی عطیات اور انعامات کی پیشکش بھی کرتے رہے جوان کو آئندہ کی توقعات پر آمادہ کرتی رہی اور چھوٹی سی نقد رقم وعدے کی بڑی رقموں کا فریب دیتی رہی تا آنکہ ان افسروں اور سرمایہ داروں کو خرید لیا، اور ان کے دل خلیفہ کی طرف سے خراب کر کے ان کو منافق بنا ڈالا جو زبان سے خلیفہ کی اطاعت کا اعلان کرتے تھے اور دلوں میں اس کے غدار اور نافرمان تھے، اور یہی کیفیت یہ سردار اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت علیؓ کو چال بازی، مکاری اور حیلہ بازی پسند نہ تھی، ان باتوں کی جگہ وہ راستی اور راستبازی پسند کرتے تھے، وہ حق کے حامل تھے خواہ اس میں کتنی ہی گرانباری ہو، بے محل وہ ہرگز عطیہ نہیں کرتے تھے نہ کسی کو کچھ دے دلا کر اپناتے تھے اور نہ وہ چاہتے کہ مسلمانوں کا معاملہ رشوت پر ٹھیک کریں، اگر حضرت علیؓ چاہتے تو مکر اور چال سے کام لے سکتے تھے، لیکن انھوں نے دین کو مقدم رکھا اور اس کے سوا کسی بات پر راضی نہیں ہوئے کہ اپنے اونچے اخلاق کی سطح پر کھڑے رہیں، کھلی اور صاف بات کہیں، سچائی اور خلوص رکھیں، اللہ کے مخلص اور بندوں کے خیر خواہ بنیں، اور یہ سب کچھ مکاری اور فریب کے پردے میں نہیں بلکہ دلی رضامندی اور استقلال کے ساتھ۔

وقتاً فوقتاً حضرت علیؓ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیا کرتے، زیادہ تر تو نرمی سے پیش آتے لیکن کبھی سختی بھی فرماتے، ایک دن آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا:- "اے وہ لوگو! جن کے جسم متحد لیکن دل کی خواہشیں جدا ہیں، تمھارے رہنما کی تحریک کمزور اور تمھارے غمخوار کا دل بے چین ہے، تمھاری باتیں سخت چٹانوں کو شق کر دیتی ہیں لیکن تمھارے کام دشمنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں، جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تم کہتے ہو بات یہ ہے، بات وہ ہے، بہانے کی سب جھوٹی باتیں، تمھارا مجھ سے مہلتیں مانگتے رہنا، ٹال مٹول کرنے والے مقروضوں اور میدان سے بھاگنے والوں کی سی حرکتیں ہیں، ذلیل آدمی ظلم و زیادتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، حق تک پہنچنے کے لئے ضرورت ہے کوشش کی پختہ ارادے کی اور صبر کو اپنا شعار بنا لینے کی، تم اپنے گھر کے بعد کس گھر کی حفاظت کروگے؟ میرے بعد کس امام کے

ساتھ مل کر جہاد کرو گے؟ بخدا مغرور وہ ہے جس کو تم نے فریب میں رکھا جس کے حصے میں تم آئے، بخدا اس کا حصہ نامرادی کا ہے، اب تو میں تمہاری مدد کا خواہاں نہیں اور نہ تم کو سچا جانتا ہوں، خدا تم کو مجھ سے جدا کر دے، مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے، بہت جلد تم ذلت کے گڑھے میں گرو گے تمہارے سروں پر تلوار ہوگی، ظالم تم میں خود غرضی رائج کرے گا، تمہاری جماعتوں کو منتشر کرے گا اور تم کو رلائے گا، تمہارے گھروں میں فقر و فاقہ ہوگا، تھوڑے دنوں بعد تم تمنا کرو گے کہ مجھے پاتے اور میرا ساتھ دیتے، اس وقت میری بات کی صداقت تم کو معلوم ہوگی اور اللہ ظالموں کو ہی دور رکھتا ہے۔"

لیکن یہ سن کر سب ادھر ادھر ہو گئے۔ اپنی بے عملی سے حضرت علیؓ کو مایوس کر دیا۔ بعض راویوں نے ان روایت کرنے والوں کا بیان لکھا ہے جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حضرت علیؓ سر پر قرآن اٹھائے فریاد کر رہے ہیں: اے میرے خدا میں نے قرآن میں جو کچھ ہے اس کی طلب کی تھی، ان لوگوں نے مجھے اس سے بھی روکا، اے خدا میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ بھی مجھ سے برداشتہ خاطر ہو چکے ہیں، مجھے ان سے نفرت ہے اور ان کو بھی مجھ سے نفرت ہے۔ مجھے ان لوگوں نے ایسے طور طریقوں پر مجبور کیا جن سے میری عادت و اخلاق کا کوئی تعلق نہیں، پس ان کے عوض مجھے ان سے بہتر آدمی دے اور میرے عوض ان کو مجھ سے کوئی برا بدل دیدے اور ان کے دلوں کو اس طرح گھول دے جس طرح پانی میں نمک۔

نہروان کے معرکے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی ایک مسلسل ابتلا اور انتہائی کوفت کی زندگی تھی، وہ دیکھتے تھے کہ حق آفتاب کی طرح روشن ہے اور یہ کہ ان کے ساتھی قوت اور بہادری، تعداد اور تیاری میں ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ حق تک پہنچ جائیں اور حق کا بول بالا کر دیں لیکن انھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اپنے فرض سے غافل ہو گئے۔ بلائے جاتے ہیں تو جواب نہیں دیتے، حکم پاتے ہیں تو اس کی تعمیل نہیں کرتے، فہمایش کی جاتی ہے تو نصیحت گیر نہیں ہوتے، انھیں زندگی سے محبت اور موت سے نفرت ہوگئی، وہ جنگ سے تنگ اور امن و عافیت کے خوگر ہو گئے، وہ راحت سے لذت گیر اور مشقت سے اکتا گئے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ معاویہؓ عراق میں ان کی سرحدیں ہضم کر رہے ہیں۔ عراق سے باہر کے علاقوں پر دھاوا کرتے ہیں اور وہاں کے لوگوں کو لوٹتے ہیں اور جب حضرت علیؓ ان کو بلاتے ہیں تو جواب نہیں دیتے ہیں، حکم دیتے ہیں تو نافرمانی کرتے ہیں، ہاں کچھ تھوڑے سے آدمی آپ کی باتیں سنتے تھے، لیکن ان سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ حق دار اپنے آپ کو خیال کرتے تھے لیکن جب اس کا رخ دوسرے خلفاء کی طرف کر دیا گیا تو آپ صبر سے کام لیتے رہے۔ پھر

جب خلافت آپ کے پاس آئی تو آسانی اور اطمینان کی فضا میں نہیں بلکہ پریشانی کی حالت میں اور بعد از خرابی بسیار آپ کو آپ کے ساتھیوں کو خلافت نے بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا کیا اور آخر میں آپ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جو کسی خوددار اور سچے ایماندار کے لئے قابل برداشت نہیں تھا۔ خلیفہ جس کی بات مانی نہیں جاتی، جو حق تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن پہنچ نہیں سکتا، اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی کمزوری ہے یا اس کے حامیوں کی تعداد کم ہے یا اس کے ساز سامان میں کوئی خامی ہے بلکہ اس لئے کہ ساتھی اس کا ساتھ دینا نہیں چاہتے، ساتھیوں کو ساتھ دیتے اور جنگ کرنے کا پھل اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ رشتہ داریاں اور تعلقات ٹوٹ گئے، دوست اور آشنا قتل ہوئے، مصائب برداشت کرنے پڑے اور بلا مال غنیمت جان ہلاکت کے خطرے میں ڈالنی پڑی، پس انھوں نے امن وسکون کو اچھا سمجھا اور اسی طرف جھک پڑے، پھر اس طرح جھکے کہ صرف امن وسکون پر قناعت نہیں کی بلکہ بے نتیجہ بحث ومباحثے کے لئے فرصت نکالی اور اسی میں اپنا سارا وقت اور کوشش صرف کرنے لگے انہی دنوں میں ان کے چند آدمی حضرت علیؑ کے پاس آتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی اثنا میں کسی سرحد سے رنج دہ خبریں آتی ہیں، جن سے آپ کا دل غم سے بھر جاتا ہے، اسی غم انگیز حالت میں آپ ان کو جواب دیتے ہیں۔

"کیا تم کو یہی کام رہ گیا ہے، ادھر شامیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے حاکم محمد ابن ابوبکرؓ کو قتل کر دیا ہے۔"

علیؑ اور خوارج

حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے ہاتھوں جس کوفت اور مصیبت میں مبتلا تھے وہ یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ شدت اور خرابی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے، چنانچہ بہت جلد آپ کو معلوم ہو گیا کہ نہروان میں آپ کی کامیابی بے فیض رہی جس کے لئے آپ نے بڑی مشقت اٹھائی تھی، اور جس کے بعد آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا دل بڑا مغموم اور حسرت زدہ بنا رہا، اس لئے کہ نہروان میں تمام تمام خوارج کا خاتمہ نہیں ہو گیا، البتہ ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی، لیکن ابھی وہ کوفہ میں تھے اور آپ کے ساتھ تھے، بصرہ میں آپ کے گورنر کے ساتھ تھے، علاوہ ازیں کوفہ اور بصرہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے۔

یہ خارجی نہروان کے معرکے میں کام آنے والے اپنے بھائیوں کا قصاص اپنے دلوں سے بھلا نہ سکے۔ اور یہ شکست ان کے فکر و نظر کے کسی گوشے میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی بلکہ اس سے ان کی قوتوں میں اور اضافہ ہوا اور ان کو وہ مذموم اور ہولناک طاقت بھی ملی، جس کا سرچشمہ بغض، کینہ اور انتقام کے جذبات ہیں۔

حالات اور واقعات نے ان خارجیوں کے لئے ایک محاذ اور ایک ایسی پالیسی بنا دی جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں کبھی منحرف نہیں ہوئے، وہ محاذ اور پالیسی یہ ہے کہ خلفاء کے ساتھ مکاری اور فریب کیا جائے، لوگوں کو ان کے خلاف اُبھارا جائے، کسی بات میں ان کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر اقتدار اور قوت نہ ہو تو اپنے مسلک کی دعوت دی جائے، پھر جب اکثریت حاصل ہو جائے اور حکومت سے ٹکر لینے کی طاقت پیدا ہو جائے تو چھپ چھپا کر یا کھلے بندوں شہر سے دور باہر نکل کر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور مقابلے کی صورت میں اپنی نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلواریں بے نیام کر لیں۔

چنانچہ کوفہ میں حضرتِ علیؑ کے گرد و پیش یہ لوگ مکر و فریب کی کارروائیاں کرتے رہے، اور گھات میں لگے لوگوں کے خیالات اور دلوں کو بدلتے رہے، آپ کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے آپ کے خطبات اور آپ کی باتیں سنتے، بعض اوقات خطبے اور گفتگو میں قطع کلام بھی کرتے، لیکن اس کے باوجود آپ کے انصاف سے مطمئن اور آپ کی گرفت سے بے خوف تھے، خوب جانتے تھے کہ جب تک پہل خود ان کی طرف سے نہ ہوگی آپ نہ ان پر ہاتھ اٹھائیں گے نہ ان کی پردہ دری کریں گے اور نہ مالِ غنیمت میں حصہ بلتے رہیں گے اور وقتاً فوقتاً جو کچھ ملتا رہے گا اس سے مقابلے کی تیاری کریں گے۔

حضرت علیؓ نے طے کر لیا تھا اور لوگوں کو اور خود خارجیوں کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کریں گے آپ کی طرف سے کوئی مخالفانہ کارروائی عمل میں نہیں آئے گی آپ کے اس عدل اور درگزر نے، اس نرمی اور احسان فرمائی نے خارجیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے، اور آپ ان کے ارادوں سے پوری طرح واقف بھی ہو چکے تھے، آپ کے دل میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ یہی خارجی آپ کے قاتل ہیں چنانچہ اکثر اپنی داڑھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان سے رنگین ہو کر رہے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ باخبر کیے گئے تھے کہ آپ مقتول مریں گے اور یہ کہ آپ کا قاتل اس اُمت کا بدبخت ترین شخص ہوگا۔

چنانچہ ساتھیوں کی نافرمانی سے جب تنگ آجاتے اور اُکتا جاتے تو خطبوں میں اکثر فرمایا کرتے:

"بدبخت نے کیوں دیر لگا رکھی ہے۔"

خوارج کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی کبھی آپ کے سامنے آجاتے اور علانیہ بلا کسی تردد کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے، چنانچہ ایک دن خریث بن راشد سلمی، جو سامہ بن لوی کی اولاد میں سے ہے آیا اور کہنے لگا۔

خدا گواہ ہے کہ میں نے نہ آپ کی اطاعت کی اور نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے کہا: خدا تیرا بیڑا غرق کرے، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اپنا عہد توڑا اور اپنے آپ کو دھوکا دے رہا اور ایسا تو کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اس لیے کہ آپ نے قرآن میں ثالثی منظور کی اور جب سرگرمی کا وقت آیا تو کمزوری دکھائی اور ان لوگوں پر اعتماد کیا جنھوں نے آپ پر ظلم کیا پس میں آپ کو اور ان کو ملزم سمجھتا ہوں اور قابلِ نفرت۔

اس پر بھی حضرت علیؓ نہ اس پر خفا ہوئے نہ اس کی گرفتاری کی بلکہ اس کو مناظرے کی دعوت دی کہ بات کا صحیح رُخ اس کے سامنے پیش کر دیں شاید وہ حق کی طرف لوٹ سکے۔ خریث نے کہا، میں کل آؤں گا، حضرت علیؓ نے منظور کر لیا اور آزادی کے ساتھ اس کو جانے دیا، ایسا نہیں کیا کہ اس کو جیل میں رکھ کر سوال و جواب کرتے، پھر وہ اپنی قوم بنی ناجیہ کے لوگوں کے پاس آیا جہاں اس کا بڑا اثر تھا اور جن کو لے کر جمل اور صفین کے معرکوں میں شریک ہوا تھا، ان کو حضرت علیؓ سے اپنے سوال و جواب کی کیفیت بتائی، اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں کوفے سے لڑائی کے ارادے سے نکل گیا۔ راستے میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دو آدمی ملے جن سے اس نے ان کا مذہب پوچھا، ان میں سے ایک یہودی تھا، اس نے

اپنا مذہب بتا دیا، اس کو ذمی خیال کر کے چھوڑ دیا۔ دوسرا عجمی مسلمان تھا، جب اس نے اپنا مذہب بتایا تو اس سے حضرت علیؓ کے بارے میں سوال کیا۔ جب اُس نے تعریف کی تو اُس کے ساتھی اُس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ یہودی نے مضافات کے ایک حاکم کو واقعات کی اطلاع کی جس نے حضرت علیؓ کو لکھا، پھر حضرت علیؓ نے ایک فوج بھیجی کہ ان کو تلاش کرے اور اطاعت کا حکم دے اگر انکار کریں تو مقابلہ کرے، چنانچہ فوج پہنچ گئی۔ فوج کے افسر اور خریت میں بحث و مباحثہ ہوا لیکن بے نتیجہ، تب افسر نے مقتول مسلمان کے قاتلوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ خریت نے انکار کیا، اس پر دونوں میں سخت مقابلہ ہوا جس میں کوئی بھی غالب نہ آسکا، شام ہونے پر فریقین لڑائی سے رک گئے اور خریت اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ کی طرف بھاگ نکلا۔

حضرت علیؓ نے ایک دوسری فوج بھیجی جو بڑی تھی اور زیادہ طاقتور، اور ان کے تعاقب کا حکم دیا اور اپنے بصرہ کے حاکم عبداللہ ابن عباسؓ کو لکھا کہ اس فوج کی امداد کریں، چنانچہ انھوں نے مدد کی اور فریقین میں مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ خریت کے ساتھیوں میں ابتری پیدا ہوئی، لیکن وہ اس مرتبہ بھی رات کی تاریکی میں اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص کی حقیقت کھلی کہ اس نے حکومت یا حق کی مخالفت میں خروج نہیں کیا، وہ ایک جانباز دلیر تھا، خارجیوں پر ایسا ظاہر کرتا تھا کہ اُن کا ساتھی ہے اور عثمانیوں میں اپنے کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا طالب بتاتا، بہت سے مخلوط نسل کے لوگوں کی ٹولیاں اس کے ساتھ ہو گئیں اور وہ دریا کے ساحل پر بڑھتا گیا، جتنا بھی وہ آگے بڑھا موٹے مسٹنڈے غریب عجمی مسلمان اور مخلوط لوگوں کی جماعتیں اس سے ملتی گئیں تا آنکہ اس کی فوج بہت بڑھ گئی اور وہ بڑی اہمیت کا مالک ہو گیا، عیسائیوں کی ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہو گئی جس میں کچھ ایسے تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی ہو گئے اور بعض اپنے دین پر قائم رہ گئے لیکن جزیے سے چھٹکارا پانے کی یہ صورت نکالی حضرت علیؓ کی فوج خریت اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھی چنانچہ ایک دن ان کو گھیرے میں لے لیا اور معرکہ آرائی ہوئی جس میں خریت مارا گیا اور اس کے ساتھیوں کو حضرت علیؓ کے افسر نے قید کر لیا، ان میں سے جو مسلمان تھے ان کو چھوڑ دیا اور جو مرتد ہو گئے تھے اُن سے توبہ کرنے کے لئے کہا، جو مسلمان ہو گیا اس کو چھوڑ دیا، اور جو مسلمان نہیں ہوا اُس کو قیدی بنایا۔

افسر نے اس واقعے کی اطلاع حضرت علیؓ کو دی اور قیدیوں اور ساتھیوں کو لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوا، یہ قیدی پانچ سو کی تعداد میں تھے، یہ لوگ راہ میں فارس کے ایک علاقے سے گذرے جس کا

حاکم حضرت علیؑ کا مقرر کردہ مصقلہ ابن ہبیرہ شیبانی تھا، قیدی چلا چلا کر اس سے فریاد کرنے لگے کہ ان کو اس قید سے نجات دلائے، اور یہ زیادہ تر اسی کی قوم بکر ابن وائل میں سے تھے، مصقلہ نے ان کو حضرت علیؑ کے افسر سے خرید لیا اور آزاد کر دیا لیکن جو قیمت دینی منظور کیا تھا اس کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔

یہ لوگ کوفہ پہنچے اور حضرت علیؑ کو قیدیوں کے ساتھ مصقلہ کا واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے افسر کی تعریف کی اور اس کی رائے کی تائید اور انتظار کرتے رہے کہ مصقلہ اپنے ذمہ کی واجب الادا رقم بھیجے گا، لیکن جب اس نے دیر کی تو آپ نے مطالبہ کیا اور اعراد اور پھر دھمکی دی، اس کے بعد ایک تقاضہ کرنے والے کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر ٹال مٹول کرنا چاہے تو بصرہ کے حاکم عبد اللہ ابن عباسؓ کے پاس اس کو پہنچا دینا۔

مصقلہ کا یہ واقعہ پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اُس ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جو حضرت علیؑ کی اطاعت کے بارے میں اُس زمانے کے اکثر عراقی سردار رکھتے تھے، مصقلہ نے قرض ادا کرنے سے پہلوتہی کی اور ابن عباسؓ کے پاس لایا گیا، جب ابن عباسؓ نے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا: — اگر ابن عفانؓ کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم کا آپ مطالبہ کرتے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوتا، اس کے بعد قریب دے کر بصرہ سے بھاگ نکلا اور امیر معاویہ سے جا ملا، اُنھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ملاقات کی۔ کھلایا پلایا اور خوش کیا۔ یہ دیکھ کر مصقلہ نے چاہا کہ اپنے بھائی نعیم بن ہبیرہ کو بھی اپنے پاس بلا لے۔ چنانچہ بنی تغلب کے ایک عیسائی جلوان نامی کے ہاتھ اس مقصد کے لئے ایک خط بھیجا، لیکن جیسے ہی یہ نصرانی کوفہ پہنچا، حضرت علیؑ کو حالات کا پتہ چل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ صرف خط پہنچانے نہیں آیا ہے بلکہ جاسوسی اور مخبری بھی اس کا کام ہے، چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد وہ مرگیا۔ نعیم اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

لا تأمنى هداك الله عن ثقة — ريب الزمان ولا تبعث كحلوانا

خدا تم کو ہدایت دے زمانے کے فریب سے بے خوف ہو کر حلوان سے جیسے آدمی کو نہ بھیجا کرو

ماذا اردت الى ارسالة سفها — ترجوا سقاط امرا مكان ، خسوانا

اس کے بھیجنے کی بیوقوفی سے تمھارا کیا مقصد تھا تم کو ایک شخص سے گراوٹ کی امید تھی جو خائن نہیں

عرضته لعلى انه اسد — يمشى العرضنة من آساد خفانا

تم نے اس کو علیؑ کے بالمقابل بھیجا وہ تو نرم پتھروں کے شیروں میں سے ایک شیر ہیں جیسے ان میں چلتے ہیں

قد کنت فی منظر عن ذا و مستمع تادی العراق و تدعی خیر شیبانا

عراق آتے ہی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے اور شیبان کے بہترین بزرگ کہے جاتے

لو کنت ادیت مال القوم مصطبرا الحق احییت مالا نفعال موتانا

حق پیش نظر رکھو اگر قوم کا مال پیش کر دیتے تو ہمارے مرحوم بزرگوں کو زندگی بخشتے

لکن لحقت باھل الشام ملتمسا فضل ابن ھند وذاک الوی اشجانا

لیکن تم ابن ہند (معاویہؓ) کی مہربانیوں کے جویا بنے جو شام چلے گئے اور یہ بات ہم کو رنجیدہ بناتی ہے

فالآن تکثر قرع السن من ندم وما تقول وقد کان الذی کانا

اب تم ندامت میں دانت پیسے ہو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا

ظلت بتغضک الاحیاء قاطبۃ لم یرفع اللہ بالبغضاء انسانا

تمام قبائل تم سے نفرت کریں گے اللہ نے نفرت اور بغض سے کسی قوم کو سربلند نہیں کیا

پس حضرت علیؑ کے لئے مصقلہ کی اطاعت ایک ایسے آدمی کی اطاعت نہ تھی جو اپنے سب کاموں میں حق اور ایمانداری کو پیش نظر رکھتا ہو اور نتائج سے بے پروا ہو کر صبر اور ثابت قدمی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہو بلکہ اس کی اطاعت ایک خلیفہ کے لئے ایک معمولی آدمی کی اطاعت تھی، ایسا آدمی جو نفع پرست، موقع پرست اور مطلبی ہے، جو اپنی بھلائی چاہتا ہے جس طرح بھی بن آئے اور یہ مصقلہ اس معاملہ میں تنہا نہیں تھا بلکہ بصرہ اور کوفہ کے بڑے لوگوں میں اس کے جیسے بہت سے افراد تھے، خواص کا یہ حال تھا، پھر عامی آدمی کس قطار اور شمار میں ہوں گے۔

مصقلہ قیدیوں کو خرید لیتا ہے اور ان کو آزاد کر دیتا ہے، اس لئے نہیں کہ اللہ سے ثواب کا متمنی ہے یا کسی اچھے کام کا بڑا شائق ہے بلکہ قبیلے کی طرفداری کے جذبے سے اور خلیفہ کے ساتھ چال بازی کر کے اپنے جذبے کی تکمیل کرتا ہے، جب حاکم کو اس کی مکاری کا پتہ چلتا ہے اور وہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے تو تعمیل نہیں کرتا بلکہ فرار ہو کر ان لوگوں سے جا ملتا ہے جو خلیفہ سے برسرپیکار ہیں اور اس کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ اس طرح مصقلہ دوستی کی حد سے نکل کر دشمنی کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے، اور یہ امیر معاویہؓ کا اس سے ملاقات کرنا، اس کو خوش آمدید کہنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اسی طرح برا فعل ہے جس طرح اس کا قرض کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا اور شام بھاگ جانا۔ امیر معاویہؓ نے جو کچھ کیا اس کو چال اور مکر کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا، ایک سچا مسلمان ہرگز وہ بدلا نہیں دے سکتا جو انھوں نے مصقلہ کو دیا، یہ تو اس وقت موزوں ہوتا کہ کوئی ان کے پاس بھاگ کر آتا کہ قیصر کے

خلاف کوئی ریشہ دوانی کرتی ہے جس سے دشمن کے مقابلے میں ان کو مدد ملتی ہے لیکن اپنے خلیفہ کے ساتھ مکاری کرنے والے کو پناہ دینا اور وہ محض اس لئے کہ شاید اس سے عراق میں خرابیاں پیدا کرنے کا کام لیا جا سکے، معاملہ کا یہ وہ پہلو ہے جو امیر معاویہ کی اس سیاست کے اہم رخ کو بے نقاب کر دیتا ہے جس پر وہ اپنے جدید اقتدار کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے، یہ دنیاوی سیاست تھی جس کا دامن دنیاوی ساز و سامان دنیوی ضرورتوں، منفعتوں، خواہشوں اور ہوسناکیوں سے بھرا ہوا ہے۔

یہاں پہنچ کر حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے سیاسی مسلک کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے، حضرت علیؑ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور امیر معاویہؓ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر۔

حضرت علیؑ کو جب مصقلہ کے فرار ہونے کی خبر ملی تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ کام تو اس نے سرداروں جیسا کیا اور بھاگا غلاموں کی طرح، اس کو کیا ہو گیا تھا، خدا اس کو ہلاک کرے۔ بعد میں اس کا گھر آپ کے حکم سے گرا دیا گیا۔

حضرت علیؓ کی حکومت

حضرت علیؓ آزمائش کے اسی تلخ دور سے گذرتے رہے، دوست غلطی اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے لیکن آپ اس پورے "دور" میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے، نہ معاملات میں کوئی پستی گوارا کی نہ دین میں کوئی کمزوری دکھائی، نہ اپنی کھلی ہوئی سیاست سے ذرا بھی انحراف کیا۔ مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سدِ راہ بنتی رہیں، مگر آپ اپنی راہ چلتے رہے، دائیں بائیں کسی طرف جھکے نہیں، شدید غصے کا عالم ہوتا، زندگی کی انتہائی تلخیاں ہوتیں لیکن کوئی بات آپ کے ارادے کی راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ آپ نے زیرِ لب کچھ فرما کر غصے کا اظہار کر دیا۔

نہروان کی مہم سے فرصت پاتے ہی تو آپ کی حکومت میں آپ کی آزمائش کا دور شروع ہو گیا۔ امیر معاویہؓ نے آپ کی حکومت کی سرحدوں کو کاٹنا اور اطراف و جوانب کی آبادیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، شام کے لوگ دل سے ان کے فرمانبردار تھے، ان کے حکم پر چون و چرا نہیں کرتے، بلانے پر دوڑ پڑتے، حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی امیر معاویہؓ کے دل میں مصر کا خیال پیدا ہوا تھا، اس لئے کہ وہ ان سے نزدیک اور حضرت علیؓ سے بہت دور پڑتا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ مصر والے تمام صوبوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے مخالف اور اُن پر حملہ کرنے میں پیش پیش اور سب سے زیادہ تیز تھے، امیر معاویہؓ کے مکر و فریب سے مصر پر قبضہ کرنا چاہا اور کہنا چاہیئے کہ بڑی مشکلوں سے وہ اپنے ارادے میں پُر فریب طریقے پر کامیاب ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، وہ اپنے اندر اس منصب کی اہلیت اور اس کی ذمہ داری سنبھالنے کی طاقت رکھتے تھے، چنانچہ وہ مصر آئے اور مصریوں کو حضرت علیؓ کا فرمان پڑھ کر سنایا، لوگ اُن کے پاس آئے اور حضرت علیؓ کے لئے بیعت کی اور تمام معاملات ٹھیک ہو گئے، البتہ ایک جماعت کنارہ کش رہی، اس نے قیس کو لکھا کہ اس کے لوگ جنگ کرنا نہیں چاہتے اور نہ خراج روکیں گے، البتہ ابھی وہ حالات کے انجام کا انتظار کریں گے قیس نے ان سے مصالحت کر لی اور ان کے خلاف اقدام نہیں کیا۔ اس کے بعد عمرو بن عاصؓ اور معاویہؓ نے قیس کو خط لکھا اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ قیس نے خط کا ایک نرم جواب دے دیا جس میں ان کو اپنی طرف سے نہ مایوس کیا اور نہ متوقع رکھا، البتہ ان دونوں کے شر سے اپنے صوبے میں بچنے کی کوشش کی، جو مرکز

سے بہت دور واقع تھا، امیر معاویہؓ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور پھر لکھا اور صاف صاف معلوم کرنا چاہا کہ ان کی رائے کیا ہے اور وہ دوست ہیں کہ دشمن۔ پھر جب امیر معاویہؓ مایوس ہو گئے تو خط میں گالیاں دیں اور قیس کو یہودی ابن یہودی لکھا، قیس نے بھی گالی کا جواب گالی سے دیا اور امیر معاویہؓ کو بت پرست لکھا اور ان کے اور ان کے باپ کے متعلق لکھا کہ دونوں نے مجبوراً اسلام قبول کیا، پھر دونوں بلا جبر اسلام سے خارج ہو گئے۔

تب امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا کہ قیس کا معاملہ نہ نرم چالبازی سے ٹھیک ہوگا اور نہ سخت دھمکی سے، چنانچہ انھوں نے مصر کو چھوڑ کر عراق میں قیس کے لئے دام فریب بچھایا ایک جعلی خط قیس کی طرف سے عراقیوں کے نام بھیجا کہ میں علیؑ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا ہوں اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتا ہوں، حضرت علیؑ نے اس خط کے مذکور کی تصدیق نہیں کی اور اپنے دوستوں سے کہا کہ میں قیس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ ان کی حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے اس خط کا یقین کر لیا اور برانگیختہ ہو کر قیس کو معزول کر دینے پر اصرار کیا، حضرت علیؑ نے قیس کی طرف سے اطمینان کے باوجود توجہ کی اور قیس کو لکھ بھیجا کہ کنارہ کشی اختیار کرنے والوں سے مقابلہ کرو اور بیعت کے سوا ان کی کوئی بات نہ مانو، قیس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا، اس خاموش جماعت سے لڑنے میں جلدی کیوں کی جا رہی ہے اور درخواست کی کہ صوبے کے معاملات میری صواب دید پر چھوڑ دئیے جائیں اس لئے کہ میں قریب ہوں اور آپ دور، اور پھر مجھے خطرہ ہے کہ اس جماعت کا اضطراب میرے انتظام میں خرابی کا باعث ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس جماعت کے کچھ لوگ اس کی امداد کے لئے کھڑے ہو جائیں یا پھر معاویہؓ سے امداد کے طالب ہوں جو اس کے لئے تیار ہوں گے۔ قیس کا یہ جواب معلوم کر کے کوفہ والوں کو یقین ہو گیا کہ اس کے دل میں برائی ہے اور اس نے خلیفہ کا حکم نہیں مانا، پس انھوں نے اس کی معزولی پر اصرار کیا اور کرتے ہی رہے تا آنکہ حضرت علیؑ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابوبکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔

محمد ابن ابوبکرؓ اور قیس ابن سعد میں بڑا فرق تھا، محمد ابھی نوخیز جوان تھے۔ قیس ایک تجربہ کار زمانے کا نشیب و فراز دیکھے ہوئے۔ محمد حضرت عثمانؓ کے قضیے میں شریک رہ چکے تھے، قیس ابن سعد کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا، محمد جنگ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اپنے جذبات اور جوانی کے تقاضوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ قیس غور و فکر کے آدمی تھے، معاملات کو تولتے تھے اور لڑائی اسی وقت منظور کرتے جب اس کے سوا چارہ کار نہ ہوتا۔

محمد ابن ابوبکرؓ کے مصر پہنچنے پر قیس ابن سعد مدینہ چلے آئے جہاں سے کچھ دنوں کے بعد وہ حضرت علیؓ کے پاس کوفہ واپس آگئے اور صفین کے معرکے میں آپ کے ساتھ رہے، حاضری اور غیر حاضری میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے۔ محمد ابن ابوبکرؓ نے مصر پہنچ کر اس کنارہ کش جماعت کو اطاعت کی دعوت دی اور انکار کرنے پر اُن سے جنگ شروع کر دی اور ان کے خلاف ایک فوج بھیج دی جس کو جلتے ہی شکست ہو گئی۔ اس کے بعد دوسری فوج بھیجی اور وہ بھی اسی وقت مغلوب ہو گئی، مزید برآں اس جماعت کی امداد پر ایک قوم آمادہ ہو گئی اور مصر میں حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کی تحریک پیدا ہو گئی اور صوبے کا معاملہ گڑبڑ میں پڑ گیا۔ حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور محمد ابن ابوبکرؓ کو معزول کر دیا لیکن اشتر ابھی قلزم تک پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ قلزم کے افسر خراج کو امیر معاویہؓ نے بہکایا اور کہا اگر تم اشتر کی موت کی کوئی تدبیر کر دو تو زندگی بھر تم سے خراج معاف۔ چنانچہ اس شخص نے شہد کے شربت میں زہر ملا کر اشتر کو دیا جس سے وہ اسی دن یا دوسرے دن انتقال کر گئے۔ عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کہتے تھے شہد بھی اللہ کی ایک فوج ہے۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے مصر پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جس کا امیر عمرو بن عاصؓ کو بنایا، ادھر حضرت علیؓ مجبور ہوئے کہ محمد ابن ابوبکرؓ کو ہی گورنری پر باقی رکھیں، آپ نے ان کو چوکنا رہنے کی تاکید کی۔ اور وعدہ کیا کہ فوج اور مال بھیجتے ہیں۔ آپ نے کوفہ والوں کو اپنے مصری بھائیوں کی امداد کے لئے متوجہ کیا لیکن کسی نے توجہ نہیں کی، جب آپ نے بہت زور ڈالا تو ایک مختصر سی فوج پیش کی گئی جس کو آپ نے مصر بھیج دیا، لیکن بہت جلد آپ کو معلوم ہوا کہ عمرو بن عاصؓ مصر میں داخل ہو چکے ہیں اور محمد ابن ابوبکرؓ قتل کر دیئے گئے اور ان کی لاش آگ میں جلا دی گئی، آپ نے اس چھوٹی سی فوج کو واپس بلا لیا اور کوفہ والوں کو عادت کے مطابق خطبے میں سخت سست کہا لیکن وہ سن کر منتشر ہو گئے۔

اس دن سے اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک مغربی حصہ جس کے حکمراں امیر معاویہؓ تھے جس میں شام، مصر اور افریقیہ کے علاقے شامل ہیں جن میں سے کچھ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور کچھ کے فتح ہو جانے کی توقع تھی، دوسرا مشرقی حصہ جس پر حضرت علیؓ کا قبضہ تھا اور جس میں عراق اور فارس کے مفتوحہ علاقے اور جزیرۃ العرب کا حصہ شامل تھا لیکن امیر معاویہؓ مغرب کے مقبوضات پر قناعت نہ کر سکے، ساتھیوں کی وفاداری اور فتوحات دیکھ کر نیز عراق میں حضرت علیؓ کے خلاف کامیاب چالوں سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا پھر حضرت علیؓ کے آدمیوں کو اپنا آلہ کار بنا لینے کی کامیابی نے ان کو آگے قدم بڑھانے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے عراقیوں سے اُن کے

شہروں میں گھس کر جنگ کرنے کی ہمت کی اور حضرت علیؓ کے بقیہ مقبوضات میں دہشت اور اضطراب پھیلا دیا۔

علیؓ اور ابن عباسؓ

انھیں دنوں حضرت علیؓ کے مصائب میں ایک اور مصیبت کا اضافہ اس شخص کے ہاتھوں ہوا جو آپ کا سب سے زیادہ قریبی اور آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا یعنی آپ کے طرفدار آپ کے چچا زاد بھائی آپ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عباسؓ آپ کے حالات اور معاملات کے سب سے زیادہ واقف اور آپ کی مدد اور مشورے پر سب سے زیادہ قادر تھے اور اس کے اہل تھے کہ جب ساری دنیا نے حضرت علیؓ سے آنکھیں پھیر لے، دشمن ان کے ساتھ مکر و فریب کرے، دوست دشواریوں کا باعث بن جائے تو یہ اُن کے ساتھ اخلاص برتیں اور ان کے کام آئیں۔

حضرت علیؓ نے اپنے بھائی کے لئے کوئی کمی نہیں کی، اس سے کوئی بات چھپائی نہیں، کوئی راز اس سے مخفی نہیں رکھا اس کو اپنا تصور کیا خود کوفہ میں رہے اور اپنے وزیر کو بصرہ کا حاکم بنایا جو آپ کی حکومت کا سب سے بڑا اور اہم شہر تھا، حضرت علیؓ کو سب لوگوں سے اپنے لئے مصیبت کا اندیشہ تھا اگر نہیں تھا تو اسی بھائی اور دونوں لڑکوں سے۔

ابن عباس دینی اور دنیاوی معاملات پر جو عبور رکھتے تھے، بنی ہاشم میں خصوصیت کے ساتھ اور قریش اور تمام مسلمانوں میں عموماً ان کو جو امتیازی شان حاصل تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ بڑی سے بڑی اور کٹھن سے کٹھن مصیبت ٹوٹ پڑنے پر بھی بھائی سے انحراف نہ کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صفین کے معرکے سے بہت شکستہ خاطر ہو کر آئے، انھوں نے دیکھا کہ امیر معاویہؓ مکر کی چالوں اور اہل شام کی وفا شعاری سے اُبھرتے اور غالب ہوتے جا رہے ہیں اور حضرت علیؓ کے ساتھی خود اپنے امام سے الگ ہو کر بہت سے تو خفیہ جنگ کی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے ہیں اور بہت سے کھلم کھلا مقابلے میں شریک ہیں، پھر وہ ثالثوں کی مجلس میں پہنچے وہاں بھی عراقیوں کی پھوٹ اور شامیوں کے اتحاد کا نقشہ دیکھا، واپس آئے تو اس یقین کے ساتھ کہ دنیا بھائی سے منہ پھیر چکی ہے، زمانہ ان کے خلاف ہو گیا ہے اور معاملات امیر معاویہؓ کے حق میں ٹھیک ہونا چاہتے ہیں، پھر بھائی کو دیکھا کہ ان حالات کے باوجود اپنی اسی سیدھی راہ پر چلے جا رہے ہیں نہ خود کجروی کرتے ہیں نہ کسی کی کجروی کو گوارا کرتے ہیں، نرمی اور چشم پوشی کی سیاست چلا رہے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ رحم و ہمدردی والی حضرت عمرؓ کی پالیسی پر عامل ہیں لیکن وہ فاروق اعظمؓ کی طرح لوگوں کے ساتھ شدت اور سختی کا

برتاؤ نہیں کرتے بلکہ اپنا مقابلہ کرنے والوں سے شدت کے ساتھ لڑتے ہیں اور صلح کرنے والے سے بے احتیاطی کے ساتھ صلح کر لیتے ہیں، مکر و فریب پر گرفت اور بدگمانی پر مواخذہ نہیں کرتے جب تک لوگ شرارت کی ابتدا نہ کریں وہ اقدام نہیں کرتے۔

پھر ہم نے دیکھا کہ شام جانے کے لئے ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس نہیں آئے اور نہ نہروان میں ان کے ساتھ رہے بلکہ خود بصرہ ہی میں ٹھہرے رہے۔ اور حضرت علیؓ کے پاس فوج روانہ کر دی گو وہ اس بے سود جنگ سے اکتا گئے تھے اس لئے بیٹھے رہے اور انجام کا انتظار کرتے رہے، چنانچہ بہت جلد انھوں نے دیکھ لیا کہ اس لڑائی کا انجام خرابی پھوٹ اور بیزاری کی صورت میں نکلا، حضرت علیؓ نے خوارج کا مقابلہ کیا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا کہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کا خاتمہ کر دیا اور شام پھر بھی نہ جا سکے بلکہ کوفہ واپس آنا پڑا اور پھر نکلنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ابن عباسؓ نے دیکھا کہ بھائی کا ستارہ گردش میں ہے اور امیر معاویہؓ کی قسمت جاگ رہی ہے تو بصرہ میں ٹھہر کر بھائی اور بھائی پر آنیوالی مصیبتوں سے زیادہ خود اپنے معاملے پر غور کرنے لگے اسی موقع پر شاید بیت المال سے اپنی ذات کے لئے اُنھوں نے کچھ رقم لے لی، ابن عباسؓ کا یہ عمل ان کی اور حضرت علیؓ کی اس روش سے کسی طرح میل نہیں کھاتا جس کے اپنے اقبال کے دنوں میں دونوں پابند تھے، اس کے بعد یہ دیکھ کر بیت المال کے افسر ابوالاسودؓ دؤلی اس پر معترض ہیں، ابن عباسؓ نے ان کو ایک دن نہایت سختی کا جواب دیا جس سے ابوالاسود کو بڑی کوفت ہوئی اور اُنھوں نے حضرت علیؓ کو لکھا :۔

> امابعد۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذمہ دار نگران اور امانتدار والی بنایا ہے، ہم نے آپ کی آزمائش کی اور آپ کو زبردست امین اور رعایا کا خیر خواہ پایا، رعایا کو آپ بہت کچھ دیتے ہیں اور خود ان کی دنیا سے اپنا ہاتھ روکتے ہیں چنانچہ آپ نہ ان کا مال کھاتے ہیں اور نہ ان کے معاملات میں رشوت سے آپ کا کوئی تعلق، آپکے بھائی اور آپکے گورنر آپکے علم و اطلاع کے بغیر وہ رقم کھا گئے جو ان کے ہاتھ میں تھی اور میں یہ بات آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا، خدا کا فضل آپکے شامل حال رہے، ادھر توجہ فرمائیے اور مجھے اپنی رائے لکھیے۔ والسلام!

بلاشبہ اس خط نے حضرت علیؓ کو سخت متوحش کر دیا اور ان کی غیر معمولی مصیبتوں میں ایک بڑی مصیبت ایک تیز چبھنے والی خلش کا اضافہ کر دیا لیکن عادت کے مطابق آپ نے اس مصیبت پر صبر کیا اور ابوالاسود کو لکھا:

> امابعد۔ میں نے تمہارے خط کا مطلب سمجھا تم جیسا آدمی اُمت اور امام دونوں کے لئے مجسم خیرخواہی ہے تم نے حق کی حمایت اور ناحق سے روگردانی کی ہے میں نے تمہارے صاحب کو اس بارے میں لکھا ہے اور تمہارے خط کا تذکرہ نہیں کیا، تمہاری موجودگی میں ایسی باتیں ہوں جن پر غور کرنے میں اُمت کی فلاح ہو تو مجھے ضرور مطلع کرنا، تمہیں یہی کرنا چاہیئے اور یہی تمہارا فرض ہے۔ والسلام!

اور اسی وقت ابن عباسؓ کو لکھا۔

اما بعد - مجھے تمہارے بارے میں ایک بات کا پتہ چلا ہے اگر وہ سچ ہے تو تم نے اپنے رب کو خفا کیا، اپنی امانت برباد کی اور اپنے امام کی نافرمانی کی اور مسلمانوں کے خائن بنے، مجھے معلوم ہوا کہ تم نے زمین کو بنجر کر دیا اور جو تم تمہارے قبضے میں تھی وہ کھا گئے پس میرے سامنے حساب پیش کرو اور جان لو کہ اللہ کا حساب، لوگوں کے حساب سے زیادہ سخت ہے۔

اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت علیؑ ابوالاسود کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس کی حاضری میں ہونیوالے معاملات کی اطلاع چاہتے ہیں اور ابن عباسؓ کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کو منظور کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت علیؑ مال اور عمال کے بارے میں بڑے محتاط اور بڑے سخت تھے اس معاملے میں ان کی شان حضرت عمرؓ کی سی تھی، وہ حد درجہ اس کے خواہاں رہا کرتے کہ گورنروں کے بارے میں کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ رہے جیسا کہ تم آئندہ صفحات میں پڑھو گے۔

اور اس پر بھی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ ابن عباسؓ کو اس طرح کیسے لکھ دیا اس لئے کہ مالیات کے بارے میں نرمی اور مسلمانوں کے کسی معاملے میں مداہنت آپ کی عادت نہ تھی، تعجب تو اس پر ہے کہ حضرت علیؑ کا خط ملنے پر ابن عباسؓ نے صرف اتنا لکھا:۔

اما بعد - آپ کو جو اطلاع ملی وہ غلط ہے اور میں اپنے زیر تصرف رقم کا اور اس سے زیادہ منتظم اور محافظ ہوں، خدا آپ پر مہربان ہو۔ آپ بدگمانوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ والسلام

ایسا جواب جو نہ پڑھنے والے کو مطمئن بنا سکے، نہ لکھنے والے کو الزام سے بچا سکے، البتہ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کاتب۔ اپنے آپ پر غیر معمولی اعتماد رکھتا ہے اور دوسروں کو کوئی وقعت نہیں دیتا، حالانکہ ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور ان کی سیرت سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ گورنروں سے حساب لینے میں وہ کس قدر سخت تھے۔ ابن عباسؓ اپنے بھائی حضرت علیؑ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ مالیات کے بارے میں وہ نرم نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، جس سے کاتب اور مکتوب الیہ دونوں تشنہ رہتے ہیں، پس آپ نے سختی کے ساتھ تفصیلی حساب پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے ابن عباسؓ کو لکھا:۔

اما بعد - میں تم سے اس وقت تک درگذر نہیں کر سکتا جب تک تم مجھ کو یہ نہ بتا دو کہ تم نے جزیہ کی کتنی رقم لی؟ کہاں سے لی اور کس مد میں اس کو خرچ کیا؟ اگر تم کو امانت سونپی گئی ہے تو اللہ سے ڈرو۔ میں نے تم سے اس کی حفاظت چاہی تھی، یہ دولت جس کا بڑا حصہ تم نے سمیٹ لیا ہے حقیر ہے لیکن اس کی ذمہ داری بڑی سخت ہے۔ والسلام!

حیرت ہے کہ ابن عباسؓ یہ خط لیتے ہیں اور پڑھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کے مال کی حفاظت و انتظام کے ایک ذمہ دار گورنر کی طرح حساب کتاب لے کر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضری نہیں دیتے، نہ ایک چچا زاد بھائی کی طرح قرابت و اخوت کی رعایت کا حق ادا کرتے ہیں، جو امام کو اس کا حق دار خیال کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال اور مفاد کی سپرد کردہ امانت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرے اور اس سلسلے میں والی کو اگر امداد کی ضرورت ہے تو پیش کرے۔ اگر کچھ بھول گیا ہے تو یاد دلائے۔ اگر کچھ کوتاہی ہوگئی ہے تو نصیحت کرے۔

ابن عباسؓ نے ایسی کوئی بات تو نہیں کی البتہ اپنے آپ کو امام کا مدمقابل اور خلیفہ کا ہمسر بنا لیا، اور خیال کرنے لگے کہ وہ خلیفہ کی بازپرس اور اس کے احتساب سے بلند و بالا ہیں، الزام لگانے یا بدگمانی کی بات تو الگ رہی، حالانکہ ابن عباسؓ اور لوگوں سے زیادہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ شیخین ہر مسلمان کو اس کا حق دار جانتے تھے کہ وہ خلیفہ سے بازپرس کرے اور سوال کرے کہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا۔ اسی طرح امام بھی حق دار ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ والیوں اور حاکموں سے ان کے کاموں کا حساب تیار ہے، اور اس سلسلے میں شدت سے کام لے تاکہ وہ کوتاہی اور غفلت نہ کریں اور رعایا کی بدگمانیوں سے محفوظ بھی رہیں پھر وہ بے بس اور کمزور لوگ جو حاکموں کے ظلم و زیادتی سے بچے رہنے کی طاقت نہیں رکھتے خلیفہ کی سخت نگرانی نہ رہنے کی حالت میں اپنے حاکموں کے بارے میں بہت غلط خیال قائم کریں گے۔

ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کا معمول اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ رعایا سے ان کے حاکموں کے بارے میں الزامات اور شکایات خود حاکموں کی موجودگی یا غیر حاضری میں سنتے تھے، پھر جو کچھ بھی پیش کیا جاتا اس کی تحقیق کرتے تھے تاکہ عدل و انصاف کیا جا سکے اور جو ذمہ داری اپنے سر لی ہے اللہ کے سامنے اور لوگوں کے سامنے اس سے عہدہ برا ہوں۔ ابن عباسؓ یہ بھی جانتے تھے کہ بارہا حضرت عمرؓ نے گورنروں کو معزول کرنے کے بعد ان کی دولت تقسیم کی ہے اور یہ کہ حاکموں کے تقرر سے پہلے وہ ان کی دولت کا حساب کرتے تھے، اور معزول کرنے کے بعد جانچتے تھے اور ان کی یہ بات گورنر منظور کرتے تھے، نہ انکار کرتے تھے نہ ناگواری محسوس کرتے اور نہ اپنے کو اس سے اونچا خیال کرتے تھے، اور یہ حاکم کون لوگ تھے نبیؐ کے پسندیدہ متعدد صحابہؓ۔ ابن عباسؓ کو اس کا بھی علم تھا کہ بہت سے مسلمان اور غالباً وہ خود بھی حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے مالی حدود سے کچھ تجاوز نہ کرتے تھے، ان کے حاکموں سے لوگ ناراض ہوئے کہ انھوں نے خود غرضی سے کام لیا، اور مسلمانوں کے مال کے بارے میں غیر معقول رویہ اختیار کرکے معاملات کو پیچیدہ کیا، خود حضرت عثمانؓ کا قتل اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ان کے چچازاد بھائی اسی لئے میلان میں آئے

کہ نبیؐ اور شیخینؓ کی سنت زندہ کریں گے، پس حضرت علیؑ نے اپنے ایک ایک گورنر سے چاہے وہ ابن عباسؓ ہی کیوں نہ ہوں اگر یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے اس مال کا حساب پیش کریں جو ان کے پاس ہے تو یہ کوئی حد سے بڑھی ہوئی بات نہ تھی، اور ان تمام باتوں کے بعد ابن عباسؓ اپنے بھائی کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور ایک ایسا جواب لکھ سکتے تھے جس سے وہ رضامند ہو سکتے جس سے ان کو تکلیف ہوتی نہ خلش، نہ گرانباری، وہ نرم لب ولہجہ میں یہ لکھ سکتے تھے کہ جزیہ میں سے انھوں نے کوئی رقم اپنی ذات کے لئے نہیں لی اور یہ کہ کوئی رقم کسی غلط مد میں صرف نہیں ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کوفے میں جا کر ان سے مل لیتے، اور صاف صاف اپنی باتیں ان کو بتا دیتے، لیکن انھوں نے ان سب باتوں سے گریز کیا اور نہیں چاہا کہ حضرت علیؑ اپنے دوسرے گورنروں کی طرح ان سے بھی برتاؤ کریں، پس اپنا کام چھوڑ دیا، نہ امام کو استعفیٰ دیا اور نہ منظوری کا انتظار کیا، خود ہی کام چھوڑ کر ترک مستقر کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ پھر کوفہ نہیں آئے، نہ عراق میں قیام کیا اور نہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے کہ امام حسابات کی جانچ کا مواخذہ یا معزولی سے پہلے کچھ باز پرس کر سکے، بلکہ مستقر چھوڑ کر سیدھے مکہ چلے گئے جہاں امام کا اقتدار اپنا کام نہیں کر سکتا، جہاں امام ان کو اگر وہ سزا کے مستحق ہیں سزا نہیں دے سکتا، اور حرم میں جا کر مقیم ہو گئے، اپنے امام کی گرفت سے بھی آزاد اور اپنے حریف امیر معاویہؓ کے خطرے سے بھی بے خوف۔

ابن عباسؓ نے اسی غلطی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے بھائی کے حق میں ایسے الفاظ کہے جن سے ان کو حد درجہ تکلیف پہنچی، جو ان کے دل میں چبھنے والا تھا اور بے چین رکھنے والا درد بن کر رہ گیا، ابن عباسؓ لکھتے ہیں اللہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ مسلمانوں کے کچھ مال کی ذمہ داری میرے سر ہو مجھے زیادہ پسند ہے، اس بات سے کہ جمل، صفین اور نہروان کے معرکے میں بہے ہوئے خونوں کی ذمہ داری مجھ پر ہو، گویا ابن عباسؓ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جو جنگ کی وہ اللہ کی راہ میں نہ تھی اور اس سلسلے میں انھوں نے مسلمانوں کا جتنا خون بہایا وہ سب کا سب ملک گیری کے لئے تھا، حضرت علیؑ کے لئے یہ بات کس قدر جگر خراش اور دلدوز ہے۔

بھائی کے لئے یہ سب باتیں تو لکھیں، لیکن ایک بہت چھوٹی مگر بہت اہم بات لکھنا بھول گئے اور وہ یہ کہ ان خونریزیوں میں وہ خود بھی بھائی کے شریک رہے، چنانچہ جمل میں، صفین میں موجود تھے اور ان دونوں معرکوں میں بھائی کی فوجوں کے سپہ سالار تھے، پس وہ اللہ سے ایسی حالت میں نہیں ملیں گے کہ ان کے ذمے صرف مسلمانوں کا کچھ مال ہے بلکہ اس ملاقات میں ان کے دامن پر اس خون کے داغ بھی ہوں گے جو اپنے بھائی علیؑ کی جماعت میں شریک ہو کر بہائے ہیں اور علیؑ میں اور ان میں ایک فرق بھی ہوگا۔ علیؑ نے تو اس ایمان اور عقیدے کے ساتھ یہ خونریزی کی ہے کہ وہ حق کی راہ میں لڑ رہے ہیں اور ان کی یہ ساری خونریزی ملک گیری اور اقتدار کی ہوس میں ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے بھائی کا یہ خط پڑھا تو ایک جملے سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے جو دوست دشمن سبھی سے نہایت تلخ مایوسی کی ایک تصویر ہے۔ فرمایا "گویا ابن عباسؓ ان خونریزیوں میں ہمارے شریک نہ تھے۔"

ابن عباسؓ کا خط پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ اس میں کتنی سختی اور کیسی سنگدلی ہے، خلافت سے قبل ابن عباسؓ کو حضرت علیؑ سے جو اخوت تھی اور خلافت کے بعد جو خلوص اور خیر خواہی تھی خط پڑھ کر دیکھیے کہ اب اس سے کس درجہ انکار ہے۔ لکھتے ہیں:-

"امّا بعد! مال میں سے کچھ لینے کی اطلاع آپ تک پہنچائی گئی ہے، میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ اس کو بہت بڑھا چڑھا رہے ہیں، بڑی اہمیت دے رہے ہیں، خدا کی قسم زمین کے اندر جو کچھ چاندی سونا ہے اور اس کے اوپر جس قدر مال و دولت ہے سب کی ذمہ داری لے کر خدا کے پاس جانا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں امارت اور اقتدار کے لئے امت کا خون بہانے کی ذمہ داری لے کر جاؤں، جس کو آپ چاہیں اپنا حاکم بنا کر بھیج دیجئے۔"

ایک خلیفہ اور اس کے گورنر کے درمیان اس قسم کی غیظ و غضب کی بات پھر ایک شخص کے چچازاد بھائی کے درمیان ایسی سخت کلامی نہ ہوتی، اگر ابن عباسؓ شیخین کی اور حضرت علیؑ کی سیرت پیش نظر رکھتے اور اپنے آپ کو نظر انداز کر دیتے۔ لیکن انھوں نے اپنی ذات کو ذرا بھی نظر انداز نہیں کیا، اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کے ایک شہر پر حضرت علیؑ کی طرف سے والی ہیں اور یہ کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کریں گے اور رعایا میں انصاف کریں گے۔

ابوالاسود رعایا کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا حق رکھتے ہیں کہ وہ امام کے سامنے اپنے حاکم سے جھگڑا کریں، پھر یہ کہ وہ بصرہ کے بیت المال پر امام کی طرف سے امین ہیں، ان کے فرائض میں سے ہے کہ حکمران کے تصرفات میں جو بات ان کی نگاہ میں مشکوک ہو اس کی اطلاع امام کو دیں۔ لیکن ابن عباسؓ نے نہ صرف غصے میں طیش کی باتیں کیں اور حیرت انگیز بے جا تصرف کیا بلکہ اس سے بھی بری ایک حرکت کی جس نے نہ صرف امام کو خفا کیا بلکہ اس سے تمام رعایا اور خصوصاً بصرہ کے لوگ سخت ناراض ہوئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابن عباسؓ مکہ روانہ ہو گئے، لیکن اس طرح خالی ہاتھ نہیں جیسا تقرر کے وقت بصرہ آئے تھے بلکہ بیت المال سے جتنا مال منتقل کیا جا سکتا تھا وہ سب ساتھ لے کر۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس مال میں ان کا جتنا حق ہے، اتنا ہی تمام بصرہ والوں کا بھی ہے۔

ابن عباس کا اندازہ تھا کہ بصرہ کے لوگ اس مال کے لے جانے میں کسی طرح حارج نہیں ہوں گے۔

جس کا اندازہ مورخوں نے ۶۰ ہزار درہم لگایا ہے، اس لئے انھوں نے اپنے ماموؤں میں سے بنی ہلال کو بلوایا اور کہا کہ اجرت لے کر اسکو محفوظ جگہ پر پہنچا دیں، چنانچہ انھوں نے ایسا کر دیا۔ اب وہ بصرہ سے نکلے، ان کے پاس مسلمانوں کا مال تھا، جس کی حفاظت ان کے ماموں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بصرہ کے لوگوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اور انھوں نے چاہا کہ جو کچھ وہ لے جا رہے ہیں ان سے واپس لے لیں، اور قریب تھا کہ بنی ہلال کے آدمیوں میں اور بصرہ کے دوسرے عربوں میں آویزش ہو جائے، بنی ہلال اپنے بھانجے کی حمایت میں غصے سے بھرے ہوئے تھے اور قدیم عرب عصبیت تازہ کر کے پوری قوت سے آمادہ ہو گئے تھے کہ اپنے عزیز کی مدد ضرور کریں گے، چاہے وہ ظالم ہو چاہے مظلوم۔ بصرہ کے باقی عرب کشمکش میں تھے کہ ان کا ان کی موجودگی میں غصب کیا جا رہا ہے، لیکن بنو ازد کے کچھ سنجیدہ لوگوں نے موقع کی نزاکت کا احساس کیا، اور اپنے پڑوسی بنی ہلال کو گھروں میں کر دیا۔ اسی طرح بنی ربیعہ کے کچھ حلیم الطبع افراد اور احنف بن قیس اور اس کے ساتھی تمیمیوں نے بھی ازدیوں کا ساتھ دیا، لیکن بنی تمیم کے باقی آدمیوں نے طے کر لیا کہ لڑیں گے اور یہ مال واپس لیکر رہیں گے، چنانچہ ان کے اور بنی ہلال کے درمیان جھڑپ شروع ہو گئی اور فریقین میں خونریزی ہونے ہی والی تھی کہ بصرہ کے کچھ عقلمند بنی تمیم کے پاس پہنچ گئے اور ان کو جھگڑے کی جگہ سے واپس لا کر بنی ہلال سے علیحدہ ہوئے اس کے بعد ابن عباس مطمئن ہو کے ساتھ ماموؤں کی حفاظت میں سارا مال لیکر بیت الحرام کے سایہ امن میں پہنچ گئے! اور پہنچتے ہی خوشحالی اور عیش کی زندگی جینے لگے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ تین ہزار دینار میں تین حور وش لونڈیاں خرید لیں، حضرت علیؑ کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے لکھا:

"اما بعد - میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا تھا میرے گھر والوں میں تم سے زیادہ بھروسے کے لائق کوئی آدمی نہ تھا جو میری ہمدردی کرتا، میری تائید کرتا اور امانت مجھے واپس کرتا لیکن تم نے دیکھا کہ اب بھائی کے وہ دن نہیں رہے، دشمن حملہ آور ہے، لوگوں کی دیانت خراب اور امت فتنوں سے دوچار ہو چکی ہے، تو تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں، چھوڑنے والوں کے ساتھ تم نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور بری طرح اس کو بے یار و مددگار کر دیا، غداروں کے ساتھ تم نے بھی اس سے بے وفائی کی۔ نہ ہمدردی کی، نہ امانت واپس کی، گویا جہاد میں تمہارے پیش نظر اللہ نہ تھا، تم کو اپنے خدا کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ تھی، یا پھر تم محمدؐ کی امت کے ساتھ ان کی دنیا حاصل کرنے کے لئے چال چل رہے تھے، گویا تم جنت کے مال سے لوگوں کی غفلت کے منتظر تھے اور جیسے ہی موقع ملا دوڑ پڑے جست لگائی اور جتنی دولت لوٹ سکے ایک لاغر بکری کو خون خون کر دینے والے تیز بھیڑیئے کی طرح جھپٹ لیا۔ سبحان اللہ!

کیا قیامت پر تمھارا ایمان نہیں ہے، اور کیا بعد میں بُری طرح حساب نہیں ہوگا! اور کیا تم جانتے نہیں کہ حرام کھاتے ہو اور حرام پیتے ہو؟ کیا تم پر گراں نہیں کہ تم لونڈیوں کی قیمت لگنے پر اور عورتوں سے نکاح پر، یتیموں، بیواؤں اور مجاہدوں کا مال خرچ کرتے ہو جن پر اللہ نے شہروں سے غنیمت بھیجا ہے اللہ سے ڈرو، قوم کا مال واپس کردو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو بخدا اگر مجھے موقع ملا تو میں تمھارا انصاف کروں گا اور حق حقدار تک پہنچاؤں گا، ظالم کو ماروں گا اور مظلوم کا انصاف کروں گا۔" والسلام

مذکورہ بالا الفاظ میں حضرت علیؑ نے، پیچھنے اور چٹکیاں لینے والے غم والم کا جس طرح بیان کیا ہے، لوگوں سے انتہائی مایوسی، ان کی وفاداری، ان کے پاس عہد اور ادائے امانت میں تنگ کی جو تصویر کھینچی ہے، حرص وہوس کی اتباع اور صحیح مسلک پر باقی نہ رہنے کا جو نقشہ پیش کیا اور ان حالات میں بھی اللہ کے حق اور مسلمانوں کے مال کے لئے جس طرح غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بلیغ اور موثر تعبیر کسی اور نے کی ہے۔

لیکن اس تلخ مکتوب کا جواب ابن عباسؓ جن الفاظ میں دیتے ہیں، ان سے اس کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا، کہ ان کو صرف اپنی ذات پر اعتماد ہے، دوسروں کی رائے ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

" امابعد، مجھے آپ کا خط ملا، میں نے بصرہ کے مال سے جو کچھ لے لیا ہے، آپ اس کو میرے لئے بڑی اہمیت کی بات بتارہے ہیں، بخدا میں نے جو کچھ لیا ہے بیت المال میں میرا حق اس سے کہیں زیادہ ہے۔ والسلام"

اس حیرت انگیز جواب پر مجھے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں جس سے نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے نہ ذمہ داری ساقط ہوتی ہے، اور اس درد انگیز خط وکتابت کو حضرت علیؑ کے جواب پر ختم کرتا ہوں۔

امابعد۔ آپ کی یہ خوش فہمی حیرت انگیز ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے آپ کو ایک عام مسلمان سے زیادہ کا حق ہے، آپ کامیاب تھے، اگر یہ باطل تمنا اور بے جا دعویٰ آپ کو گناہ سے بچا سکتا، خدا آپ کو سلامت رکھے اس حیثیت سے آپ کی منزل کوسوں دُور ہے، مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے مکہ کو اپنا وطن بنالیا ہے، اور وہیں ڈیرا ڈنڈا ڈال دیا ہے اور مدینہ اور طائف کی جوان لونڈیاں اپنی نگاہوں سے پسند کرکے خریدی ہیں۔ اور دوسروں کا مال دے کر ان کی قیمت ادا کی ہے۔ بخدا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جو کچھ آپ نے مسلمانوں کے مال سے لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہو اور اسے ترکے میں چھوڑ دوں۔ پس مجھے کیوں حیرت نہ ہو کہ

آپ اس حرام کو خوشی خوشی کھا رہے ہیں، تھوڑے دن لطف اٹھا لیجیے اور اپنی جگہ رکے رہیئے آپ کے لئے وہ منزل آگئی جہاں سے فریب خوردہ حسرت کو پکارتا ہے۔ اپنی حد سے بڑھا ہوا توبہ کی تمنا کرتا ہے اور ظالم کے دل میں باز آجانے کی آرزو پیدا ہوتی ہے لیکن وہ وقت پکارنے اور تمنا کرنے کا نہ ہوگا۔ والسلام

بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کو بعض مقامات کی حکومت سپرد کرنے کا ارادہ کیا، پھر اپنے لئے اور ابن عباسؓ کے لئے خطرہ سمجھ کر باز آگئے، اپنے لئے یہ خطرہ کہ غنیمت میں سے کچھ کھا لینے کی تاویل کریں گے، ان کے لئے یہ خطرہ کہ یہ حکمرانی ان کو گناہ سے آلودہ کر دے گی۔

انہی راویوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے جب ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم بنایا تو جو کچھ انہوں نے اپنی ذات کے لئے مباح کر لیا تھا، اس کے لئے ذیل کی آیت کی تاویل کی:-

واعلموا ان ما غنمتم من شیءٍ فان للّٰہ خمسہ و للرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل۔

اور جان لو کہ جو کچھ تم کو بطور مال غنیمت ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کُل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا اور ایک حصہ آپکے قرابت داروں کا اور ایک حصہ مسافروں کا ہے۔

ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے ان کو خمس میں کچھ حصے کا حق ہے جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور ابن السبیل کے لئے مقرر کیا ہے لیکن ابن عباسؓ میری نظر میں اپنے دین اپنے علم و عقل اور اپنی رائے کی صحت کے پیش نظر اس تاویل سے بلند و بالا ہیں، بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ ان کا حق اس خمس میں دوسرے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے بڑھ کر نہیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے لئے یہ مناسب نہیں بلکہ حلال نہیں کہ اس خمس میں سے خود ہی اپنا حق لے لیں۔ انھیں اپنا یہ حق بھی اسی امام سے لینا چاہیئے جو اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ان کا مال تقسیم کرے اور ان کے مصالح عامہ میں خرچ کرے اور اسی کو اس خمس میں سے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کرنا ہے۔

ابن عباسؓ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا مسلمان یہ جانتا کہ بیت المال میں اس کا حق ہے اور وہ خود ہی لے لینا چاہے وہ اپنے حصے میں کچھ بھی کمی بیشی نہ کرتا، لیکن حدود سے تجاوز کرنے والا ہوتا اور امام کا حق ہوتا کہ اسے واجبی سزا دے۔

علاوہ ازیں ابن عباسؓ جانتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت اور رشتہ داری کی بناپر خمس کی مستحقوں میں

تقسیم کے معاملے میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعجب ہے کہ بہت سے محدثین نے احتیاط کے پیش نظر اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، ان کی نگاہ میں ابن عباسؓ کا نبیؐ سے جو تعلق ہے اور دین میں تفقہ کا جو درجہ ان کو حاصل ہے اس میں اس قسم کی زیادتی اور خلیفہ کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

لیکن دوسرے راویوں نے اس واقعہ کے بیان میں غلو سے کام لیا ہے، ان کا خیال ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؑ کے آخری خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اگر آپ اپنی تحریروں سے مجھے معاف نہیں رکھیں تو یہ مال میں امیر معاویہؓ تک پہنچا دوں گا، جسے وہ آپ کے مقابلے پر خرچ کریں گے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ابن عباسؓ اس حد تک نہیں پہنچے تھے۔ اور اپنے بھائی کے خلاف انھوں نے ایسی کھلی مخالفت نہیں کی، لیکن اس واقعہ کے نتائج حضرت علیؑ کے اقتدار اور آپ کے ساتھیوں کے حق میں براہ راست بڑی مصیبت ثابت ہوئے۔

بصرہ پر معاویہؓ کی نگاہیں

انتہائی مذموم قابلِ نفرت اور رسوا کن صورت میں یہ نتائج ظہور پذیر ہوئے، جن سے نہ صرف حضرت علیؓ اپنے رشتہ داروں، ساتھیوں اور اپنے اقتدار کے بارے میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے بلکہ اس سیاسی نظام کو بھی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ نظام خلافت کا نظام تھا، خود اسلام کا ایک پہلو بھی ان نتائج کی زد میں آگیا، جس پر نبیؐ اور خلفاء کی توجہ حرص کے درجے میں تھی۔ یہ پہلو خاندانی عصبیت کے خاتمے کا پہلو ہے، جس کے عرب، عہدِ جاہلیت میں بڑے خوگر تھے، امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ عراق میں حضرت علیؓ کمزور ہو رہے ہیں، ان کے ساتھی جو بجائے خود کمزور، بے بس اور نافرمان ہیں ان سے الگ ہو رہے ہیں تو مصر سے فراغت پاتے ہی بصرہ کی طرف توجہ کی، جس کی اہمیت مصر سے کسی صورت کم نہ تھی، اور جس کے مضافات میں فارس کے علاقے آجاتے ہیں۔ امیر معاویہؓ نے سوچا کہ بصرہ میں عثمانیت کا کافی زور ہے، بصرہ والوں نے حضرت عائشہؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے شورش بپا کی تھی، جمل کے معرکے کی یاد ابھی ان کے دلوں سے فراموش نہیں ہوئی، ان کے انتقام کے زخم ابھی بھرے نہیں، پھر ابن عباسؓ بھائی سے ناراض ہو کر بصرہ چھوڑ چکے ہیں۔ پس انھوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کو ابھاریں اور انتقام کی یاد دلا کر قصاص کے لئے پھر سے آمادہ کریں۔

چنانچہ عمرو بن عاصؓ نے اس خیال کی تائید کی، بلکہ عملی اقدام کے لئے زور بھی دیا، تب امیر معاویہؓ نے ایک سخت آدمی کو جس کا حضرت عثمانؓ سے رشتہ بھی تھا منتخب کیا۔ اس کا نام عبداللہ بن عامر حضرمی ہے، یہ مقتول خلیفہ کا خالہ زاد بھائی ہے اسکو بصرہ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ بنی تمیم کے ہاں جانا اور بنی ازد سے دوستی اور تعلقات کا اظہار کرتے رہنا، البتہ بنی ربیعہ سے بچے رہنا، اس لئے کہ وہ حضرت علیؓ کے طرفدار ہیں، عبداللہ بن عامر بصرہ پہنچ کر بنی تمیم کو اپنانے میں تو کامیاب ہو گیا، لیکن احنف بن قیس کو وہ اپنے ساتھ نہ ملا سکا، اس لئے کہ وہ معرکہ جمل کے بعد سے اپنے چند ساتھیوں سمیت کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔

ابن عباسؓ بصرہ زیادہ کے حوالے کر کے وہاں سے نکل چکے تھے، زیاد نے چاہا کہ ربیعہ کی پناہ میں چلا جائے لیکن اس کے بعض سرداروں کا تذبذب اور تردد دیکھ کر بنی ازد سے درخواست کی، ازدیوں نے اس شرط پر

پناہ دی کہ قصر امارت چھوڑ کر ان کے قبیلے میں قیام کرے اور اپنے ساتھ بیت المال اور منبر بھی لائے۔ چنانچہ زیاد نے یہ منظور کر لیا، اور شرط پوری کر دی، اب بصرہ متعدد ٹولیوں میں بٹ گیا۔ ایک ٹولی امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں کی بنی اور ان کے قاصد عبداللہ ابن عامر کے ساتھ ہوگئی۔ دوسری احنف ابن قیس کے ساتھ خانہ نشین ہوگئی۔ تیسری ٹولی جس کی صفوں میں کچھ انتشاری کیفیت تھی واقعات کے انتظار میں تھی یہ بنی ربیعہ کے لوگ تھے۔ چوتھی ٹولی اُن لوگوں کی تھی، جس کے پیش نظر نہ علیؓ تھے، نہ عثمانؓ، نہ معاویہؓ وہ معاملات کو صرف خاندانی حسب و نسب کی عینک سے دیکھتی تھی چنانچہ وہ اپنی پناہ میں آنے والے کی حامی بن گئی، جواب ان کے قبیلے میں قیام پذیر ہو چکا تھا، یہ بنی ازد کی ٹولی تھی، اس کا دل غالباً عبداللہ بن عامر کی طرف سے کچھ میلا ہو چکا تھا، اس لئے کہ اس نے تمیم پر بھروسہ کیا اور انہی میں مقیم ہوا، ان کے پاس نہیں آیا۔

اس طرح خاندانی عصبیت بہت بُری صورت میں سامنے آئی جس کی وجہ سے بصرہ کے لوگ حکومت سے زیادہ اپنے قبیلے کی رعایت کرنے لگے، امام سے زیادہ اہمیت ان کی نگاہ میں خاندانی حسب نسب کی ہوگئی، اب وہ دین سے زیادہ خاندان کی بنیاد پر غصہ اور اشتعال قبول کرتے لگے اور آپس میں مقابلہ نے لگے کہ کون اپنے پناہ گیر کی حمایت میں، اپنے حریف سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے اور ثابت قدمی بتاتا ہے۔

زیاد نے حضرت علیؑ کو واقعات کی اطلاع دی لیکن وہ جنگ کی طرف مائل نہیں ہوئے، انھوں نے بنی تمیم کے پاس ایک تمیمی اُعین بن ضبیعہ کو بھیجا تاکہ ان کو ہوش کی باتیں بتائے، لیکن جیسے ہی اُعین نے گفتگو کا ارادہ کیا، تمیمیوں نے اختلاف کیا اور اس سے علیحدہ ہوگئے۔ پھر ایک رات اس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ ہی کر دیا، زیاد نے اس کا قصاص لینا چاہا کہ بنی تمیم پر حملہ آور ہو لیکن بنی اُزد نے مزاحمت کی اور کہا، عہد و پیمان میں یہ نہیں ہے کہ جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں، ہم تو صرف اس کے پابند ہیں کہ تمہاری اور بیت المال کی حفاظت کریں۔

زیاد نے حضرت علیؑ کو اعین ابن ضبیعہ کے انجام کی خبر دی تو آپ نے ایک دوسرے تمیمی جاریہ ابن قدامہ کو بلایا اور اس کو اس قوم کی طرف بھیجا لیکن اب کے آپ نے اس کو تنہا نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ چھوٹی سی فوج بھی کر دی۔

بصرہ پہنچتے ہی جاریہ نے زیاد سے تبادلہ خیالات کیا، پھر تمیمیوں سے ملا ان سے بھی باتیں کیں کچھ لوگ تو مطمئن ہو گئے اور مان لیا اور کچھ مخالف ہی رہے اس کے بعد جاریہ کوفے سے ساتھ آنے والوں اور بصرہ کے حامیوں کو لیکر

عبداللہ بن عامر سے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا، اور بالآخر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دی۔ عبداللہ بن عامر اور اس کے ساتھ اس کے ستر آدمیوں نے بصرہ کے ایک گھر میں اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ بصرہ کے ایک پرانے قلعہ میں پناہ لی، جاریہ نے ان کو دھمکی دی اور اپنی مجبوری بتائی لیکن انھوں نے محصور ہونا گوارا کر لیا اور کوئی بات منظور نہیں کی، تب جاریہ نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا اور گھر کے کنارے رکھ کر اس میں آگ لگا دی جس سے پورا گھر، گھر والوں سمیت جل گیا، ایک بھی نہ بچ سکا، اس کامیابی پر اَزدی عصبیت خوشی کے ترانے گانے لگی، اور جب زیاد اور بیت المال حکومت کی کوٹھی میں واپس آ گیا اور منبر بھی جامع مسجد میں اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا تو ازدی شاعر عمرو بن اردس عودی نے اپنی قوم کے حسب پر فخریہ شعر کہا۔

ردنا زیادا الی دارہ	وجار تمیم دخانا ذھب
ہم نے زیاد کو اس کے گھر تک پہنچا دیا	اور تمیم کا پڑوسی دھواں بن کر اُڑ گیا
لحی اللہ قوما شووا جارھم	وللشاء بالدرھمین الشصب
اللہ اس قوم کو غارت کرے جو اپنے پڑوسی کو بھونتی ہے	حالانکہ دو درہم میں چھلی ہوئی بکری ہے
ینادی الخناق وخما بھا	وقد سمطوا راسہ باللھب
گلا گھونٹنے کے لئے رسی اور خادم بلا رہے ہیں	اور سر شعلوں سے جھلس رہے ہیں
ونحن اناس لنا عادۃ	لنحامی عن الجار او یعتصب
اور ہم وہ لوگ ہیں جن کی عادت ہی یہ ہے	کہ پڑوسیوں کی طرح حفاظت کریں
حمیناہ اذ حل ابیاتنا	ولا یمتنع الجار الا المحب
زیاد جب ہمارے گھروں میں آیا تو ہم نے اُسکی حفاظت کی	اور خانگی جب ہی پڑوسی کی حمایت کر سکتا ہے
ولم یحرزوا حرمۃ للجوا	راو اعظم الجار قوم نجیب
اُنھوں نے پڑوسی کی حرمت نہیں پہچانی	نجیب قوم کی نگاہ میں پڑوسی کی بڑی اہمیت ہے
کفعلھم قبلنا بالزبیر	عشیۃ اذ بزہ یستلب

زبیر کے ساتھ جب شام کے وقت ان کا اسباب لوٹا جا رہا تھا انھوں نے جو کچھ کیا وہی اب کر رہے ہیں

اس شاعر کو دیکھیے نہ علیؑ کا ذکر کرتا ہے نہ عثمانؓ کا نہ کسی دین اور رائے کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ اس کے نزدیک امام کی اطاعت اور اقتدار کی وفاداری کوئی اہمیت رکھتی ہے وہ تو صرف زیاد کا تذکرہ کرتا ہے جس نے اس کی قوم سے پناہ طلب کی اور قوم نے حفاظت کا حق ادا کر دیا، اور بنی تمیم کو ملامت کرتا ہے اور شرم دلاتا ہے کہ انھوں نے پناہ گیروں کی کچھ خبر گیری نہیں کی ان کے ساتھ غداری کی اور آگ میں جھونک دیا حالانکہ

پناہ دی تھی اور امن کا ذمہ لیا تھا جس طرح اس کے پہلے زبیر کے ساتھ کہ ان کو قتل بھی کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا چھین بھی لیا۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد جریر نے ازد کی مدح میں اور فرزدق کے ساتھی مجاشع کی ہجو میں کہا :-

غدرتم بالزبیر فما وفیتم — وفاء الازد اذ منعوا زیادا
تم نے زبیر کے ساتھ غداری کی — تم نے ازد جیسی وفاداری نہیں کی

فاصبح جارهم بنجاة عز — وجار مجاشع اضحی رمادا
ازد کا پڑوسی معزز رہا — اور مجاشع کا پڑوسی راکھ کا ڈھیر ہو گیا

فلو عاقدت حبل ابی سعید — لذاد القوم ما حمل النجادا
اگر ابو سعید کی رسی پکڑتے — تو قوم تلوار اٹھانے تک حمایت کرتی

وادنی الخیل من رهج المنایا — واغشاها الاسنة و الصعادا
اور گھوڑوں کو موت کے شور کے قریب کر دیتی — اور نیزوں سے اسکو ڈھانپ لیتی ہے

اگر ابن عباسؓ اپنے بھائی علیؑ کے وفادار رہتے تو امیر معاویہؓ کو ہمت نہ ہوتی اور ہرگز وہ اس علاقے کا حوصلہ نہ کرتے جس کو علاقہ والوں نے ضائع کر دیا اور لوٹنے والوں کے لئے چھوڑ دیا۔ علاوہ ازیں اس خاندانی عصبیت اور اس مذموم اور یکایک پیش آجانے والے مظاہرے کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے اور اپنے امام کو اس سخت مصیبت سے بچا لیتے جو ان کی دوسری شدید مصیبتوں میں ایک اضافہ ہوئی اور مزید خرابیوں کا باعث۔

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ یہ واقعات کوفہ میں ابن عباسؓ کی موجودگی میں ہوئے جب وہ حضرت علیؑ کو محمد ابن ابوبکرؓ کے قتل پر تسلی دینے آئے تھے اور مصر پر عمرو بن عاص کا قبضہ ہو چکا تھا، لیکن یہ خیال درست نہیں، اگر ابن عباسؓ حضرت علیؑ کے پاس ہوتے تو ان خبروں کے ملتے ہی فوراً بصرہ واپس ہو جاتے اور ہرگز اس کا انتظار نہ کرتے کہ زیاد اعین اور جاریہ ان کے فرائض انجام دیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ثالثی کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ حضرت علیؑ کی طرف سے ڈھیلے پڑ گئے، چنانچہ شام پر حملے کا جب حضرت علیؑ نے ارادہ کیا تو وہ ساتھ نہیں گئے اور نہروان کے معرکے میں بھی شرکت نہیں کی صرف بصرہ کے لوگوں کی ایک فوج بھیج دی اور بیٹھ رہے۔ پھر جو کچھ ہونا تھا ہوا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ امیر معاویہؓ کی چال

امیر معاویہؓ مصر کی طرح بصرہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکے اور نہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی چال کر سکے، نہ مصر کی طرح یہاں فتنہ و فساد کر سکے۔ البتہ عبداللہ بن عامر حضرمی کو بُری طرح موت کا شکار بنادیا، لیکن پھر بھی بصرہ کی فضا بڑی حد تک خراب کردی، یہ بات ناقابل ذکر نہیں کہ انھوں نے بصرہ میں ایک کشیدگی پیدا کردی جو خواہ ہنگامی رہی ہو، یا عرصہ تک اس کے اثرات باقی رہے ہوں، اور یہ کہ زیاد کو مجبور کردیا کہ اپنے آپ کو اور بیت المال کو جاہلیت کی رسم کے مطابق کسی عربی قبیلے کی پناہ میں دیدے، مزید برآں پوری آبادی میں اضطراب اور ہیجان پیدا کردیا جس سے کینے اور دشمنی کے جذبات پھیلے اور لوگ باہم فساد پر آمادہ ہوگئے، پھر امیر معاویہؓ نے ان باتوں سے اندازہ لگایا کہ عراق میں حضرت علیؓ سے کھلی جنگ کا ابھی وقت نہیں آیا پس انھوں نے ایک دوسری راہ اختیار کی جو کھلی لڑائی سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ جس نے لڑائی سے زیادہ لوگوں کو خائف اور دہشت زدہ بنادیا، جس نے عراق والوں کو پوری شدت کے ساتھ باور کرادیا کہ وہ مسلسل خطرات اور مستقل مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، اور جس نے ان کو محسوس کرادیا کہ حضرت علیؓ کا اقتدار کمزوری اور ابتری کی اس حد میں داخل ہوچکا ہے کہ اب اس سے کچھ بن بگڑ نہیں سکتا، اور وہ لوگ ہر وقت امیر معاویہؓ کی زد میں ہیں، جب وہ چاہیں، جس طرح چاہیں ان کو لوٹ سکتے ہیں یا مار سکتے ہیں۔

چنانچہ امیر معاویہؓ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بناکر میدان جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کے حدود میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیج دیئے، اور ان کو لوٹ وغارت کا حکم دے دیا۔ بعض اوقات ان دستوں کو حدود میں کافی دور تک گھس جانے کا اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا جاتا، اس کے بعد یہ فوجی دستے اُلٹے پاؤں غنیمت کا مال ساتھ لے کر واپس آجاتے اور اپنے پیچھے پراگندگی اور دہشت کے آثار چھوڑ آتے، یہ اقدام تو ایک زہریلی سوئی کا سا تھا، جو عراق میں مقیم جسموں میں تیزی کے ساتھ بار بار چبھائی جارہی تھی، جس سے خون کے ساتھ رگوں میں زہر سرایت کرتا تھا، بالآخر ناتوانی اور یاس کی منزل آجاتی، جہاں پہنچ کر یہ جسم ذلت اور پستی کی نیند سو جاتے۔

ضحاک ابن قیس کو معاویہؓ ایک فوجی دستہ ساتھ کرکے شام سے متصل صحرائے عراق میں بھیجتے ہیں، اسی طرح سفیان ابن عوف کو ایک دوسری طرف روانہ کرتے ہیں اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حدود میں گھستے گھستے

مقام انبار تک چلا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تاراج کر کے کافی مال غنیمت ساتھ لائے، پھر نعمان بن بشیر کو تیسری سمت اور مسعد فزاری کو چوتھی سمت روانہ کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ لوٹ مار کی یہ خبریں سن کر بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں لوگوں کو بلاتے ہیں لیکن کوئی سنتا نہیں، حکم دیتے ہیں کوئی مانتا نہیں۔

کوفہ والوں کے دل خوف اور ذلت سے بھر چکے تھے، وہ ایک دوسرے سے بے نیاز اور اسی پر قانع تھے کہ شہر اور شہر سے تھوڑی دور تک میں امن و چین کی زندگی جیتے رہیں، ان کے پیش نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ کسی طرح زندگی کے دن کاٹیں، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کو انتہائی غصہ آیا اور ایک دن وہ دل ہلا دینے والا خطبہ دیا جو ساتھیوں سے آپ کی انتہائی مایوسی کی، آپ کے گہرے غیظ و غضب کی اور کسی وقت بھی جدا نہ ہونے والے آپ کے رنج و غم کی ایک سراپا تصویر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

اما بعد۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا۔ اللہ اس کو حقیروں کے ہاتھ ذلت اور خواری کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔ میں نے تم کو ان لوگوں سے لڑنے کی رات دن دعوت دی، مخفی طور پر کہا اور علانیہ کہا کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے تم مقابلے میں آ جاؤ۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس قوم کے گھر پر حریف چڑھ کر لڑنے آئے، وہ ذلیل ہو گی۔ تم سب نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا ہر آمی دوسرے پر ٹھیلتا رہا، میری بات تم پر گراں گذری، تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ تم لوٹے جا رہے ہو۔ اخو غامد[1] اور اس کے سوار انبار تک گھس گئے اور حسان بن حسان[2] اور بہت سی عورتوں اور مردوں کو قتل کر دیا، خدا گواہ، مجھے بتایا گیا کہ مسلم اور ذمی عورتوں تک پر غارت گر پہنچتے ہیں، اور ان کے پازیب آویزے تک اتار لیتے ہیں، اور کافی مال و متاع لے کر واپس چلے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو معمولی زخم نہیں آتا اگر ان کے پیچھے کسی مسلمان کی جان چلی جائے تو میرے نزدیک ملامت کی بات نہیں بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیے، حیرت اور سخت حیرت کی اور دلوں کو مردہ، اور دماغوں کو حیران اور غموں کو بڑھا دینے والی بات ہے کہ وہ اپنے باطل پر اس طرح متحد اور جمے ہوئے ہیں، اور تم حق پر ہو کر بھی اس طرح ناکام و نامراد ہو، حالت یہ ہے کہ تم تیر نہیں چلاتے، بلکہ دوسروں کے تیروں کے نشانہ ہو، تم حملہ آور نہیں، دوسرے تم پر حملہ کرتے ہیں، تم پر دست درازی کر کے اللہ کی معصیت کی

---

[1] یعنی سفیان ابن عوف جو یمن کے قبیلہ غامد میں سے ہے [2] یعنی حسان بن حسان بکری جو انبار میں حضرت علیؑ کے عامل تھے۔

جاتی ہے، اور تم گوارا کرتے ہو۔ جب میں نے تم سے موسم سرما میں کہا کہ ان پر حملہ کر دو تو تم نے کہا کہ یہ تو سردیوں کے دن ہیں، اور جب میں نے گرمیوں میں کہا کہ ان سے لڑو تو تم نے جواب دیا ابھی شدت کی گرمی ہے، گرمیوں کے دن جانے دیجئے، تو جب تم سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو بخدا تلواروں کے سامنے تمہاری گرد بھی نہ ہوگی۔ اے مرد نما لوگو! اے خواب کے بندو! اے پردہ نشینوں کی عقلو! خدا کی قسم تم نے اپنی نافرمانی سے میری تدبیریں غلط کر دیں اور مجھے غصے سے بھر دیا اتنا کہ قریش نے میرے متعلق کہا: ابو طالب کا لڑکا بہادر ضرور ہے لیکن لڑائی میں صاحب تدبیر نہیں۔ ان نکتہ چینیوں کے کیا کہنے، مجھ سے زیادہ لڑائی کا ماہر اور مرد میدان کون ہوگا۔ بخدا میری عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ میدان جنگ میں کود پڑا اور آج ساٹھ سے آگے ہوں، لیکن جس کا حکم نہیں چلتا اس کی رہنمائی کیا؟"

یہ اور اس قسم کی تقریریں بعض ان لوگوں کے دلوں میں جذبات پیدا کرتی تھیں جو اپنے تمدنی حسب کی قدروں کا احساس رکھتے تھے، انھیں میں سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں ترتیب دی جاتیں پھر حضرت علیؓ ان کے لئے امیر مقرر فرماتے اور ان غارت گروں کے تعاقب میں بھیجتے۔ کبھی کبھی ان کو پالیتیں اور کبھی پیچھے رہ جاتیں۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے عراق اور حضرت علیؓ پر حرص کی نگاہ ڈالی اور مسلسل حملے کرتے رہنا اپنی پالیسی رکھی اور حریف کو مجبور کر دیا کہ وہ کمزور سی مدافعت کرتا رہے جس سے نہ کوئی خرابی دور ہو سکتی تھی اور نہ کسی شر کو روکا جا سکتا تھا

معاویہؓ کی نگاہیں عربی شہروں پر

سرحد پر حملوں کے یہ تجربات امیر معاویہؓ کے لئے اطمینان بخش ثابت ہوئے، اس لئے اُنھوں نے ارادہ کیا کہ اب قدم آگے بڑھائیں اور لوٹ و غارت کا سلسلہ عربی شہروں تک پہنچا دیں۔ عربی شہر معاویہؓ کی زد میں تھے مکہ بلد الحرام تھا جہاں خونریزی نہیں ہو سکتی تھی، اور جہاں طرفین سے کوئی بھی اس کے قریب و جوار میں لڑائی نہیں کر سکتا تھا، مدینہ کے لوگ الگ تھلگ عافیت میں تھے، ان کا خیال تھا کہ دار الہجرت میں ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ مسجد نبویؐ کے سائے میں ہیں اور دار الحکومت کوفہ میں منتقل ہو چکا ہے اُن پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ اور وہیں کے نبرد آزما بڑی تعداد میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہیں اور کچھ تھوڑے سے امیر معاویہؓ کے ساتھ۔

یمن میں حضرت عثمانؓ کے طرفدار ہیں، حضرت علیؓ کے حاکم عبید اللہ بن عباسؓ کی مخالفت اور مقابلہ کرتے رہتے ہیں، مگر اس مقابلہ کی حد لڑائی نہ تھی بلکہ یہ لوگ ایسی حرکتیں کرتے جس سے عبد اللہ بن عباسؓ سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے، پھر یہ لوگ اس سختی کی مذمت کرتے۔

یمن کے ان عثمانیوں کی بات آگے چل کر اتنی بڑھی کہ حاکم کو حضرت کے پاس لکھنا پڑا، حضرت علیؓ نے ان کی درستی اور اصلاح کے لئے آدمی بھیجا اور ان کو فوج طلب کر لینے کی دھمکی دی، تب لوگوں نے امیر معاویہؓ سے امداد کی درخواست کی اور ان کو آمادہ کیا، امیر معاویہؓ نے ایک سخت گیر، سنگ دل اور اکھڑ قسم کے قریشی بُسر ابن ارطاۃ کو منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنی فوج کے لئے افراد کا انتخاب خود کرے۔ چنانچہ اس نے کیا، اس کے بعد اس کو روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ دیہاتوں میں حضرت علیؓ کے جو حامی ملیں، ان پر اتنی سختی کرنا کہ ان کے دل خوف و دہشت سے بھر جائیں اور مدینہ پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو اس طرح لرزہ بر اندام کر دینا کہ ان کو موت نظر آنے لگے، اس کے بعد مکہ آنا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، ان کو ڈرانا دھمکانا نہیں پھر یمن جانا اور علیؓ کے حاکم کو وہاں سے نکال کر عثمانیوں کی امداد کرنا۔

بُسر بن ارطاۃ گیا اور امیر معاویہؓ کی ہدایتوں پر عمل کیا، بلکہ سختی، سنگ دلی، لوٹ مار اور بے حرمتی میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا۔ چنانچہ دیہاتوں پر بُری طرح جھپٹ پڑا اور زیادتیاں کیں، مدینہ آیا تو لوگوں کو اس طرح مرعوب اور خوفزدہ کیا کہ مصائب کی تصویریں ان کی آنکھوں میں پھر گئیں، اس کے بعد امیر معاویہؓ

کی سبیعت ان کے سامنے پیش کی جس کو انھوں نے منظور کیا۔ اس کے بعد مکہ آیا اور وہاں کسی کو ڈرایا دھمکایا نہیں، البتہ طائف والوں کو ڈرانے اور ان سے لڑنے کا ارادہ کیا، لیکن مغیرہ بن شعبہ نے اس کو سمجھایا بجھایا، جس سے وہ باز آگیا اور یمن کی طرف روانہ ہوگیا، یمن سے حضرت علیؑ کا حاکم اور اس کے ساتھی نکل بھاگے، یہاں آکر بری طرح تونریزی کر کے لوگوں کو خائف بنادیا اور بعد میں امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لی۔ حضرت علیؑ کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے جاریہ ابن قدامہ کو دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ بھیجا کہ بسر کو یمن سے نکال دے ... جاریہ کے یمن پہنچتے ہی بسر وہاں سے بھاگا اور شام واپس آیا راستے میں بہت لوٹ مار کی، لوگوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا، حد یہ کر دی کہ عبداللہ بن عباسؓ کے دونوں لڑکوں کو بھی ذبح کر دیا، حالانکہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ جاریہ بن قدامہ یمن پہنچا تو عثمانیوں کو قتل کر کے خوں ریزی میں اور اضافہ کر دیا۔ اور یمن کو پھر حضرت علیؑ کے زیر حکومت کر دیا، اس کے بعد وہ مکہ پہنچا جہاں اس کو خبر ملی کہ حضرت علیؑ قتل کر دیئے گئے۔ پھر وہ مکہ اور مدینہ والوں سے عراق کے جدید خلیفہ کے لئے بیعت لے کر کوفہ واپس چلا آیا۔

بسر ابن ارطاۃ امیر معاویہؓ کے پاس بہت زیادہ مال غنیمت لے کر واپس آیا، لیکن اس نے حد سے زیادہ خوں ریزی کر کے لوگوں پر اور اپنی جان پر بڑا ظلم کیا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس کی طبیعت لوگوں کو بہت زیادہ قتل کر دینے کی وجہ سے متاثر ہوئی، اس کے دل کی گہرائیوں میں اس کے گناہوں اور برائیوں کے تاثرات اثر کر گئے، اور شاید کہ نیند میں قتل و غارت کی سفاکیوں کے یہی مناظر ڈراؤنی اور خوفناک شکلوں میں اس کے سامنے ظاہر ہوتے تھے، پھر بوڑھے ہونے پر اس کو جنون ہوگیا۔ چنانچہ مورخین کے بیان کے مطابق وہ تلوار تلوار کی رٹ لگاتا تھا اور اسی وقت خاموش ہوتا جب تلوار پاکر اس کو خوب پھرا لیتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ گھر کے لوگ اس کو لکڑی کی ایک تلوار اور چند تکیئے دے دیتے اور وہ تلوار چلانے لگتا، جب چلاتے چلاتے تھک جاتا تو اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور جب ہوش آتا پھر وہی تلوار اور تکیہ۔ اسی حال میں اس کو موت آئی۔

لوٹ اور مار کے جن حملوں کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، امیر معاویہؓ نے اس پر بس نہیں کیا، بلکہ یہ بدستور ان حملوں کا سلسلہ جاری رکھا اور حضرت علیؑ کے سرحدی حاکم ان حملوں کا مقابلہ کرتے کبھی مدافعت میں کامیاب ہوجاتے اور کبھی ناکام، لیکن عراقیوں کو چین ترل سکا، راتیں بیداری میں اور دن پریشانی میں گزارتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ماحول نے ان کو پہلے سے زیادہ امن و عافیت کا خواہاں اور موت سے گریزاں بنادیا۔

حضرت علیؓ اور خارجی

حضرت علیؓ کی کوفت اور قلق کا باعث اور عراق والوں کی نیند حرام ہونے کا سبب صرف لوٹ اور غارت کے یہ خارجی حملے نہ تھے، بلکہ اس میں بڑی حد تک عراق کی اندرونی معرکہ آرائیوں کا بھی دخل تھا، جو اگرچہ معمولی اور مختصر تھیں لیکن بڑی پریشانی کا باعث تھیں، طبعی طور پر اس قسم کی لڑائیاں بھی خارجی لڑا کرتے تھے، حضرت علیؓ نے نہروان کے معرکے میں ان کو قتل کر دیا تھا، لیکن اس قتل سے ان سب کا یا ان کے مذہب کا بالکل خاتمہ ہی نہیں ہوگیا، اور بڑے سے بڑے اقتدار یا خوف وہراس پھیلانے والی بڑی سے بڑی قوت کے لئے کب یہ ممکن ہوسکا کہ وہ کسی مذہب یا خیال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، قوت و اقتدار کی کارروائیاں تو شاید الٹی تقویت حمایت اور اشاعت کا سامان پیدا کرتی ہیں۔

معرکے میں بچے ہوئے خارجیوں کے دلوں میں حضرت علیؓ نے انتقام کی ایک آگ جلا دی تھی اسی طرح ان کے رشتہ داروں اور دوسرے بہت سے خارجیوں کو قصاص کے لئے بے تاب کر دیا تھا، چنانچہ وہ بلا کسی کوتاہی کے اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹولی ٹولی بن کر نکلنے لگے، ایک شخص نکلتا اس کے ساتھ سو دو سو آدمی ہوتے اور چل پڑتے، پھر کسی مناسب مقام پر جاکر تھوڑے دن یا زیادہ عرصہ تک قیام کرتے اور اس دوران میں اپنے آپ کو لڑنے کے لئے تیار کرتے اور جب پوری تیاری ہوجاتی تو اعلان جنگ کر دیتے گرد وپیش کے لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور امن عامہ کے لئے سخت خطرات پیدا کر دیتے، تب حضرت علیؓ مجبور ہوتے، اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کچھ فوجیوں کے ہمراہ بھیجتے جوان سے جاکر سخت مقابلہ کرتا اور ان کو ختم کر کے یا ان کی جماعت کو منتشر کر کے واپس آجاتا اور جیسے ہی واپس ہوتا ایک دوسرا خارجی اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلتا اور پھر وہی قصہ ہوتا، اشرس ابن عوف شیبانی نکلتا ہے اور جب وہ اور اس کے ساتھی قتل ہوجاتے ہیں تو ہلال علفہ تیمی نکلتا ہے، اور جیسے ہی حضرت علیؓ اس سے فراغت پاتے ہیں، اشہب ابن بشر بجلی نکلتا ہے، جب اس کا کام بھی تمام ہوجاتا ہے تو سعید ابن فعل تیمی نکلتا ہے، اس کو ختم کر کے حضرت علیؓ کے ساتھی واپس آتے ہیں کہ ابو مریمؓ سعدی میدان میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ صرف عرب نہ تھے بلکہ بہت سے غیر عرب غلام بھی تھے۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ خوارج کا مذہب اب عربوں کے سوا مفتوحین میں بھی پھیل چکا تھا جو فاتحین کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے تھے، ان میں سے جو مسلمان ہوجاتا وہ نیا مسلمان بن کر اپنے حقوق ادا کرتا لیکن عربوں کے باہمی اختلاف میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نومسلم اب الٹی کو برا سمجھتے ہیں

اور امام کے خلاف میدان میں آرہے ہیں، اور عرب خارجی اپنے سے جنگ میں ان کی امداد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک عربی عصبیت، مذہب اور رائے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے مقابلے میں بہت سے غیر عرب غلاموں کو دیکھ کر ابو مریم کو یہ طعنہ دیا، ایسے لوگوں کو ساتھ لے کر عربوں سے لڑنے آیا ہے۔ ابو مریم نے اس طعن کی طرف کچھ توجہ نہیں کی، لیکن پوری قوت کے ساتھ انھیں معمولی آدمیوں کو لے کر حملہ کیا، ایسا سخت حملہ کہ حریف کو اپنی جگہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور پسپا کرتے کرتے ان کو کوفہ تک پہنچا دیا، صرف ان کا افسر اور ان کے چند ساتھی، امداد کے انتظار میں باقی رہ گئے۔

حضرت علیؓ خود ابی مریم سے مقابلے کے لئے نکلے جو کوفہ سے قریب ہو چکا تھا اور جب اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر کے واپس لوٹے تو آپ سخت مغموم تھے، آپ کا دل زخمی تھا اور کیوں نہ ہو زندگی دو مشکلوں کے درمیان تھی اور دونوں کی خرابی ایک دوسرے سے کم نہ تھی، اندرون ملک میں معرکہ آرائیاں جو ایک مستقل نظام کی طرح برقرار تھیں، ایک سے فرصت ملی کہ دوسری سامنے آئی اور سرحدوں پر شامیوں کی طرف سے غارت اور لوٹ مار بھی ایک دوسرے مستقل نظام کی طرح جاری تھی، ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو دوسرا ہو جاتا ہے، ان حالات کے باوجود ساتھیوں کا یہ حال کہ عافیت طلبی میں ڈوبے جا رہے ہیں، ان کی بے بسی بڑھتی جا رہی ہے، ان کی دھار مڑ چکی ہے ان کی شان و شوکت خاک میں مل جا رہی ہے، کوسوں دور کا دشمن اگر حرص کی نگاہیں ڈالتا ہے تو سامنے کا وجود مخالف عداوت اور نفرت کے جذبات بھڑکاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارج اور شامیوں کے درمیان ایک دوسرے کے بلا علم و اطلاع ایک خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے اور اس معاہدے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت علیؓ کی راہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اور ان کو مجبور کر دیا جائے۔

اور امیر معاویہؓ شام میں بیٹھے اپنے حریف کے وہ حالات اور واقعات سنتے ہیں، جن سے ان کا حوصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ لو دیکھو انھوں نے اپنے حوصلے کا ایک قدم اور بڑھایا اور حج کے موقع پر اپنی طرف سے ایک امیر الحج بھیجنے کی ہمت کی اور کیوں نہ کرتے جب کہ شامیوں نے ان کی خلافت کی بیعت کر لی ہے مصر ان کا ہو چکا ہے، مصر کے علاوہ بہت سے دیہات ان کے زیر فرمان آچکے ہیں، پھر دشمن مقابلے سے مجبور ہو رہا ہے، بلکہ خود اپنے حدود ملک میں اپنا اقتدار بچانا بھی اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔

اور امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو امیر الحج بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو حج کرائے۔ یہ یزید عثمانی تھا اور امیر معاویہؓ کا مخلص، لیکن وہ حرمت کے مقام اور مہینے میں خونریزی کا کسی طرح روادار نہ تھا، جب اس کو یقین

ہوگیا کہ امیر معاویہ جنگ کے لئے نہیں بلکہ ایسے کام کے لئے اس کو بھیج رہے ہیں جس کا ظاہر دین ہے اور باطن سیاست تو اس نے منظور کر لیا اور روانہ ہوگیا، جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو حضرت علیؑ کے گورنر قثم بن عباسؓ اس سے ڈر گئے یزید نے پہلو تہی کی اور مکے میں داخل ہوگیا اور لوگوں کو امن داماں دی، اس کے بعد ابوسعید خدریؓ کو درمیان میں رکھا کہ وہ لوگوں کی مرضی سے حضرت علیؓ کے گورنر کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کریں، تاکہ تمام مسلمان ایک ساتھ نماز ادا کریں، تو لوگوں نے عثمان بن ابی طلحہ عبدیؓ کو پسند کیا، چنانچہ انھوں نے نماز پڑھائی اور حج کا موسم بخیر و خوبی گذر گیا، حضرت علیؓ کو جب یزید ابن شجرہ کے مکہ آنے کی اطلاع ملی تو لوگوں کو متوجہ کیا کہ اس کو مکہ سے نکال دو، مگر کسی نے توجہ نہیں کی، آخر میں حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اپنے ساتھیوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ بھیجا، لیکن یہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے اس لئے کہ یزید حج کر کے تمام واپس جا چکا تھا، البتہ یزید کے کچھ ساتھی پیچھے رہ گئے تھے، انھیں میں سے بعض آدمیوں کو قید کر کے کوفہ لائے۔

حضرت علیؓ کی شام پر چڑھائی کی تیاری

ان حالات اور حوادث میں مشیت ایزدی نے حضرت علیؑ کے لئے ایک پختہ ارادے کا موقع پیدا کردیا، جس میں بڑی مایوسی اور زبردست سرفروشی کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ ارادہ شاید مقصد کو پالیتا لیکن انسان تدبیریں کرتا ہے، مولیٰ کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے، قطعی فیصلہ تقدیر کے ہاتھ میں ہے تدبیر کے بس میں نہیں۔ حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں اور خطبے میں فرماتے ہیں، کہ شامیوں سے مقابلہ کی تیاری کریں، عادت کے مطابق بڑی شدت اور سختی سے اُبھارتے ہیں اور آمادہ کرتے ہیں، لیکن حاضرین نے بھی عادت کے مطابق سنا اور چلتے بنے اور کچھ نہیں کیا۔

جب مایوس ہوگئے تو سرداروں، افسروں اور ان لوگوں کو مدعو کیا جو فکر و نظر رکھتے تھے۔ ان کے سامنے صاف صاف باتیں کیں اور فرائض اور ذمہ داریوں کی تصویر اس طرح پیش کی کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ سکتے اور ہاتھوں سے چھو سکتے، آپ نے بتایا کہ لوگوں نے بغیر میری طلب کے مجھے خلافت دی، خود سے میری بیعت کی اور آج وہی لوگ میری طاعت کا زبان سے تو اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بدعہدی اور بے وفائی ہے۔ میں نے مہلت دی اور ٹالتا رہا۔ لیکن اب اس سے بھی اکتا گیا۔ سرگرمی اور توجہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، وعظ و نصیحت کی ساری باتیں بے نتیجہ رہیں، اُبھارنے اور آمادہ کرنے کی ساری کوششیں رائگاں گئیں، اب میں نے ارادہ کرلیا ہے۔ کہ قوم اور قرابت داروں میں سے جتنے بھی ساتھ دے سکیں ان کو لے کر شام کے دشمن سے جنگ کے لئے نکل پڑوں اور اگر کوئی ساتھ نہ آیا تو اکیلے نکلوں اور اللہ کی راہ میں اکیلے لڑتے ہوئے جان دے دوں۔

میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس موقع پر اس خطبے کے الفاظ پیش کردوں جو بلاذری کی روایت کے مطابق ہیں، اس میں ان لوگوں کا دنداں شکن جواب ہے۔ جنھوں نے اپنی نافرمانی سے آپ کی تدبیریں برباد کردیں جس سے قریشیوں کو طرح طرح کی باتیں کرنے کا موقع ملا اور جس کی وجہ سے ایسا منظر سامنے آیا کہ اللہ کی نافرمانی ہو اور لوگ دیکھا کریں نہ غصہ ہوں نہ طیش میں آئیں۔

حضرت علیؓ خطبے میں فرماتے ہیں:

اما بعد۔ لوگو! اس بیعت کی دعوت تم نے مجھ کو دی، اور میں نے تمھاری بات ٹالی

نہیں، پھر تم نے خلافت کے لئے میری بیعت کی، حالانکہ میں نے خلافت طلب نہیں کی تھی۔ اس کے بعد حملہ کرنے والے مجھ پر ٹوٹ پڑے، اللہ ان کی زیادتی کے لئے کافی ہوا۔ وہ منہ کے بل گرے، خدا نے ان کو ہلاک کیا، اور انھیں پر بڑی گردش آئی، اب ایک جماعت باقی رہ گئی ہے جو اسلام میں نئے نئے شاخسانے پیدا کرتی ہے، حق کو چھوڑ کر من مانے کام کرتی ہے، جس کا دعویٰ کرتی ہے اُس کے اہل نہیں۔ جب اس کے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ چند قدم آگے بڑھو تو وہ بڑھتے ہیں، جب آگے آتے ہیں تو حق اتنا نہیں پہچانتے جتنا باطل، جس طرح حق کی تردید کرتے ہیں، باطل کی نہیں کرتے۔ بہرحال اب میں تمھاری باتوں اور تنقیدوں سے اکتا چکا ہوں، اب مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اگر تم کو میرے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے چلنا ہے تو میں یہی چاہتا ہوں اور یہی میری مرضی ہے، اور اگر ایسا کرنا نہیں چاہتے تو مجھے اپنا ارادہ بتا دو تاکہ میں فیصلہ کر دوں۔ بخدا اگر تم سب کے سب میرے ساتھ اپنے دشمن سے جنگ کے لئے اس وقت تک نہ نکلے کہ خدا فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، تو میں تمھارے لئے بد دعا کروں گا اور پھر دشمن کی طرف چل پڑوں گا، چاہے میرے ساتھ دس ہی آدمی ہوں۔ کیا شام کے آوارہ اور ناسمجھ گمراہی کی امداد کرنے اور باطل کے لئے متحد ہونے میں تم سے زیادہ برداشت اور قوت کے مالک ہیں، حالانکہ حق اور صداقت تمھارے ساتھ ہے، تمھیں کیا ہو گیا ہے اور تمھارا علاج کیا؟ اگر تم مارے گئے تو قیامت تک تم جیسی قوم اٹھائی نہیں جاسکتی۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں اور افسروں کو حضرت علیؑ سے بڑی شرم اور رسوائی محسوس ہوئی اور ڈرے کہ کہیں وہ اپنے ارادے پر عمل نہ کر بیٹھیں، اور اکیلے یا تھوڑے سے لوگوں کے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ان کے دامن پر بے غیرتی اور بے شرمی کے داغ لگ جائیں اور کیسے داغ؟ اور پھر اپنے دین، اپنی جان اور اپنے تمام معاملات کے لئے مصائب میں مبتلا ہو جائیں، چنانچہ ان میں سے جو بولنا جانتے تھے، حضرت علیؑ کے پاس آئے، آپ کی خیر خواہی کے لئے اپنا خلوص پیش کیا اور اچھی اچھی باتیں کیں، ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے اُٹھ کر چلے آئے اور اس کی کوشش میں لگ گئے کہ حضرت علیؑ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر دیں۔"

ہر سردار نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو نصیحتیں کر کے آمادہ کیا، اس طرح حضرت علیؑ کے لئے ایک معقول فوج تیار ہو گئی جس نے مر مٹنے کا عہد کیا، اس کے بعد حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کو مضافات

میں بھرتی کے لئے بھیجا تاکہ کوفہ کی تیار فوج کے ساتھ اس کا اضافہ کر دیا جائے، اسی طرح آپ نے عراق کے آگے مشرقی علاقے کے گورنروں کو لکھا کہ وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ ہوں۔ زیاد بن خصفہ کو اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش بنا کر اپنے سامنے روانہ کیا، اور حکم دیا کہ شام کے قریب وجوار پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں میں خوف وہراس پیدا کرے۔

حضرت علیؓ اپنی اس تیاری میں مصروف تھے، ان کی منزل ان کے سامنے تھی اتنے میں تقدیر کی ایک جنبش لب نے آپ کی اور اہلِ عراق کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا۔

حضرت علیؓ کی سیرت

جنگ اور جنگ سے متعلق کام بہت زیادہ ہوتے رہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی کوفہ کے دوران قیام میں حضرت علیؓ کا پورا وقت اور ساری کوششیں صرف جنگی کاموں کے لئے وقف نہ تھیں بلکہ آپ نے اپنے اوقات تین شعبوں میں تقسیم کردئیے تھے۔ جنگی، سیاسی اور مذہبی، ان معاملات میں کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی ہو اور کوئی رکاوٹ خواہ وہ کتنی ہی وزنی ہو، آپ کو اپنے فرض سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ جنگی کارروائیوں میں آپ کا انہماک اور سرگرمیاں تم دیکھ چکے ہو۔ دینی امور میں بھی آپ کی سرگرمیاں کم یا گاہ بگاہ کی بات نہ تھی بلکہ سابق خلفاء کی طرح آپ نے اپنا فرض سمجھا کہ نماز میں لوگوں کی امامت کریں، لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں، دین کی باتیں سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ اللہ کو مسلمانوں کی کونسی بات پسند ہے اور وہ خود ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کی کون سی بات اللہ کو پسند ہے اور خلیفہ مسلمانوں کے لئے کس بات کو ناپسند کرتے ہیں۔ کبھی منبر پر بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہو کر وعظ کہتے، لوگوں کے لئے مسجد میں بیٹھ جاتے، ان کی خیریت اور ان کا کاروبار پوچھتے، اور جو آدمی اپنے دین یا دنیا سے متعلق کوئی ضروری بات پوچھتا اس کو بتاتے، پھر گفتگو اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نہیں بلکہ ان میں اپنی سیرت اپنا کردار پیش کر کے انہیں تعلیم دیتے۔ آپ ان کے امام تھے ان کے معلم تھے اور ان کے لئے نمونہ اور رہنما بھی۔ کوفہ والوں کے لئے آپ کی روش وہی تھی جو مدینہ میں حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکھتے تھے، جس سے ملتے اپنے خوفناک دُرّے کے ساتھ ملتے، جس طرح حضرت عمرؓ کا دُرّہ چھوٹے بڑوں سب کو مرعوب رکھتا تھا۔ آپ لوگوں تک اس وقت بھی پہنچتے، جب وہ زندگی کی دوڑ دھوپ میں ہوتے، چنانچہ بازاروں کا گشت لگاتے، لوگوں کو اللہ سے ڈراتے، ان کو حساب اور قیامت کے دن کی یاد دلاتے، خرید و فروخت کے مواقع پر ان کی نگرانی کرتے، بازاروں میں چلتے ہوئے بلند آواز سے کہتے، خدا سے ڈرو، ناپ اور تول پورا کرو، گوشت پھلا کر نہ رکھو۔ اگر لین دین یا گفتگو میں کسی کو بیہودہ یا ٹیڑھا پاتے تو ڈانٹ ڈپٹ کر اور دُرّے سے ٹھیک کرتے، آپ نے خیال کیا کہ آج کل کے لوگوں کو مرعوب رکھنے کے لئے عمرؓ کا دُرّہ کافی نہیں، حالات کے انقلاب نے ان کے اخلاق میں سختی پیدا کر دی ہے ان کی طبیعتیں بدل گئی ہیں، ان میں فاروقی عہد کے مسلمانوں جیسی بات نہیں۔ اس لئے دُرّہ چھوڑ کر خیزرانہ ہاتھ میں لیا، اس کو دُرّے سے زیادہ مؤثر تصور کیا لیکن بعد میں ان کو پتہ چلا کہ لوگ خیزرانہ سے بھی نہیں ڈرتے۔ بس

آپ کوفہ کے عوام اور خواص سے کہا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس طرح درست ہو سکتے ہو، لیکن خود بگڑ کر میں تم کو بنانا نہیں چاہتا۔

آپ نے دیکھا کہ ڈانٹ ڈپٹ، تیز زبانہ اور دُرے سے بھی بڑی کسی سزا کی ضرورت ہے اور یہ آپ کو ناگوار تھا کہ کوڑے رسید کریں، ڈرتے تھے کہ یہ سختی اور تشدد کہیں آپ کو دین اور اخلاق کی نامناسب حد میں پہنچا دے، ایک خلیفۂ راشد میں جو نرمی سنجیدگی، بردباری اور چشم پوشی ہونی چاہیئے، کہیں آپ اس سے دور نہ ہو جائیں۔ ایک دن آپ اپنے گھر سے نکلے اور دیکھا کہ دروازے پر عوام کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ دُرے سے چیرتے پھاڑتے کسی طرح نکلے اور اپنے بعض دوستوں سے ملے اور سلام کے بعد کہا۔ یہ لوگ بڑے فضول ہیں، میں سمجھتا تھا کہ امیر لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں لیکن اب ایسا معلوم ہوا کہ لوگ امیر پر زیادتی کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت علیؓ خلافت کے رعب و داب سے بھی بڑی احتیاط کرتے تھے اور جب کوئی چیز خود خریدنا ہوتا تو بازار میں ایسے شخص کو تلاش کرتے جو آپ کو پہچانتا نہ ہو اور اُس سے سودا لیتے یہ آپ کو پسند نہ تھا کہ کوئی دکاندار امیر المومنین کو سودے میں رعایت کرے۔

لوگوں کی دینی خدمت کا فرض جب تک ادا نہ کر لیتے حضرت علیؓ مطمئن نہ ہوتے، چنانچہ لوگوں کو نماز پڑھاتے، اپنے قول و عمل سے اُن کو تعلیم دیتے، فقراء اور مساکین کو رات کا کھانا کھلاتے، ضرورت مندوں اور مستحقوں کو تلاش کرکے اُن کو سوال سے بے نیاز کر دیتے، پھر جب رات ہوتی تو لوگوں سے الگ ہو جاتے اور تنہائی میں اپنے معمولات عبادت میں مشغول ہو جاتے، تہجد کی نماز ادا کرتے اور رات زیادہ ہو جانے پر آرام فرماتے، پھر صبح اندھیرے ہی مسجد میں چلے آتے اور فرماتے رہتے، نماز، نماز، اللہ کے بندو نماز۔ گویا مسجد کے سونے والوں کو بیدار کرتے۔

اس طرح دن رات میں کسی بھی وقت آپ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے، خلوت میں بھی یاد کرتے اور اس وقت بھی جب لوگوں کے مختلف معاملات کے لئے تدبیریں کرتے رہتے اور اس بات کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتے کہ آپ سے دینی مسائل دریافت کریں۔

مسلمانوں کے مال کے بارے میں آپ کی سیرت کا حال تم نے کچھ پڑھ لیا ہے اور جان چکے ہو کہ صوبوں سے یا مضافات سے جو کچھ بھی پہنچتا آپ اس کو تقسیم کرتے رہتے چاہے تھوڑا ہو چاہے زیادہ، بڑی رقم ہو یا حقیر، اور اگر کوئی چیز بہت کم مقدار میں تقسیم ہوتی تو آپ لوگوں سے معذرت کرتے اور کہتے کہ چیز آتی ہے تو بہت معلوم ہوتی ہے لیکن تقسیم ہونے پر تھوڑی نظر آتی ہے۔

آپ کو اس کا بے حد خیال تھا کہ مال تقسیم کرتے وقت آپ اپنے قول و فعل میں، اپنے ارادے اور تقسیم میں مساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، بلکہ سوال کرنے پر جو کچھ آپ دیتے تھے، اس میں بھی مساوات کا سخت لحاظ رکھتے۔ ایک دن آپ کے پاس دو عورتیں آئیں اور اپنی محتاجی کا اظہار کر کے سوال کیا، آپ نے مستحق جان کر حکم دیا کہ ان کو کپڑا اور کھانا خرید کر دیا جائے، مزید برآں کچھ مال بھی دے دیا۔ لیکن ان میں سے ایک نے کہا اس کو کچھ زیادہ دیجئے کہ وہ عرب ہے اور اس کی ساتھی غیر عرب۔ آپ نے تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی اور اسے دیکھ کر کہا، مجھے معلوم نہیں کہ اطاعت اور تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی اللہ نے کسی کو کسی پر فوقیت دی ہے۔

یہی سیرت حضرت علیؑ کی تھی اور یہی شیخین اور نبیؐ کی، لیکن حضرت علیؑ نے جیسا کہ تم نے دیکھا، ایک بات میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا اور وہ بات مال سے متعلق ہے اور وفاداری کے ساتھ اس رائے پر قائم رہے، جس کا مشورہ آپ نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ جو کچھ بھی آئے لوگوں میں سب تقسیم کر دیا جائے بیت المال میں باقی نہ رکھا جائے۔

حضرت علیؑ یہ رائے اس لئے پسند کرتے تھے کہ اس صورت میں خلیفہ سر اُس مال سے بری الذمہ ہو جاتا ہے جس کے باقی رکھنے یا جمع ہونے میں شاید کسی کا حق رہ گیا ہو، لیکن مصیبتیں آتی رہتی تھیں، حادثات ہوتے رہتے تھے اور بیت المال کا کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہونا نامعقول بات نہیں، اس لئے حضرت عمرؓ اپنے مسلک میں زیادہ دور اندیش اور مصلحت بیں تھے اور حضرت علیؑ اپنی ذات کے لئے انتہائی احتیاط کے خواہاں تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی خلیفہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ احتیاط برت سکتا ہے۔

حضرت علیؑ کا طرزِ عمل گورنروں کے ساتھ

اب رہا صوبے کے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؑ کا طرزِ عمل کا طرزِ عمل تو وہ بالکل حضرت عمرؓ کا سا تھا یعنی وہ طریقہ جو نبیؐ اور شیخین نے جاری کیا تھا، عہد عثمانی کے آخری برسوں میں اس سے کچھ بے توجہی اور اس میں کچھ کمزوری دیکھ کر حضرت علیؑ نے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔

حضرت علیؑ اپنے حاکموں پر کڑی نظر رکھتے تھے، حساب کتاب میں ان سے بڑی سختی کا معاملہ فرماتے لوگوں کے حقوق کی جو ذمہ داری ان پر تھی اس کو پوری کرانے میں نہایت شدت سے پیش آتے، اُن کی عام اور خاص زندگی پر آپ کی توجہ غیر معمولی تھی۔ چنانچہ گورنر مقرر کرنے کے موقع پر ہر گورنر کو ایک تحریری قرار نامہ دیتے جو وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتا، سننے کے بعد جب لوگ اس کو برقرار رکھتے تو وہ طرفین کے لئے ایک عہد و پیمان کی حیثیت اختیار کر لیتا، جس کی تاویل یا خلاف ورزی نہ رعایا کے لئے جائز ہوتی اور نہ حاکم کے لئے۔ اگر رعایا خلاف ورزی کرتی تو حاکم اس کو سزا دیتا، اور اگر حاکم خلاف ورزی کرتا تو خلیفہ کی طرف سے سزایاب ہوتا۔

علاوہ ازیں حاکموں کی روش کا پتہ چلانے کے لئے حضرت علیؑ کچھ سپروائزر اور انسپکٹر بھی روانہ کرتے رہتے۔ جن سے آپ کو معاملات کی رپورٹ مل جاتی اور ان میں سے بعض انسپکٹر تو لوگوں کو اپنی غرض بتا دیتے لیکن اپنی مہم خفیہ رکھتے تھے، یوں تو صوبہ کا ہر آدمی سپروائزر اور انسپکٹر تھا جو امام سے حاکم کی ہر خلاف معاہدہ بات کی شکایت کر سکتا تھا۔

بعض اوقات حضرت علیؑ لوگوں کی کسی مصلحت کے پیش نظر حاکم اور رعایا کے درمیان واسطہ بن جاتے۔ ایک مرتبہ کسی صوبہ کے لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ان کے شہر میں ایک نہر تھی جو اب شکستہ اور خراب ہو چکی ہے، اگر وہ کھود کر پھر سے جاری کر دی جائے تو ان کو اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوگا اور درخواست کی کہ اپنے حاکم کو لکھ بھیجیں کہ اس نہر کے کھودنے میں ان سے بیگار لی جائے۔ آپ نے یہ تو منظور کر لیا کہ نہر کھود دی جائے لیکن ان سے بیگار لینے کی بات پسند نہیں کی اور اپنے حاکم قرظہ ابن کعب کو لکھا:-

اما بعد! — تمہارے صوبے کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے، انھوں نے بتایا کہ ان کی کوئی نہر تھی۔ جو اب خراب اور شکستہ حالت میں ہے، اور اگر وہ اس کو کھود یں اور جاری کریں تو

ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو جائیں گی اور ان میں پوری لگان ادا کرنے کی قوت پیدا ہو جائے گی اور اس سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں تمہیں لکھوں کہ اس کام میں اُن سے بیگار لی جائے اور ان کو جمع کیا جائے، میں تو کسی کو مجبور کرنا پسند نہیں کرتا۔ لیں تم ان کو بلا کر اگر نہر کی بات امر واقعہ ہے تو جو اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتے اس سے کام لو۔ نہر ان کی ہے جنھوں نے اس کی مرمت کی ہے، ان لوگوں کا آباد ہونا اور طاقتور ہونا مجھے کمزور ہونے سے زیادہ پسند ہے۔ والسّلام۔

ایک دوسرے صوبے کے لوگوں نے شکایت کی کہ اُن کا حاکم اُن کے ساتھ سنگدلی سے پیش آتا ہے اور حقارت آمیز سلوک کرتا ہے، آپ نے ان کی شکایت پر غور کیا اور پتہ چلا کہ لوگ ہتک اور تحقیر کے مستحق نہیں ہیں، پس آپ نے ان کے متعلق اپنے عامل عمرو بن سلمہ ارحبی کو لکھا:۔

اما بعد ـــ تمہارے شہر کے سرداروں اور تاجروں نے شکایت کی ہے کہ تم اُن کے ساتھ سختی اور حقارت کا سلوک کرتے ہو، میں نے ان کی شکایت پر غور کیا۔ میں اُن کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان کو تحقیر کا مستحق خیال نہیں کرتا اور عہد و پیمان کی رو سے ان کو نہ نکالا جا سکتا ہے اور نہ ستایا جا سکتا ہے پس ان کے ساتھ ایسی نرمی کے ساتھ پیش آؤ جس میں سختی کی بھی آمیزش ہو، مگر اس طرح کہ بات ظلم کی حد میں نہ پہنچ جائے، ان سے جو بات طے ہوئی ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرو، البتہ ان سے خراج لو اور ان کی مدافعت میں جنگ کرو، ان سے اتنا نہ لو جو اُن کی طاقت کے باہر ہو، یہ میری تم کو ہدایت ہے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔ والسّلام۔

حضرت علیؓ کے حاکم آپ سے ڈرتے تھے اور بسا اوقات سرزنش سے بچنے کے لئے بعض معمولی باتوں کو آپ سے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کو اس کا پتہ چل جاتا تو یہ سرزنش الزام ڈانٹ اور دھمکی کا رنگ اختیار کر لیتی۔

روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے زیاد کے پاس جب وہ بصرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا نائب تھا۔ ابن عباس کے کام چھوڑ دینے سے پہلے یا بعد میں اپنا آدمی بھیجا کہ اس کے پاس بیت المال میں جو کچھ ہے اٹھا لائے، تو زیاد نے قاصد سے باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ کردیوں نے خراج میں کچھ کمی کسر کر دی ہے، میں ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ کام لے رہا ہوں اور درخواست کی یہ بات امیرالمومنین سے نہ کہنا، مبادا خیال کریں کہ ان کے حق میں تصرف کیا جا رہا ہے۔ قاصد اپنے آقا کا وفادار تھا، زیاد نے جو کچھ کہا تھا سب کہہ دیا۔ حضرت علیؓ نے زیاد کو لکھا:۔

"میرے قاصد نے مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیا، جو تم نے کردیوں کے بارے میں اس سے کہا تھا اور مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے تھے، میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ اسی لئے کہا تھا کہ قاصد مجھے باخبر کردے، میں خدائے عزوجل کی سچی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں سے تم نے ذرا بھی خیانت کی ہے تو میں تم پر وہ سختی کروں گا کہ زمین پر تمہارا چلنا دشوار ہوگا۔"

اس خط سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اتنے بھولے نہیں تھے جتنا ان کے بعض مخالفین بتلاتے ہیں اور نہ ایسے غافل جیسا کہ آپ پر بعض زیادتی کرنے والوں کا خیال ہے بلکہ عرب کے دوسرے پختہ کار اہل اور مدبروں کی طرح آپ بھی گہرے غور و فکر کے مالک تھے، دلوں کی تہوں تک پہنچ جانے والی بصیرت رکھتے تھے لیکن آپ بے لاگ اور سچ کہنا پسند کرتے تھے، حقائق کا مقابلہ صحیح اور سچی راہ سے کرتے تھے اور اپنے آپ کو مکر و چال کی پستی سے بلند و بالا رکھتے تھے کہ دین کے خلوص اور اخلاق کی شرافت کا یہی تقاضہ ہے۔

چنانچہ آپ نے سمجھ لیا کہ زیاد کم مال بھیجنے کی معذرت کرنا چاہتا ہے اور قاصد سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کو کردیوں کا واقعہ بتاتا ہے اور خلیفہ کی طرف سے الزام کے خوف سے مخفی رکھنے کی تاکید کرتا ہے، زیاد کو یقین تھا کہ قاصد اس کی توجیہ کا تذکرہ امیرالمومنین سے کردے گا۔ تم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ نے زیاد کو دھمکی دینے اور ڈرانے میں کیسی شدت برتی، غالب گمان تو یہ ہے کہ آپ نے صرف ڈراتے دھمکانے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا بلکہ کسی کو اس کے لئے مقرر کیا ہوگا کہ وہ مخفی طور پر کردیوں میں جاکر زیاد کے بیان کی تحقیقات کرے۔

منذر ابن جارود کی طرف سے کچھ تھوڑا سا مال آیا جو اصطخر پر آپ کا حاکم تھا، آپ نے اس کو معزول کرنے اور کوفہ آنے کے لئے خط لکھا:۔

"تمہارے باپ کے تقویٰ و طہارت سے مجھے تمہارے متعلق دھوکہ ہوا، اور میں نے خیال کیا کہ تم بھی انھیں کے اخلاق اور اعمال کے پابند ہوگے۔ لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ تم اسیر کئے ہوئے ہو اور کسی طرح اپنی خواہشوں کی بندگی سے باز نہیں آتے خواہ اس میں تمہارے دین کا دامن داغدار ہوجائے اور کوئی کتنے ہی اخلاق سے تم کو نصیحت کرے تم نہیں سنتے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر زیادہ تر سیر و شکار کو نکل جاتے ہو اور تم نے اپنی قوم کے دیہاتیوں کے لئے اللہ کے مال میں اپنا ہاتھ آزاد کر دیا ہے، جیسے وہ تمہارے ماں باپ کی کوئی وراثت ہے، بخدا اگر یہ سچ ہے تو تم سے تمہارے گھر کی رسی اور تمہاری جوتی کا تسمہ اچھا ہے، لہو و لعب سے اللہ خوش نہیں، مسلمانوں کے مال میں خیانت اور اس کی بربادی اللہ کے غیظ و غضب کا باعث ہے۔ ایسا شخص سرحد کی حفاظت کا اہل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے ذریعے خراج کی رقم جمع کی جائے اور مسلمانوں کے لئے اس پر اعتماد کیا جائے، تم میرا یہ خط پاتے

ہی میرے پاس چلے آؤ۔"

جب منذر آیا تو حضرت علیؑ نے اتہام لگانے والوں کی موجودگی میں حلات کی تحقیق کی اور ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کے مال سے منذر کی طرف تیس ہزار باقی ہے پس آپ نے اس سے طلب کیا، منذر نے انکار کیا حضرت علیؑ نے اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا، منذر یہ بہادری بھی نہ دکھا سکا تب حضرت علیؑ نے اس کو جیل بھجوا دیا۔ لوگوں نے سفارشیں کیں جن میں صعصعہ بن صوحان بھی تھے جو حضرت علیؑ کے بڑے دوست اور کوفہ کے ممتاز متقی بزرگ ہیں چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اس کو چھوڑ دیا۔

حضرت علیؑ نے ایک غلام کو زیاد کے پاس بھیجا کہ اس کے پاس جو کچھ مال ہے بھیج دے۔ غالباً اس غلام نے زیادہ سے بہت زیادہ اصرار کیا جو زیاد پر گراں گذرا، اور اس کو جھڑک دیا۔ غلام، زیاد کے اس سلوک سے پراشتہ خاطر ہو کر واپس چلا آیا اور حضرت علیؑ سے بہت کچھ کہا۔ آپ نے زیاد کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا۔

سعد نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے زیادتی کرتے ہوئے اس کو گالیاں دی ہیں اور مغرورانہ انداز میں اس کی پیشانی پر ارا ہے۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے عظمت اور بڑائی صرف خدا کے لئے ہے، جس نے تکبر کیا اس نے اللہ کو غصہ دلایا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تمہارے کھانے پر قسم قسم کی چیزیں ہوتی ہیں اور تم روزانہ تیل لگاتے ہو، تمہارا کیا بگڑتا اگر اللہ کے لئے چند دن روزے رکھتے اور اپنی بعض چیزیں صدقہ کر دیتے، ایک مرتبہ کا کھانا بار بار کھاتے یا کسی فقیر کو بھی کھلاتے، کیا تم چاہتے ہو کہ خود تو عیش و عشرت کے فرش پر لوٹو، اور مسکین پڑوسیوں، کمزور فقیروں، یتیموں اور بیواؤں سے بے نیازی برتو، اور پھر ثواب تم کو صالحین کا ملتا رہے، مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ باتیں تو تم نیکوں کی سی کرتے ہو لیکن کام گنہگاروں کا کرتے ہو، اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنا عمل برباد۔ خدا سے توبہ کرو اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے معاملات میں اعتدال پسند ہو اور اگر ایمان دار ہو تو اپنی ضرورت کے لئے بچا رکھو، ایک دن ناغہ دے کر تیل لگاؤ، اور محض زیب و زینت کے لئے نہ لگاؤ، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا! کہ ایک دن بعد تیل لگاؤ اور بناؤ سنگار کی خاطر نہ لگاؤ۔ والسلام

زیاد کو خلیفہ سے یہ چغلی بہت بری معلوم ہوئی اور چاہا کہ اپنے کو الزامات سے بری کرلے۔ چنانچہ جواب میں لکھا:-

"سعد میرے پاس آیا اور بڑی عجلت کرنے لگا تو میں نے اس کو ڈانٹا ڈپٹا اور وہ اس سے بھی زیادہ مستحق تھا، مال کے بارے میں یا میرے تعیش اور کھانوں کے متعلق اگر اس کا بیان سچا ہے تو خدا اس کو سچوں کا ثواب دے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو جھوٹوں کے عذاب سے محفوظ نہ رکھے۔ اب رہی اس کی یہ بات کہ میں نیکوں کی طرح باتیں کرتا ہوں اور عمل اس کے خلاف کرتا ہوں تب تو میں ان لوگوں میں ہوں

جس کے عمل میں تو نا ہی ٹوٹا ہے، آپ اس سے مواخذہ کیجیے کہ میری ایک بات بھی ایسی بتائے کہ میں نے کہا تو ٹھیک لیکن عمل اس کے خلاف کیا، شہادت لینے پر اس کا سچ جھوٹ آپ پر ظاہر ہو جائے گا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ زیاد دیکھتا ہے کہ غلط الزامات لگا کر اس پر زیادتی کی گئی ہے پس حضرت علیؓ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اتہام لگانے والے کو ماخوذ کیا جائے، اس سے ثبوت مانگا جائے اور اس کا انصاف کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو آذربائیجان سے معزول کر دیا جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہاں کے حاکم تھے بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن سے خراج معاف کر دیا تھا، معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو لکھا:۔

"اللہ کی نوازشوں نے تم کو مغرور کر دیا، تم اس کا رزق کھاتے رہے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہے اور اپنی خوبیاں لطف زندگی میں کھوتے رہے پس خراج کی جو رقم تمہارے پاس ہے لیکر میرے پاس آجاؤ اور کوئی دوسری بات نہ کرو۔"

ظاہر ہے کہ اس خط کا اثر اشعث پر اچھا نہیں ہوا ہوگا اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے بعد اشعث کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، حضرت علیؓ ہر وقت اپنے حاکموں کو سخت و سست نہیں کہتے تھے اور نہ بدگمان رہتے بلکہ ان میں سے جو اچھے تھے ان کی تعریف بھی کرتے اور خوب کرتے، ان کا حق پہچانتے امام کے ساتھ اخلاص پر اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں مصیبتیں اٹھانے پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

ذرا وہ تحریر پڑھیے جو آپ نے عمرو سلمہ کو لکھا تھا جو بحرین میں آپ کے حاکم تھے اور جن کو معزول کرکے اپنے ساتھ شام لے جانا چاہتے تھے، فرماتے ہیں:۔

میں نے بحرین پر نعمان بن عجلان کو حاکم مقرر کیا ہے، اس میں تم پر نہ تصرف کا کوئی الزام ہے اور نہ تمہاری کوئی مذمت، بحمداللہ تم نے بہترین حکومت کی اور امانت کا حق ادا کر دیا، پس تم میرے پاس بلا کچھ خیال دل میں لائے چلے آؤ، میں شام کے ظالموں کا رخ کر رہا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو، تم ان لوگوں میں ہو جن سے مجھے دین کے قیام اور دشمن کے مقابلے میں مدد ملے گی۔ خدا ہم کو اور تم کو حق کی راہ چلنے والا اور حق فیصلہ کرنے والا بنائے۔

اپنے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہی مدبرانہ طرز عمل رہا، اچھوں کی حوصلہ افزائی کی اور بُروں پر تشدد، نہ کسی کے ساتھ بے جا امتیاز برتا اور نہ کسی سے دشمنی چھپائی نہ کسی سے بازی لگائی نہ کسی کے ساتھ مکاری کی آپ نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کی سراپا خیر خواہی تھی وہ رعایا کا انصاف تھا، اور دونوں میں حق کا پاس رکھتا تھا۔

ناظرین نے دیکھا کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، زیاد کے ساتھ کیسی سختی کی ٹھیک سے کام نہ کرنے والوں کو کیسی سزا دی، جس کسی نے کسی کا حق دبایا اس کو کس طرح جیل بھیجا، ان حالات میں

ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہیئے، اگر گورنر آپ سے اور آپ کے کاموں سے بہت چوکنا رہتے ہوں، احتیاط اور دوری میں خیریت سمجھتے ہوں اور ذرا بھی تعجب کی بات نہیں کہ آپ کا ایک گورنر مصقلہ بن ہبیرہ بدعنوانی کرنے کے بعد ڈر کر امیر معاویہؓ کے پاس چلا جائے جہاں اس کی آؤ بھگت کا حال ابھی تم نے سُنا۔

گورنروں کے ساتھ آپ کی جو روش تھی عوام کے ساتھ بھی بعینہٖ وہی تھی، چنانچہ نہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے تھے اور نہ اپنی طرف سے مایوس، بلکہ اگر کوئی حق پر ثابت قدم ہے اور اپنا فرض ادا کر رہا ہے تو اس سے قریب ہو جاتے بالکل قریب! اور اگر راہِ حق سے ہٹ گیا اور اپنے فرض کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا تو اس سے دور ہو جاتے بہت دُور، پھر اس کے لئے خدا کی مقرر کردہ سزا میں کسی نرمی اور کمی کے روادار نہیں ہوتے۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر دیا، اس کے بعد آگ میں جلا دیا۔ ابن عباسؓ نے اس پر آپ کو ملامت کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہی وہ قصہ ہے جس میں مخالفین شیعہ نے غلو سے کام لیا ہے اور خیال کیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ میں الوہیت تسلیم کر لی تھی۔

لیکن مورخین اور خاص طور پر مستند حضرات اس سلسلے میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک تو وہ جو اس واقعہ کو بلا کسی تفصیل کے بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں پیش کر چکا ہوں۔ بلاذری اسی گروہ میں ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اس کا بالکل ذکر نہیں کرتا اور نہ اشارہ کرتا ہے، جیسے طبری اور اس کے متبعین۔

البتہ مخالفین شیعہ اور فرقوں سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یاروں نے زیادتی سے کام لیا اور جتنا تھا اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ جس طرح ابن سودا (ابن سبا) کے معاملے میں کیا گیا۔

غالباً بنی طے کے ایک دیہاتی شاعر کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس ہیبت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، جو لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؓ سے متعلق اُس وقت تھی، یہ دیہاتی شاعر ایک لٹیرا تھا، راستے میں لوگوں کا مال زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے کے لئے دو آدمیوں کو بھیجا، لیکن یہ اُن سے بھاگ نکلا وہ کہتا ہے:۔

ولمّا ان رأیت ابنی شمیط　　بسکۃ طی والباب دونی

جب میں نے شمیط کے دونوں لوگوں کو دیکھا قبیلہ طے کا راستہ تھا اور دروازہ میرے پیچھے تھا

تجللت العصا[۱] وعلمت انی　　رھین مخیّس[۲] ان یثقفونی

میں گھوڑے پر چڑھ گیا اور یقین کر لیا کہ اگر مجھے پا جائیں گے تو میری جگہ جیل میں ہو گی

[۱] اسی دیہاتی کا گھوڑا۔　[۲] ایک قید خانہ جس کی تعمیر حضرت علیؓ نے کی تھی۔

فلو انظرتھم شیئاً قلیلا　　لساقونی الی شیخ بطین

اگر میں ذرا بھی انتظار کرتا　　مجھے بڑے پیٹوں والے کے پاس لے جاتے

شدید مجامع الکتفین صلیب　　علی الحدثان مجتمع الشؤن

وہ سخت مونڈھے والا ہے　　حوادث اور مصائب کے لئے مضبوط اور مطمئن ہے

یہ دیہاتی بڑے پیٹ اور بڑے مونڈھے والے اور حوادث میں بہت سخت اور بے خوف رہنے والے شیخ سے ڈرا جس طرح کہ عام لوگ اس قسم کے افراد سے ڈرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دو باتوں کے لئے حضرت علیؓ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی انھیں کی حدودِ حکومت میں قیام کرے، چنانچہ کتنے لوگ تھے جو عراق اور حجاز سے امیر معاویہؓ کے پاس چلے جارہے تھے، ان کو معاویہؓ کی دنیا علیؓ کے دین سے زیادہ پسند تھی، حضرت علیؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے آپ کا خیال تھا کہ لوگ آزاد ہیں، جو گھران کے لئے مناسب ہو اس میں قیام کرسکتے ہیں چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جا ملا۔

حضرت علیؓ کو مدینہ کے گورنر سہل بن حنیف نے لکھا کہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر بھاگ کر شام جارہے ہیں حضرت علیؓ نے جواب میں تسلی دی اور لکھا کہ ان جانے والوں سے تعرض نہ کیا جائے اور نہ اپنی اطاعت میں رہنے پر مجبور کیا جائے، خوارج کے ساتھ بھی آپ کا یہی طرز عمل تھا، ان کو مال غنیمت سے حصہ دیتے تھے اور جب تک وہ آپ کے ساتھ رہتے ان کو کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دیتے اور اگر کوئی ساتھ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تو اس کو روکتے نہ تھے، اور نہ راستے میں ان سے تعرض کرنے کی اپنے حاکموں کو ہدایت کرتے چنانچہ وہ دارالسلام میں آزاد تھے، جہاں چاہتے ٹھکانا بناتے ہاں شرط اتنی تھی کہ فساد نہ پھیلائیں اور لوگوں پر زیادتی نہ کریں، لیکن شرط کی خلاف ورزی پر آپ بلا کسی نرمی کے اللہ کا حکم جاری فرماتے پھر کوئی کوتاہی آپ سے نہ ہوتی۔ بسا اوقات بعض گستاخ اس حد تک بڑھتے کہ آپ کے منہ پر کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوں گے اور نہ آپ کی حکومت مانیں گے جیسا کہ خریت ابن راشد نے کہا جس کا تذکرہ گذر گیا لیکن آپ نے اس کو پکڑا نہیں اور نہ اس سے کوئی بازپرس کی، نہ اس پر کوئی پابندی عائد کی اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا تو اس کے اور خارجیوں کے درمیان حائل نہیں ہوئے، لیکن اس کے بعد جب اُنھوں نے زمین پر فساد پھیلایا تو آپ نے اپنا آدمی بھیج کر ان میں انصاف کا تقاضا پورا کیا۔

پس حضرت علیؓ جانتے تھے کہ گنجائش کے آخری حدود تک لوگوں کو آزادی کا حق ہے اور اسی لئے وہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرتے تھے اور نہ ہرا طاعت کے لئے ان پر جبر فرماتے البتہ جب وہ اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے اور زمین پر فساد پھیلاتے تو پھر آپ اُن پر سختی کرتے۔

دوسری بات جس پر حضرت علیؑ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے، وہ لڑائی ہے آپ کا خیال ہے کہ غداروں، گمراہوں اور دین سے خارج ہو جانے والوں سے جنگ کرنا آپ کا اور مسلمانوں کا اسی طرح فرض ہے جس طرح اہل کتاب اور مشرک دشمنوں سے جہاد کرنا لیکن یہ فرض آپ نے لوگوں پر جبراً لادا نہیں اور نہ اقتدار سے کام لے کر اس پر زبردستی کی بلکہ آپ نے اس کی دعوت دی جس نے اس دعوت پر لبیک کہا اس سے خوش ہوئے اور اس کی تعریف کی اور جو بیٹھ رہا اس کو نصیحت کی، آمادہ کیا، آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کی، جمل اور صفین کے معرکوں کے لئے آپ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ خوارج کے ساتھ معرکوں کے لئے کسی پر زبردستی کی، ان تمام لڑائیوں میں آپکے ساتھی وہی لوگ تھے جو اپنی بصیرت سے آپ کو جان کر آپ کا حق پہچان کر آپ کے ساتھی بنے اور رضا کارانہ خدمت پیش کی، اگر آپ چاہتے تو فوجی بھرتی کر سکتے تھے لیکن فوجی خدمت کا یہ طریقہ جو لوگوں کو اس فرض پر مجبور کرے اب تک جاری نہ ہو سکا تھا، اگر آپ چاہیں تو مال دے کر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر سکتے تھے جب کہ لوگ لڑائی سے گریز کرتے تھے، لیکن آپ نے ایسا بھی نہیں کیا آپ کو گوارا نہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کا خلوص اور خیر خواہی دام دے کر خریدیں آپ تو یہ چاہتے تھے کہ دوست اور ساتھی ایمان اور بصیرت کی روشنی میں آپ کا ساتھ دیں بلکہ آپ نے تو اس سے بھی زیادہ کیا انھیں لڑائیوں میں انھیں ساتھیوں کے ساتھ گھس پڑے اور ان کو مال غنیمت بھی نہیں لینے دیا صرف دشمنوں کا گھوڑا اور ہتھیار پیش کر دیا جس پر آپ کے ساتھی کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کر دیا لیکن مال مباح نہیں کیا جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو۔

حضرت علیؑ کی رائے اس معاملے میں یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں اور کافروں کے ساتھ لڑائی میں فرق ہے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں اس سے زیادہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اپنے بھائی کو مجبور کر دیا جائے کہ اپنے رب کے حکم کی طرف رجوع کرے اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس نے اپنی جان اور مال بچا لیا۔ نہ اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا مال، مال غنیمت ہو سکتا ہے، لیکن غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی کا پوزیشن یہ نہیں ہے۔

لڑائی کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر معلوم کر لینے نیز آپ کے طرز عمل کا تجربہ کر لینے کے بعد اگر شامیوں کے ساتھ لڑنے سے آپکے ساتھی گریز کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ یہ تو ایسی جنگ ہے جو ان کو مصیبتوں میں گرفتار کر کے موت کے خطرات تک لے جاتی ہے اور پھر بے نتیجہ مال غنیمت تک کی بھی روادار نہیں اور ہم جانتے ہیں کہ عرب جب کبھی لڑائی کی سوچتا ہے تو اس کے ساتھ ہی مال غنیمت کا تصور کرتا ہے اور کسی خاص وجہ سے اللہ نے مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا ۔ — اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جس کو تم حاصل کرو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت علیؑ اپنے اقتدار کے منوانے اور اپنے مسلم دشمن سے جنگ دونوں باتوں میں

اپنے ساتھیوں کو وسیع ترین معنوں میں آزادی دیتے تھے۔

بلاشبہ حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے امیر معاویہؓ نے بھی کوئی جبری فوجی بھرتی نہیں کی اور نہ قیام پسند نہ کرنے والوں کو رہنے پر مجبور کیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خوب خوب عطیات دیتے تھے اور لوگوں سے اپنی اطاعت اور وفاداری خریدتے تھے۔ اپنے مقابل سے لڑنے کے لئے لوگوں کو رقمیں دیتے تھے، اور سب کچھ بیت المال سے کرتے تھے، اس کو اپنے لئے مباح خیال کرتے تھے اور حضرت علیؓ اس کو اپنے لئے حرام سمجھتے تھے۔

نظامِ خلافت

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ صرف خود ناکام رہے بلکہ آپ کے ساتھ پورا نظامِ خلافت ناکام رہا اور ظاہر ہو گیا کہ یہ نئی حکومت بھی جس سے توقع تھی کہ سیاسی نظاموں اور حکومت کی قسموں میں ایک نئی قسم کا نمونہ ہوگی۔ بالآخر پہلی حکومتوں کی راہ چلنے پر مجبور ہو گئی، اس کو بھی پہلی حکومتوں کی طرح اپنی بنیاد مفاد پرستی، اقتدار پسندی اور طبقاتی نظام پر رکھنی پڑی، جس میں متعدد ملتوں کی بڑی اکثریت کو ایک ملت کے لوگوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت اپنا آلۂ کار بنا رکھتی ہے، مزید برآں حضرت علیؑ اور نظامِ خلافت کے ساتھ ساتھ وہ بغاوت بھی ناکام ہو گئی جو بقول باغیوں کے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس لئے کی گئی کہ اسلامی خلافت کی پاکیزگی، رواداری اور خوبی کو محفوظ رکھا جائے، اور اس کے دامن سے خود غرضی، بے راہ روی، سرکشی اور خرابیوں کے دھبے دھوئے جائیں۔

ان باغیوں نے بزعم خود اسی لئے شورش مچا رکھی تھی کہ حضرت عثمانؓ ان کے مفاد اور مال کا بہتر انتظام نہیں کر سکے، اور یہ ٹھیک ہے کہ وہ انتظام کرنے سے قاصر رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی پر بنی امیہ سوار ہو گئے، صوبوں میں گورنروں نے حکومت اور خراج کے سلسلے میں غیر معقول روش اختیار کی، خلیفہ نے بیت المال پر دست درازی کی، اپنے رشتہ داروں اور خاص خاص لوگوں کو نوازا۔ پس باغی چاہتے تھے کہ خلافت کا رخ پھیر کر شیخینؓ کے عہد کی طرف کر دیں جس میں انصاف ہوتا تھا، خود غرضی اور مطلب پرستی کا نام و نشان تک مٹایا جا رہا تھا، لوگوں کے مال کی ٹھیک ٹھیک حفاظت ہوتی تھی اور انہیں کے مفاد اور مصالح کے لئے خرچ ہوتا تھا، اور جتنا حق تھا اتنا ہی وصول کیا جاتا تھا۔

لیکن بغاوت کے لیڈر اور رہنما کامیابی سے پہلے تحریک کے دوران ہی میں قتل کر دیئے گئے۔ حکیم ابن جبلہ جمل کے معرکے سے پہلے بصرہ میں مارا گیا۔ اس کا بصری ساتھی تھا حرقوص ابن زہیر نہروان کے معرکے میں کام آیا، محمد ابن ابی بکرؓ اور کنانہ بن بشر مصر میں مارے گئے، محمد بن ابو حذیفہ کا کام شام میں تمام ہوا — اشتر کی موت مصر کے راستے میں زہر سے ہوئی اور عمار بن یاسرؓ صفین کے معرکے میں کام آئے۔

یہ ہیں بغاوت کے لیڈر، ان میں سے بعض تو حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے

ہی قتل کئے جا چکے تھے اور بعض معرکوں کے دوران میں قتل ہوئے۔ کچھ ایسے ہی جو خلیفہ کے مخالف ہوئے اور اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور مارے گئے۔ بعضوں کو معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں نے کھلم کھلا یا چھپ کر قتل کر دیا۔

کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی ان کا محاصرہ کیا اور ان کی جان لے لی، وہ سب کے سب قتل نہیں ہوگئے تھے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ باقی رہ گئے جو ان قتل ہونے والے لیڈروں کے تابع تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو لیڈر بغاوت کی راہ میں مرگئے اور تحریک چھوڑ گئے، ان کی موت سے تحریک ان دماغوں سے محروم ہوگئی، جو غور و فکر اور تدبیریں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ باقی ماندہ جماعت کے افراد نے ناکام اور نامراد ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور گوشۂ عافیت میں جا بیٹھے، وہ اپنی بغاوت سے جس ماحول کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے اس کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی کہ وہ اس سے ہاتھ ملاتے اور مقابلہ کرتے۔

ہاں یہ ماحول کا لفظ ذرا مبہم ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے، اس کا سب سے زیادہ قابل توجہ پہلو اقتصادی ہے، خلافت کا نظام جیسا کہ شیخین پیش کرتے ہیں ایک آسان اور روادار نظام ہے جس میں کوئی دشواری نہیں ہے، اس کی خاص تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ وہ اسی وقت باقی اور صحیح رہ سکتا ہے جب مسلمان اس پر گہرا اور پکا ایمان رکھیں گے، اس نظام پر یقین کا پہلا تقاضا ایک ایسا ایمان ہے جس کو دین کے ساتھ خلوص ہو، ایسا خلوص جو دلوں کی گہرائیوں تک جا پہنچے جو انسان کے باطن پر حاوی ہو جس کا اقتدار انسانی عقلیں اپنے غور و فکر میں، انسانی اعضاء اپنے اعمال میں اور زبانیں اپنی جنبشوں میں تعلیم کرتی ہوں ایسا ایمان جو شرک کو کسی رنگ میں قبول نہ کرے۔ اللہ پر ایمان اس طرح کہ اس کا کوئی شریک اور مقابل نہیں۔ دین پر ایمان کی یہ کیفیت کہ اس میں ذاتی مفاد اور خواہش کا کہیں لگاؤ نہیں، اس قسم کا ایمان اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اکثریت کو حاصل بھی تھا تو اس میں کچھ نہ کچھ آمیزش ضرور رہی، ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو آخر میں اسلام لائے، ان سے بھی قطع نظر کیجئے جن کی نبی نے مال کے ذریعے دلجوئی کی ہے اور ان بہت سے دیہاتیوں کو بھی درمیان نہ رکھیئے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:۔

قالت الاعراب اٰمنّا قُل لَّم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ اور دوسرے مقامات کے منافقوں کو پہچانتے تھے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کی نشاندہی اور ان کے حالات کی اطلاع کر دیتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

بتایا ہو کہ بعض ایسے منافق ہیں جن کو صرف میں جانتا ہوں، پھر جب نبیؐ وفات پا گئے اور منافقین کے معلوم کرنے کا ذریعہ جاتا رہا تو مسلمان کالے بالوں میں سفید بال کی طرح تھے، جیسا کہ نبیؐ کا فرمان ہے "ملۃ قلیلۃ" یعنی چھوٹی سی اقلیت اور اس کا سب سے زیادہ روشن ثبوت وفات نبویؐ کے بعد عربوں کا مرتد ہو جانا ہے۔ اور صدیق اکبرؓ کا اور آپ کے ساتھیوں کا ان سے جہاد کرنا اور ہم سب جانتے ہیں کہ کتنی مشکلوں سے ان کو راہِ راست پر لایا جا سکا۔ اس کے بعد جب اسلام عربی حدود سے آگے بڑھا اور اپنے اقتدار کی بساط شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کے مفتوحہ علاقوں تک بچھاتا چلا گیا، تو ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی جو اس اقتدار کے سامنے جھک تو گئے لیکن وہ ایمان دار نہ تھے اور نہ ان کو اقتدار سے اخلاص تھا، بلکہ ان کی وفاداری کے مظاہرے کی بنیاد صرف خوف پر تھی۔

اسی طرح یہ فتوحات اس نئی حکومت کے لئے بیک وقت قوت اور کمزوری دونوں کا سرچشمہ تھیں، قوت کا اس طرح کہ اس کے ذریعے زمین کے بہت سے علاقے زیر فرمان ہو گئے اور کمزوری کا اس طرح کہ فتوحات ہی نے ایسے لوگوں کی اکثریت کو مطیع بنا دیا جو اس حکومت کے مخلص نہ تھے بلکہ اس سے خائف اور اس کی شوکت سے ہراساں تھے، فتوحات کی قوت یہ ہے کہ اس قدر مال و دولت کی فراوانی ہوئی جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا اور فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے ایسے مفاد اور اغراض کو جگا دیا جو سو رہے تھے، ایسے ایسے مقاصد اور تقاضوں کو بیدار کیا جو محوِ غفلت تھے، ان افراد کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، جن کی فکر و نظر کا گوشہ دین تھا۔ پھر تو ایسی ایسی ضرورتیں پیدا کر دیں، جن سے کبھی کا انس و آشنائی نہ تھی۔ دولت نے عربوں کے سامنے عیش و عشرت کے ساز و سامان پیش کر کے ان کو اولاً آمادہ کیا پھر دعوت دی اور بالآخر ان کو اس کا اس طرح عادی بنا دیا کہ فریفتہ ہو گئے، ہاں کچھ تھوڑے لوگ رہ گئے جنھوں نے دنیا پر دین کو ترجیح دی اور اپنی توجہ دولت، مفاد اور ساز و سامان سے ہٹا کر اللہ کی طرف کر لی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں عربوں کو اپنی راہ چلانے میں کتنی مصیبتیں اٹھائیں، خود بھی پریشان رہے اُن کو بھی پریشان رکھا، عرب آپ کی سیاست سے سخت کوفت میں تھے، ان پر وہ انصاف بہت گراں تھا جو کمزور اور قوی کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے، ان پر وہ خشک اور موٹی زندگی بڑی شاق تھی جس پر حضرت عمرؓ ان کو مجبور کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی تو ان کو خوشی ہوئی دنیا ان کی نگاہوں میں اور یہ دنیا کی نظر میں متبسم اور شگفتہ نظر آنے لگے، لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ یہ تبسم اور یہ شگفتگی آنسو اور افسردگی بن کر ایک بڑا فتنہ ثابت ہوئی۔

دولت کے لئے ہَوس کم ہو جانا مزید دولت کی طلب پیدا کرتا ہے۔ پھر مال کی طلب حرص و طمع کے

دروازے کھولتی ہے، جس کے بند ہونے کی کوئی سبیل نہیں، اور جب حرص آئی تو ظلم و زیادتی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس کے سائے میں مقابلہ کرنے کا مادہ پرورش پاتا ہے اور پھر باہم بغض و کینہ کی باتیں عام ہو جاتی ہیں اور آدمی ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، یہاں تک پہنچنے پر حسد کا جذبہ جوان ہو چکتا ہے اور ان لوگوں کے دل جلنے لگتے ہیں، جن کو دولت مندوں کی سی خوش حالی اور ثروت میسر نہیں، پھر یہ حاسد اپنے جذبات کی تشنگی بجھانا چاہتے ہیں اور خوش نصیب اپنی حمایت میں اقدام پر آمادہ ہوتا ہے اور اس طرح دونوں میں ٹھن جاتی ہے

یہ سب کچھ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا، اور انھیں حالات نے شہر والوں کو پہلے گورنروں کی پھر خلیفہ کی بغاوت پر آمادہ کیا، پھر خلیفہ کے محاصرے اور قتل تک نوبت پہنچی۔

حضرت علیؓ نے چاہا کہ عربوں کو پھر فاروق اعظمؓ کے دور میں پہنچا دیں، لیکن وہ دن جا چکے تھے اور ان کا آنا ممکن نہیں تھا، دولت مندوں کے دلوں پر دولت کا قبضہ تھا، چنانچہ انھوں نے اسی بنیاد پر عراق میں اور شام میں جنگ کی، عراق میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی، لیکن ایسی کہ اس کو غالب اور مغلوب دونوں نے بہت جلا بھلا دیا۔ جمل کے معرکے کے بعد بصرہ والوں کو کس قدر جلد اپنی عثمانیت یاد آگئی۔ اس عثمانیت کا مطلب صرف عثمانؓ کی محبت اور ان کے قصاص کی طلب نہ تھی، بلکہ اس کا مطلب اس سے زیادہ عام اور وسیع ہے۔ اس کے معنی وہ نظام جس کو وہ پہچانتے تھے، اور جس سے مانوس تھے، شدید حرص و طمع اور مال میں مقابلے کا نظام حضرت عمرؓ کی لادی ہوئی زندگی سے تنگ آ جانے والا نظام جس کو حضرت علیؓ پھر سے عربوں پر لادنا چاہتے تھے

ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بصرہ والوں کی شکایت کی کہ جمل کے معرکے کے بعد جب آپ یہاں سے چلے گئے تو لوگوں میں پھر انتشار سا ہو رہا ہے اور ان میں اطاعت اور سنجیدہ فرمانبرداری کی متوقع کیفیت نہیں ہے، حضرت علیؓ نے جواب لکھا، اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بصرہ والوں کی اصل حقیقت کا پتہ پتہ چلا لیا تھا، اور چاہتے تھے کہ ان کی اصلاح کی جو صورت بھی ممکن ہو نکالی جائے۔ جواب میں فرماتے ہیں۔

"تمہارا خط پہنچا۔ میری واپسی کے بعد بصرہ والوں کے طرز عمل کا تم نے تذکرہ کیا ہے۔ وہ امید و بیم کے عالم میں ہیں، تم امید رکھنے والوں کو رغبت دلاؤ اور خائف رہنے والوں کا خوف عدل و انصاف سے دور کرو۔"

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ وہ امید و بیم کی حالت میں تھے، لیکن اس کے لئے حضرت علیؓ نے جو علاج تجویز کیا، وہ میسر نہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ عدل و انصاف کے حدود میں رہ کر امید رکھنے والوں کو رغبت کا موقع دیا جائے اور ڈرنے والوں کو مطمئن کیا جائے۔

انصاف، ڈرنے والوں کا خوف تو دل سے نکل سکتا ہے لیکن امید رکھنے والوں کو امید نہیں دلا سکتا،

اور اس سے بڑھ کر اس کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی سیاست کامیاب نہیں کر سکے، رغبت دلاتے ہوئے خود ہی امید رکھنے والوں کی صف میں کھڑے ہو گئے، اور جب ابوالاسود نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے ان کو ڈانٹ بتائی تو بیت المال سے جس قدر بھی لاد سکے اپنے ساتھ لے کر مکہ بھاگ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے، پھر بصرہ والوں نے چاہا کہ زیاد کے خلاف بغاوت کر دیں اور معاویہؓ کی طرف جھک پڑیں، لیکن حضرت علیؓ نے خوف و دہشت کی رسی میں ایک مزید گرہ ڈال دی، اور جاریہ بن قدامہ کو بھیج دیا جس نے آکر ان کی ایک جماعت کو نذر آتش کر دیا۔

پھر جمل کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھ فتح پانے والوں کی حالت شکست کھانے والوں سے اچھی نہ تھی۔ فتح پانے کے بعد جب انھوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کے مال کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور حضرت علیؓ نے روکا تو دبی زبان سے کہنے لگے کہ "ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کیا لیکن ان کا مال مباح نہیں کیا"۔

اسی طرح کوفہ والے حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کے معرکے میں گئے اور قریب تھا کہ فتح پا جاتے، لیکن مال کے خیال نے ان کے سرداروں اور افسروں کے ہاتھوں ان کا کام چوپٹ کر دیا۔ قرآن اٹھائے گئے اور حضرت علیؓ کو ثالثی کی منظوری پر مجبور کیا گیا۔

اسی دن یہ بات ثابت ہو گئی کہ بغاوت ناکام رہی اور حضرت علیؓ، فاروق اعظمؓ کا دور واپس لانے کے لئے اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور حضرت علیؓ کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری کی بھی نہ چلی ان کو یمن والوں نے اپنے خلیفہ کی مرضی کے خلاف حکم چنا تھا اور صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے انتخاب کرنے والوں کے خلاف چاہتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی بیعت کی جاتی جو اچھے باپ کے اچھے بیٹے ہیں اور جن سے فاروق اعظمؓ کا نام اور ان کی سیرت زندہ ہوتی۔ یمن کے لوگ نہ عمرؓ کو چاہتے تھے نہ ان کے بیٹے کو اور نہ کسی ایسے کو جو ان کے جیسا ہو، اگر یہی چاہتے تو حضرت علیؓ سے غداری کیوں کرتے، اور کیوں ان کو اس بات پر مجبور کرتے، جو وہ نہیں چاہتے تھے۔

پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ حجاز کے لوگ کوفہ اور بصرہ والوں سے بہتر نہیں تھے۔ چنانچہ بہت سے حجازی چوری چھپے شام جا رہے تھے، ان کو معاویہؓ کی دنیا زیادہ پسند تھی۔ یہ دیکھ کر مدینہ کے حاکم سہل بن حنیف نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے جیسا کہ تم نے پڑھا سہل کو تسلی کا خط لکھا۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ مکہ کے بہت سے لوگ مدینہ والوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے، بلکہ جو لوگ حرمین ہی میں مقیم تھے اور شام چلے جانے سے زیادہ اچھا یہ خیال کرتے تھے کہ حجاز ہی میں رہیں ان کو معاویہؓ کی طرف سے تحفے اور عطیات ملتے تھے اور وہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ہم بلاذری کی روایتوں میں ان خطوط پر نگاہ ڈالتے ہیں جو حضرت علیؑ نے اپنے مشرقی علاقوں کے گورنروں کو لکھے ہیں، ہمیں صرف دو خط ایسے ملتے ہیں جن میں آپ نے گورنروں کی ایسی تعریف کی ہے جو اگر مگر سے خالی ہے اور ان میں سے ایک خط جو عمرؓ بن مسلمہ کے نام ہے ہم نقل کر چکے ہیں جو آپؑ نے بحرین سے ان کو معزول کرتے ہوئے لکھا تھا۔ دوسرا خط سعد بن مسعود ثقفی کے نام ہے جو مدائن میں آپ کے گورنر تھے۔ خط یہ ہے :-

اما بعد! تم نے مسلمانوں کے لئے خراج کی رقم میں کافی اضافہ کیا اور ایک پاکباز متقی کی طرح اپنے رب کے فرماں بردار اور اپنے خلیفہ کے خیر خواہ رہے۔ تمہارا کام قابل تعریف ہے۔ تمہارے اخلاق سے میں خوش ہوں، تم نے اپنی معقولیت ثابت کردی، خدا تم پر عنایت کی نظر رکھے۔ والسلام

لیکن ان دو کے علاوہ باقی تمام خطوط میں کسی حاکم کو ڈانٹ ڈپٹ ہے کسی میں عتاب اور دھمکی، کسی میں وعظ و نصیحت۔ تم پڑھ چکے ہو کہ مصقلہ ابن ہبیرہ اور منذر بن جارود کے ساتھ کیا کیا۔ ایک نے مال میں تصرف سے کام لیا اور شام بھاگ گیا، اور دوسرا اسی سلسلہ میں گرفتار ہو کر قید کیا گیا اور ابن عباسؓ کی بات تم ابھی بھولی نہ ہوگی۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فتوحات کے بعد دولت کی فراوانی سے جو پستی مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ اتنی عام تھی کہ اس فتنے سے جتنے لوگ کنارہ کش تھے ان سب کے افراد بھی اس سے نہ بچ سکے۔ اگر ایک طرف سعد ابن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلمہ ہیں جو اپنا دین لئے فتنے سے دور رہے، فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کی، اللہ اور اس کے دین کے لئے گوشہ نشینی کے ارادے پر قائم رہے تو دوسری طرف مغیرہ بن شعبہ اعتزال کی ایک مثال ہیں، طائف میں امن و عافیت کے دن گذرتے رہے، لیکن یہ عافیت ان پر بڑی گراں تھی، وہ کسی کام کے شوق میں بیتاب تھے اور غالباً عمرو بن العاصؓ کی کامیابی سے زیادہ ان کو کوئی چیز نہیں ستاتی تھی، وہ اس جوان گھوڑے کی طرح اپنی لگام چباتے جس کو دوڑنے سے روک دیا گیا ہو۔

ابوہریرہؓ مدینہ میں مقیم تھے، معاویہؓ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو عطیہ ملتا تھا، اس کے لینے میں ان کو کوئی تامل یا ناگواری نہ تھی۔ مغیرہ بن شعبہ نے تو جب معاویہؓ کے لئے میدان صاف ہو گیا تو بڑی سرگرمی دکھائی البتہ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابن عمرؓ دونوں بزرگ اپنی گوشہ نشینی اور سکون پسندی پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ حرمین کے لوگ بھی حوادث میں مبتلا ہونے کے بعد جنگ پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے، جو کچھ بھی ان کو پیش کیا جاتا قبول کر لیتے، خواہ کہیں سے آیا ہو، اور جو بھی اقتدار

اور شوکت کا مالک ہوتا اس کی بیعت کر لیتے، حضرت علیؑ کی اطاعت میں تھے لیکن جب بسر ابن ارطاۃ نے ڈرایا دھمکایا تو مدینہ والوں نے معاویہؓ کی بیعت کر لی اور مکہ والوں نے بلا پس و پیش اس کا استقبال کیا اس لئے کہ معاویہؓ نے حکم دیا تھا کہ مکہ والوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، لیکن جب حضرت علیؑ کا افسر آیا اور بسر کو بھگا دیا تو مکہ والوں نے بلا کچھ پتہ چلائے اس طرح بیعت کی کہ کوفہ والوں نے جس کی بیعت کی ہے ہم بھی اُسی کی بیعت کرتے ہیں اور مدینہ والوں نے اس علم کے بعد کہ خلیفہ حسن بن علیؑ میں بیعت کر لی۔

پس ہر بات سے پتہ چلتا ہے کہ طبیعتوں پر دین کے غالب رہنے کی وہ کیفیت جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھی، اب باقی نہ تھی، دین کی جگہ اب دلوں پر دولت اور تلوار نے قبضہ کر لیا تھا اور ہر بات سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ اور ان کی راہ پر چلنے والے جو نبیؐ اور شیخینؓ کی سیرت کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، زمانے کے اس آخری دور میں ہیں۔ جب تمام باتوں پر دین غالب تھا تو پھر بلا پس و پیش کہنا چاہیئے کہ نئے مسلمانوں میں دین کی قوت کمزور ہو جانا اور دنیا دی اقتدار کا ان پر غالب آجانا اس ماحول کا پہلا اثر تھا، جو حضرت علیؑ کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو۔

عرب حضرت عمرؓ کے زمانے تک دوسروں کے حالات سے بہت کم واقف تھے، عرب تاجر جب تجارت کا مال لے کر واپس آتے تو روم، فارس اور حبش کے متعلق، نیز شام، مصر اور خصوصاً عراق کے بارے میں ان سے باتیں کرتے، اسی طرح غیر ملکی تاجروں اور غلاموں میں سے کچھ لوگ جب ان کے پاس پہنچ جاتے تو انھیں ان ملکوں کے بارے میں کچھ حالات سناتے، یہ بیان کرنے والے شاید باتوں کو صاف صاف بتاتے بھی ہوں گے لیکن سننے والے عربوں کے لئے وہ باتیں مبہم اور پیچیدہ ہوتیں، چنانچہ ان ملکوں کے بارے میں عربوں کی جو معلومات تھیں انھیں صحیح حالات اور سچے واقعات کی بجائے عجائبات اور افسانوں کا رنگ دیا جا سکتا ہے۔ پھر فتوحات کا دور آیا تو اسلامی فوجوں نے ان ممالک کی بہت سی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا، اس کے بعد ان کو وہاں قیام کا موقع ملا اور بہت سے عرب آباد ہوئے تب انھوں نے ان ملکوں کو ٹھیک طور پر پہچانا اور ان کے بارے میں اور ان کے باشندوں کے بارے میں وہ وہ باتیں ان کو معلوم ہوئیں جن کا وہ یقین نہیں کرتے تھے، انھوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا شروع شروع میں ان پر ان کو کچھ حیرت سی ہوئی، لیکن پھر وہ اپنے مشاہدات اور معلومات سے مانوس ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کے اخلاق و عادات اور ان کی زندگی کے طور طریقوں میں سے جو بات اچھی سمجھتے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنے ذوق کے مطابق پاتے اس کو اختیار کر لیتے۔

ابتدا میں طبیعتیں بہت آہستہ تغیر پذیر رہیں، لیکن جیسے جیسے ان اطراف میں ان کا قیام طویل ہوتا گیا تبدیلی کی رفتار میں قوت اور تیزی بڑھتی گئی۔ انھوں نے ایک دلکش تمدن کے ساتھ خوشحالی اور عیش و عشرت کا

ایسا تنوع دیکھا کہ آنکھوں پر جادو ہوگیا، زندگی میں وہ رنگینی اور لطافت پائی جس کا تصور ان کا دماغ اب تک نہ کرسکا تھا، پھر نوجوانوں کا دل ان بہاروں نے موہ لیا اور ان میں دانستہ یا نادانستہ آرزو پیدا ہوئی کہ اس زندگی سے بہرہ اندوز ہوں، ان تمام باتوں نے ان کے گوشۂ فکر و نظر کو متاثر کیا جہاں سے وہ زندگی کی قدروں کا اندازہ کرتے تھے، چیزوں کو دیکھتے اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔

سب سے پہلی بات جس نے عربوں کو حیرت میں ڈال دیا وہ فارس کی شان و شوکت تھی، جس کا انھوں نے خاتمہ کر دیا تھا اور جس کی سرحدوں کو رومی حدود سے کاٹ دیا تھا، عرب کے شاطروں اور حوصلہ مندوں نے اس مفتوحہ ملک کا جب اپنی سرزمین سے مقابلہ کیا جو مدینہ اور دوسرے عربی شہروں اور دیہاتوں میں چھوڑ کر آئے تھے تو انھوں نے محسوس کیا کہ اس جدید کا درجہ ان کے قدیم سے اونچا ہے اور اکثروں نے تو اس فرق کے اظہار میں شرم محسوس کی اور باہم سرگوشیاں کرنے لگے، ان کے دل اس جدید کی طرف مائل ہوگئے، یہ اپنے سرپرست بوڑھے صحابہؓ کو بڑی عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن اس عزت و احترام میں ہمدردی اور غم خواری کا بھی پہلو ہوتا، عزت و احترام اس لئے کرتے تھے کہ ان صحابہؓ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اونچا تھا اور پھر اسلام لانے میں سابق تھے اور ہمدردی اور غم خواری کے جذبات اس لئے تھے کہ اب وہ اس پرانی نسل کے نمائندہ تھے جس کا دور ختم یا قریب الختم ہے۔

ان میں سے جو بھی مدینہ آتا اور حضرت عمرؓ سے ملتا تصنّع کے ساتھ آپؓ جیسی کیفیت بنا کر کہ کہیں اصلی حالت کا پتہ نہ چل جائے، دنیا سے بیزاری کا خشک اور بے لطف زندگی کا مظاہرہ کرتا کہ وہ مطمئن ہو جائیں اور خوش ہوں اور جب ان سے الگ ہوتا یا دوستوں میں پہنچتا تو اسی خوش حالی زندگی سے ہم آغوش ہو جاتا جس سے اب مانوس ہو چکا ہے اور حضرت عمرؓ کی سادہ اور خشک زندگی پر عزت و احترام کے پورے جذبات کے ساتھ اپنے درد کا اظہار کرتا۔

پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا تو ان کو اس تصنّع کی زندگی سے بھی نجات مل گئی، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ دنیا سے بیزاری اور خشک زندگی پسند نہیں کرتے تھے، پس انھوں نے کھل کر وہ کیا جو اب تک چھپا کر کرتے تھے اور خود مدینہ میں زندگی کی لطافتوں کا آغاز ہوگیا، تنعم اور تعیش کا دور دورہ ہوا اور مدینہ اور اس کے اطراف میں اونچے اونچے محل اور کوٹھیاں تعمیر ہونے لگیں، نوجوان ایسے ایسے کھیل کھیلنے لگے جن کا عربوں کے زمانہ میں کہیں پتہ نہ تھا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود حضرت عثمانؓ اپنی رواداری اور سکون پسندی کے باوجود مجبور ہوئے کہ باہر سے آنے والے نئے نئے فتنوں کو روکیں جو لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہے تھے، پھر عربوں نے دیکھا کہ بوڑھے صحابہؓ اور سابقین اسلام کی ایک جماعت دولت جمع کرکے

کچھ خوشحالی کی زندگی جی رہی ہے تو وہ بھی اپنے ان رہنماؤں اور معلموں کی راہ چلنے لگے، اسی دوران میں فتوحات نے حجاز اور دوسرے عربی شہروں میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد بھیج دی جو فتح سے پہلے اپنے اپنے شہروں میں درجہ اور طبقہ کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کی زندگی گذارتے تھے، عربی حدود میں داخلے کے وقت مختلف حیثیتوں کے غلام اور لونڈیاں اپنا اخلاق اپنا ذوق اور اپنی طبیعتیں اپنے شہروں میں چھوڑ کر نہیں آئیں بلکہ یہ سب کچھ ساتھ لائیں اور اپنے مالکوں کو اپنی بہت سی باتیں بنا بھی دیں، انھوں نے اپنی طبیعت اور اپنے ذوق کی بہت سی باتوں پر اپنے مالکوں کو اُکسایا، راغب کیا اور دیکھا کہ وہ بے چون و چرا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور خوش آمدید کہتے ہیں، پھر تو انھوں نے اپنے مالکوں کو اپنی پسندیدہ اداؤں میں پھانس لیا۔

اور یہ کیفیت صرف انھیں غلاموں اور لونڈیوں کی نہ تھی جو عربی سرزمین میں آئیں بلکہ یہی حال ان سب کا تھا جو اپنے مالکوں کے ساتھ مفتوحہ ممالک میں قیام پذیر تھیں، ان تمام باتوں نے مل کر عربی طبیعت میں ایک مکمل جدت پیدا کر دی جو عربوں اور ان کی قدیم خشک زندگی کے درمیان ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو گئی۔

اب حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جب چوتھے خلیفہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو اُنھوں نے چاہا کہ قوم کو سیدھے راستے پر چلائیں اور مسلمانوں کو اس سیرت اور اس زندگی کی طرف لے جائیں جس کے وہ نبیؐ اور شیخین کے زمانے میں خوگر تھے لیکن لوگوں نے کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا، انھوں نے دیکھا کہ ایک قدیم خلیفہ ایک جدید نسل پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور وہ بھی ایسی پالیسی کے ساتھ جو عیش اور خوشحالی کی زندگی کے سخت مخالف ہے۔

اس کے بعد انھوں نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا کہ ایک دوسرا امیر ہے جس کا مستقر شام ہے جس نے اس نئی نسل کے لئے اپنے اندر جدت اور اپنی رعایا کے درمیان ایک مناسبت پیدا کر لی ہے، مزید برآں وہ اپنی رعایا کو جدت پر اُکساتا ہے اور اس سلسلے میں مالی امداد بھی کرتا ہے، پھر اپنے عمل پر توثیق کے مطابق دلائل بھی پیش کرتا ہے، وہ رومی شہروں کے پڑوس میں مقیم ہے۔ اور چاہتا ہے کہ رومیوں کو بتا دے کہ وہ اُن سے شان و شوکت میں اور زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوزی میں کسی طرح کم نہیں اور یہ کہ اس کے ساتھی اس معاملے میں اسی کے جیسے ہیں، پھر وہ رومیوں سے برسر پیکار تھے تو ضروری تھا کہ ان کے ہتھیار بھی حریف کے جیسے ہوں، دوسری طرف وہ عراق میں اپنے مدمقابل حضرت علیؓ سے لڑ رہے تھے، اس سلسلے میں ان کے لئے ضروری تھا کہ چالبازی سے کام لیں، حریف کو فریب دیں، لوگوں کو ان کے تعاون سے روکیں، ان کے گرد و پیش جمع ہونے والوں کو منتشر کریں۔ پس اس کام کے لئے تمام تدبیریں مستحب بلکہ فرض ہیں

اور ان کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔

چنانچہ امیر معاویہؓ اس کے لیے خرچ کرنے لگے انھوں نے دولت سے لوگوں کی دلجوئی شروع کر دی اور مخالفین کے خلاف داؤں پیچ میں مصروف ہو گئے، ماحول کی یہ تمام باتیں اکٹھا ہو کر حضرت علیؓ کے دل میں یہ آثار رکھتی تھیں کہ وہ زندگی کے اس دور میں ایک اجنبی کی طرح جی رہے ہیں، جس نسل کی زندگی کے معاملات کا وہ تنظم کرنا چاہتے ہیں، اس سے ان کا کوئی میل نہیں ہے اور اس لئے وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی سبیل نہیں۔

یہ ابن عباسؓ آپ کے چچازاد بھائی آپ کے مخالفین کر بکے میں خوشحالی اور عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ آپ کے گورنر بعضوں کو چھوڑ کر سب کے سب چوری چھپے مال لے لیتے ہیں اور یہ قوم کے سردار اور چودھری امیر معاویہؓ سے رقمیں پاتے ہیں اور عراق میں ان کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں اور یہ عوام جنگ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں پر امن و عافیت کو ترجیح دیتے ہیں، حالات کا یہ نقشہ ہے، اور حضرت علیؓ بلاتے ہیں کوئی آتا نہیں، حکم دیتے ہیں کوئی سنتا نہیں، پھر تو آپ کا کام بگڑ جاتا ہے، آپ قوم سے اور قوم آپ سے گھبرا اٹھتی ہے، پھر آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ خدایا ان سے اچھی مجھے دعا یا اور مجھ سے برا ان کو خلیفہ دے پھر اس بدبخت کے لئے عجلت فرماتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو القا کیا گیا تھا کہ وہ آپ کا قاتل ہے اور جس کے لئے آپ اکثر فرمایا کرتے، کم بخت کیوں دیر لگا رکھی ہے، بدبخت کو کس نے روک رکھا ہے پھر اپنے قتل کے انتظار میں بار بار یہ شعر دہراتے ؎

اشدد حیازیمک للموت فان الموت لاقیک

موت کے استقبال کی تیاری کر لو وہ تم تک پہنچنے والی ہے

ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیک

موت سے نہ گھبراؤ جب اس نے تمھارے صحن میں قدم رکھ دیا ہے

پھر وضو کے درمیان لیا اوقات اپنی ڈاڑھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ اس سے یہ رنگین ہو گی۔ اگر حضرت علیؓ دل کی اندرونی آواز پر کان دھرتے تو اپنے ساتھیوں کی بیعت سے مستغنی ہو کر زندگی کے باقی دن اللہ کی عبادت اور آخرت میں گذار دیتے، لیکن یہ نہ ہو سکا، آپ حق پر ایمان رکھتے تھے اور حق کی امداد سے بیٹھ رہنا بزدلی اور معصیت تھا، اور پھر آپ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بہت جلد مایوس ہو جائے اور دشمن کے مقابلے سے ہٹ جائے خواہ حالات کیسے ہی ہوں یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی اور کنارہ کشی سے تنگ آ گئے تو صاف صاف ان کو

کہہ دیا کہ تمھیں میرے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لیے چلنا پڑے گا، ورنہ میں خود چلا جاؤں گا چاہے میرے ساتھ بہت کم ساتھی ہوں۔

پس جدید زندگی کے حالات سراسر معاویہؓ کے حق میں تھے اور حضرت علیؑ کے خلاف، لیکن اس کے باوجود ماحول آپ کو کمزور نہیں بنا سکا اور نہ کسی دن آپ کو آپے سے باہر کرسکا۔ چنانچہ آپ زندگی بھر تمام حالات میں اعتدال کے ساتھ اپنی طبیعت، مزاج اور سیرت پر قائم رہے۔

آپ کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان ایک فرق اور ہے جو آپ کے خلاف لوگوں کو امیر معاویہؓ تک پہنچا دیتا، آپ اپنے ساتھیوں کے معاملات کی تدبیریں ان کی موجودگی میں کرتے تھے، اپنے دباؤ اور جبر سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان سے مشورہ لیتے اور اپنی رائے پیش کرتے۔ لیکن آپ کے ساتھی آپ کی رائے سے اختلاف کرتے اور آپ کو مجبور کرتے کہ ان کے مشورے پر عمل کیا جائے اور آپ اپنی رائے اپنے ساتھ رکھیں۔ آپ کا یہ طرز عمل ان کو آپ کے خلاف آمادہ کرتا تھا اور اس سے ان کا حوصلہ بڑھتا تھا۔

امیر معاویہؓ حضرت علیؑ کی طرح اپنے ساتھیوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے نہ ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کے تو مقربین میں سے خاص خاص مشیر تھے، نتیجہ یہ تھا کہ جب وہ حکم دیتے تو شامی بلا پس وپیش بجا لاتے، اعتراض کی تو مجال ہی نہ تھی، پھر یہ کہ امیر معاویہؓ اپنا بھید پوری طرح چھپا رکھتے تھے، اسی کو بتاتے جس کو اپنے مقربین میں سے بنانا چاہتے اور حضرت علیؑ کے تمام معاملات لوگوں کے سامنے طے پاتے، بات خواہ کیسی ہی اہم ہوتی آپ کے تمام ساتھیوں کو معلوم ہو جاتی۔ حضرت علیؑ خلافت چلا رہے تھے اور معاویہؓ حکومت، خلافت کے دن بیت چکے تھے اور حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔

سازش

حضرت علیؓ اپنی اس تلخ زندگی پر غالب آنے کی کوششوں میں مصروف تھے، ایک طرف وہ اپنے ساتھیوں کو شام کی لڑائی پر چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے، دوسری طرف عراق، حجاز اور یمن کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے دستے بھیج رہے تھے کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے لوٹ و غارت کے حملوں کی مدافعت ہو سکے تیسری طرف ان خارجیوں سے برسر پیکار تھے جو دشمنی اور مقابلے کی دعوت دے کر لوگوں میں دہشت پھیلائے تھے اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان خوارج کے ساتھ نرمی کا برتاؤ بھی جاری تھا، جو کوفہ میں آپ کے ساتھ تھے اور تاک میں رہا کرتے کہ کب موقع ملے اور نکل پڑیں، پھر گورنروں کے لئے آپ کی یہ کاوش کہ وہ اپنے کاموں میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ دیں، اس طرح آپ کی زندگی مختلف کوششوں اور کاوشوں میں گذر رہی تھی، انہی دنوں کچھ خارجی حج کے لئے نکلے، انھوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے حامی حاجیوں میں باہم اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کے امیر کی اقتداء میں نماز تک پڑھنے کو تیار نہیں، چنانچہ لوگوں کو ایک ایسے امیر کا انتخاب کرنا پڑا جو کسی جماعت کا نہ تھا اور پھر نماز ادا کی گئی۔

یہ دیکھ کر ان خارجیوں کو بہت برا معلوم ہوا، پھر ان کو نہروانی اور دوسرے معرکے یاد آگئے اور وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیوں نہ امت کو اس اختلاف کی بدبختی سے نجات دلائی جائے اور کیوں نہ ان تین آدمیوں کو قتل کر دیا جائے، جو اس جھگڑے کی جڑ ہیں، حضرت علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ، اس طرح امت اختلاف سے بھی بچ جائے گی اور حضرت علیؓ سے اپنی جماعت کے خون کا بدلہ بھی لے سکیں گے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے حضرت علیؓ کو قتل کر دینے کے لئے اپنا نام پیش کیا، یہ عبدالرحمن ابن ملجم الحمیری تھا، قبیلہ مراد کا حلیف۔ دوسرے نے معاویہؓ کے لئے اپنا نام دیا، یہ حجاج ابن عبداللہ صرمی تھا جس کا تعلق بنی تمیم سے ہے۔ تیسرے نے عمرو بن عاص کے لئے اپنا نام پیش کیا، اس کا نام عمرو بن بکر یا ابن بکیر ہے۔ یہ بھی نسلاً یا ولا کے اعتبار سے تمیمی ہے۔ یہ تینوں اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک مقررہ دن اپنا کام پورا کر دیں گے، ان لوگوں نے قتل کا وقت اور تاریخ بھی مقرر کر دی، یعنی ۱۷ رمضان کی صبح کو نماز کے لئے نکلنے کے موقع پر۔ یہ لوگ اس کے بعد چند ماہ مکہ میں مقیم رہے اور پھر رجب میں عمرہ ادا کرنے کے بعد الگ الگ نکلے کہ جو ارادہ کر چکے ہیں اس کو پورا کر دیں۔

امیر معاویہ کا حملہ آور مقررہ تاریخ میں ٹھیک اپنے وقت پر پہنچا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا اس لئے کہ معاویہ نے بقول مورخین اس دن زرہ پہنی رکھی تھی، وار بھرپور نہ پڑ سکا اور حملہ آور قتل کر دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا قاتل بھی ٹھیک وقت پر پہنچا لیکن وہ بھی ناکام رہا، اس لئے کہ اُس دن بیماری کی وجہ سے عمرو بن عاص نماز کے لئے نہیں آسکے تھے اور اپنے محافظ افسر خارجہ ابن حذافہ عدوی کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ حملہ آور کا وار اس پر پڑا اور وہ مر گیا۔ بعد میں عمرو بن عاص نے حملہ آور کا کام تمام کر دیا۔

اب رہا عبدالرحمٰن بن مُلجم، تو اس نے کوفہ میں قیام کیا اور وقت اور تاریخ کا انتظار کرنے لگا، وقت قریب آنے پر رات کے آخری حصے میں اپنے ایک معاون کی معیت میں موقع پر جا پہنچا اور حضرت علیؓ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا، آپ نکلے اور نماز کے لئے لوگوں کو آواز دینے لگے اتنے میں دونوں نے اپنی تلواروں سے حملہ کر دیا، ابن مُلجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی اور ساتھی کی تلوار گھر کی دیوار پر پڑی، وار لگتے ہی حضرت علیؓ گر گئے اور فرمایا، حملہ آور بھاگنے نہ پائے، عبدالرحمٰن بن مُلجم کو پکڑ لیا گیا، لیکن اس کا ساتھی بھاگنے کی کوشش میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ کو لوگ گھر کے اندر لائے جہاں وہ دو دن اور ایک رات زندہ رہ سکے دوسری رات انتقال کر گئے۔ مورخین روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قاتل نے جب وار کیا تو وہ کہہ رہا تھا الحکم للہ لا لک یا علیؓ[1] اور خود حضرت علیؓ الصلوٰۃ یا عباداللہ الصلوٰۃ فرما رہے تھے۔

اسی طرح مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے گرد وپیش والوں کو کہا کہ ابن مُلجم کو اچھا کھانا کھلانا اور عزت کے ساتھ رکھنا، اگر میں اچھا ہو گیا تو اس معاملے پر غور کروں گا، معاف کر دوں گا یا قصاص لوں گا اور اگر جانبر نہ ہوسکا تو اس کو بھی مار ڈالنا اور کوئی زیادتی نہ کرنا، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ مرنے سے قبل حضرت علیؓ کی زبان سے آخری کلام جو سنا گیا وہ ارشاد خداوندی تھا فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ[2]

اہل جماعت راویوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ آپ سے آپ کے صاحبزادے حسنؓ کی بیعت کے لئے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "نہ میں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں"۔ شیعوں کا خیال ہے کہ آپ نے حسنؓ کے لئے بیعت کا صریح حکم دیا۔ یہ ایک اختلافی بات ہے جس میں

---

[1] فیصلہ کرنا اللہ کا حق ہے اے علیؓ تمہارا حق نہیں۔

[2] جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہاں اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو دیکھے گا۔

گفتگو بہت طویل ہے اور پھر اس سے بحث ہمارے پیش نظر ہے بھی نہیں۔

لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وارثوں نے "قاتل کے بارے میں حضرت علیؓ کی وصیت پر عمل نہیں کیا، حضرت علیؓ نے حکم دیا تھا کہ اس کو بھی مار ڈالنا اور کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا، لیکن وارثوں نے اس کو بُری طرح کاٹا اور آگ میں جلا دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی قبر کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کوفہ کے ایک مقام رَحبہ میں ہے اور اس کو چھپا دیا گیا ہے تاکہ خارجی اس کی بے حرمتی نہ کریں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت حسینؓ آپ کی لاش مدینہ لے گئے اور فاطمہؓ کے بازو میں دفن کیا، مخالفین شیعہ میں سے غلو کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کی لاش ایک تابوت میں رکھ کر اونٹ پر حجاز لے جا رہے تھے لیکن راہ میں اونٹ گم ہوگیا، چند دیہاتیوں کو وہ اونٹ ملا تو اُنھوں نے سمجھا کہ تابوت میں کچھ مال و دولت ہے پھر جب اُنھوں نے دیکھا کہ اس میں ایک مقتول کی لاش ہے تو اس کو جنگل میں ایک نامعلوم جگہ دفن کر دیا۔ ان مختلف روایات پر گفتگو کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور پھر اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں۔

مدینہ والوں تک یہ اطلاع پہنچی اور حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

والقت عصاھا واستقرت بھا النوی کما قرعینا بالایاب المسافر

اس نے اپنی لاٹھی ٹیک دی اور جدائی کو قرار مل گیا جس طرح مسافر کی آنکھیں واپسی پر ٹھنڈی ہو جاتی ہیں

گویا کہنا چاہتی ہیں کہ علیؓ اپنی موت سے آرام پائے اور لوگوں کو بھی آرام پہنچایا۔ اس میں تو شک نہیں کہ موت سے حضرت علیؓ کو ایک بڑی مشقت سے آرام مل گیا، لیکن اس میں تو شک ہی شک ہے کہ ان کی موت سے لوگوں کو آرام ملا بلکہ یقینی خیال ہے کہ آپ کی موت نے کسی کو آرام نہیں پہنچایا اس نے تو مسلمانوں کو ایک ایسی مصیبت میں اور ایسے اختلاف میں مبتلا کر دیا جس کا اثر آج تک باقی ہے اور خدا ہی کے علم میں ہے کہ اس کی مدت کتنی ہے۔

حضرت علیؓ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان

جہاں تک حضرت علیؓ کی تاریخ کا تعلق ہے یہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد افسانہ نویسی اور داستان سرائی کا آغاز ہوتا ہے۔ قصہ کہنے والوں نے بڑھانے چڑھانے اور واقعات کو ہولناک اور ہموار بنانے کے لئے جو راستہ چاہا اختیار کیا، انھوں نے تاریخ کو اپنے اضافوں سے کچھ اس طرح جوڑا ہے کہ مورخ کو حضرت علیؓ سے متعلق کسی معمولی بات کو بھی ایک کھلی حقیقت کے رنگ میں پیش کرنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے، ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے رجحانات اور اپنے دلی جذبات سے الگ ہو کر حضرت علیؓ کے واقعات نہیں لکھے، خیال آرائی نے تاریخی حقائق سے ان کو دور رکھا اور جذبات نے ان کی فکر ونظر کی راہیں غلط کر دیں۔

ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو حضرت علیؓ سے تعلق اور محبت میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اس بڑھی ہوئی محبت نے ان کو راہ راست سے بہت دُور ہٹا دیا، ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے جو واقعات اور حالات بیان کئے اس میں عقل کی رہبری نہیں خیال اور جذبات کی ترجمانی ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو حضرت علیؓ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات اُن کی گمراہی کا باعث بنی، اُن لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرا دیا، انھیں لوگوں میں وہ عراقی اہل قلم ہیں جو نہ صرف حضرت علیؓ کے حامی اور محب ہیں بلکہ اُن کے دل میں عام عراقیوں کے لئے عصبیت کا ایک جذبہ ہے اور وہ اپنی تمام تحریروں اور روایتوں میں پوری کوشش کرتے ہیں کہ عراق والے شامیوں سے ہر قول وفعل اور ہر معرکے میں بڑھ چڑھ کر رہیں، انھیں لوگوں میں وہ شامی ہیں جنھیں نہ صرف حضرت علیؓ سے بغض ہے بلکہ وہ شامیوں کے طرفدار بھی ہیں اور تفوق اور برتری کے سارے امتیاز صرف شامیوں کا حصہ تصور کرتے ہیں۔

انقلابات کے ہاتھوں جب معاویہؓ اور اُن کے جانشینوں کے لئے میدان صاف ہو گیا تو شامیوں نے زیادتی کی انتہا کر دی تھی، لیکن جیسے ہی تاریخ کا دھارا بدلا، امویوں کے ہاتھ سے اقتدار نکل کر ہاشمیوں کے ہاتھ میں آیا، شامی زیادتیوں کا نشان تک باقی نہ رہا۔

اسی طرح آخر آخر میں جب حکومت کے مالک بنی عباس ہوئے تو عراق والوں نے بھی زیادتی میں کوئی کسر

اٹھا نہیں رکھی اور اپنے جدید اقتدار کے تقاضوں کے رنگ سے پوری تاریخ رنگین کر دی۔

پھر یہ بات بھی اگر پیش نظر رکھی جائے کہ شامی اور عراقی بہر حال عرب تھے ان کا دامن جاہلی عصبیت کے داغ سے کبھی پاک نہیں رہا تو یہ پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ خاندانی عصبیت کی تاثیر کا کیا عالم ہے؟ اور جنگ ہو یا صلح دونوں حالتوں میں قبائل کی بہادری اور برداشت کے بیان میں عصبیت کتنا دخل رکھتی ہے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ امتیاز اور اوّلیت میں سب سے زیادہ حصّہ اپنا بتائے۔

اور ہاں ایک بات اور بھی تھی کہ اس زمانے میں فریقین سیاست اور مذہب میں فرق نہیں کر سکے۔ عراقی علیؑ کی محبت کو اللہ کی رضامندی تصور کرتے تھے، ان کی نگاہوں میں علیؑ کی محبت دینی کا درجہ رکھتی تھی، اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بغاوت کی تحریک میں حصہ لینا بھی ان کے خیال میں ایک فی سبیل اللہ بات تھی چنانچہ باغی بن کر انھوں نے خدا کو خوش کیا، اُنھوں نے اس خلیفہ کو قتل کر کے اللہ کو راضی کیا جس نے خلافت کا کام ان کے خیال میں جیسا چلانا چاہئے نہیں چلایا، شامی حضرت علیؓ سے بغض رکھنے کو اللہ کی رضامندی خیال کرتے تھے اس لئے کہ ان کے رہنماؤں نے ان کو بتایا تھا کہ حضرت علیؓ معصوم خلیفہ کے قتل میں شریک تھے اُنھوں نے حرمت کے مہینے میں اور حرمت والے شہر میں اللہ کا حرام کیا ہوا خون حلال کیا اور اس کے نزدیک وہ بہر حال مجرم ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے وارثوں کے حوالے کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس طرح باغی مجرموں کے حامی بنے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس قضیے کے معاملے میں مشتعل اور بے لگام جذبات نے تاریخ کو بُری طرح مسخ کر دیا ہے۔ قبیلے، خاندان اور وطن سے عصبیت کا جذبہ دینی تاثرات کا جذبہ، پھر حرص وطمع کا جذبہ جو خلفا تک رسائی حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور تاریخ کے خلاف جھوٹے افسانے اور بے سر و پا غلط بیانیاں کر کے حکومت سے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اس کے بعد معاملات حیرت انگیز طریقے پر پیچیدہ ہوتے گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بات کی تہ تک پہنچنا دشوار ہے تو پیچیدہ۔ حضرت علیؑ کے بعد عراق کے لوگ بڑی سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ اموی خلفا کیا جب عراقیوں نے مقابلہ کرنا چاہا تو حکام نے اپنی زبردست قوت سے ان کو کچل کر رکھ دیا اور وہ مظلومیت اور بے بسی کے عالم میں زندگی کے دن گذارنے لگے۔

بے بسی اور مظلومیت، جس سے دلوں میں خوف اور بے چینی پیدا ہوتی ہے اور جو آگے چل کر انسانی طبیعتوں کو بغض و کینہ سے لبریز کر دیتی ہے، پھر زبانوں اور قلموں سے وہ کچھ نکلنے لگتا ہے جس کا حق اور صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، بلاشبہ پروپیگنڈے اور بے بنیاد باتوں کے لئے اس بے بسی اور مظلومیت نے

زیادہ موثر اور کوئی حربہ نہیں ہو سکتا۔

اقتدار کی لگام جب عباسیوں کے ہاتھ میں آئی تو عراقیوں کی طرح شامی بھی سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے اور انھوں نے بھی وہ سب کچھ کیا جو عراقی اس سے پہلے کر چکے تھے، اس طرح تاریخی حقائق پر موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کی موجودگی میں ایک سچے مورخ کا کام انتہائی دشوار اور سخت پیچیدہ ہو گیا ہے۔

کیا خیال ہے آپ کا اس قوم کے بارے میں، جو صفین کے معرکے کے بعد حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر بیٹھ رہی، جس نے آپ کی زندگی تلخ کر دی، جس نے آپ کی راہ میں مشکلات پیدا کر کے آپ کو مجبور کر دیا، لیکن جب موت نے آپ کو اور آپ کی رحمدل خلافت کو اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تو اب وہی قوم عشق کے درجے میں آپ سے شیفتگی کا اظہار کرنے لگتی ہے، جنون کے درجے میں آپ سے محبت کا دم بھرنے لگتی ہے، آپ کی عظمت اور برتری کے اظہار کے لئے بڑی سے بڑی بات منہ سے نکالتی ہے، بعضوں نے تو اس درجہ غلو کیا کہ آپ کی ذات میں ان کو خدائی عنصر نظر آنے لگا، جس نے تمام انسانوں پر آپ کو ان کی نگاہوں پر فائق کر دیا۔

اور پھر کیا فرماتے ہیں آپ ایک دوسری قوم کے بارے میں جو عراق والوں کی یہ ساری حرکتیں دیکھتی ہے، وہ دیکھتی ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؑ سے جو اوصاف منسوب کرتے ہیں وہ حدود اعتدال سے سراسر متجاوز ہیں، پھر دیکھئے اور سُن لیجئے اور دوسروں سے اس کی روایت کر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ ستم یہ کرتی ہے کہ ان حد سے بڑھے ہوئے اوصاف پر اپنی طرف سے اور اضافے کرتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام آزل کی ذمہ داری خود حضرت علیؑ اور ان کے معاصرین پر ڈال دیتی ہے، چنانچہ بیان کرتی ہے کہ کوفہ والوں کی ایک جماعت نے حضرت علیؑ کو خدا تصور کیا اور اپنے اس تصور کا خود حضرت علیؑ سے اظہار بھی کر دیا۔ پھر صالحین اور راست باز جو دوسرے صحابہؓ کی طرح حضرت علیؑ کے ساتھ بھی حسن ظن رکھتے ہیں، خیال کرتے ہیں کہ اس جماعت سے حضرت علیؑ اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کو آگ میں جلا دیا۔

حیرت کی بات ہے کہ حضرت علیؑ کی موت ہو چکی، انھوں نے اپنی زندگی میں خدا کہنے والوں کو آگ میں جلا دیا لیکن اس کے بعد بھی آپ کو خدا تصور کرنے کی بات باقی رہتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حامیان حضرت علیؑ کی جماعت جانتی تھی کہ آپ اس سے ناراض ہوتے ہیں، اس کو مبغوض رکھتے ہیں، اس پر آگ میں جلانے کی سزا دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کو خدا تصور کرتی تھی۔

اب اس کے بعد مخالفین شیعہ کا غلو ملاحظہ ہو، ان کا خیال ہے کہ آگ میں جلنے کی سزا پانے والے "حضرت

حق میں خدائی تسلیم کرنے میں اور زیادہ پختہ ہوگئے۔ چنانچہ جب انھوں نے آگ کو دیکھا اور سمجھا کہ اب وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں تو کہنے لگے سچ ہے آگ کا عذاب آگ کا پیدا کرنے والا ہی دے سکتا ہے،

یہ سب کھینچ تان، بات کی پیچ اور بکواس ہے اور اس کا سبب حد سے بڑھا ہوا تعصب اور گرہ پڑی ہوئی دشمنی ہے ورنہ حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے۔ تکلف اور تصنع سے خالی تم کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایسی لڑائیوں پر آمادہ کیا جو تباہ کن ہونے کے ساتھ بے فیض تھیں۔ پھر امیر معاویہؓ نے اپنی دولت اور چال بازی کے ذریعے حضرت علیؓ کے سرداروں کا دل آپ کی طرف سے خراب کر دیا تھا اور وہ آپ کا ساتھ چھوڑ بیٹھے تھے، اس پر حضرت علیؓ نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان کی بزدلی اور غداری ان کے لئے بڑے وبال کا سبب بنے گی اور بہت جلد وہ ایسی ذلت اور خرابی کا شکار ہوں گے جس کی کوئی حد نہ ہوگی، لیکن ان سرداروں نے آپ کی ایک نہ سنی۔ پھر جب آپ شہید ہو گئے اور عراق کی حکومت کی لگام امیر معاویہؓ اور ان کے اموی جانشینوں کے ہاتھ میں آئی تو آپ کے بتائے ہوئے خطرات کا ظہور ہونے لگا، آپ کی پیش گوئیاں سچی ہونے لگیں، اموی حکمرانوں نے ان کو ذلت و خواری کے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا، ان پر جو جو باتیں بڑی گراں تھیں ان پر ان کو مجبور کیا، ان کی جانیں و مال کم کئے ان کے دین و دنیا کے لئے علانیہ اور پوشیدہ مصیبتیں پیدا کر دیں، تب ان کو حضرت علیؓ کے دن یاد آگئے، آپ کے بارے میں اپنی زیادتی اور کوتاہی پر افسوس کیا اور نادم ہوئے، پھر رُخ پلٹا تو تعلق اور محبت کی حد کر دی اور حد سے بھی آگے بڑھ گئے۔ حضرت علیؓ کی تعظیم و تکریم اور ان کی والہانہ عقیدت میں جنون کی سی کیفیت پیدا کر لی اور یہ سب کچھ اس لئے کہ زندگی میں حضرت علیؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کی یاد دلوں سے مٹا سکیں اور اس رنج کے لئے تسلی کا کچھ سامان فراہم کر لیں۔

یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ عراق میں حضرت علیؓ کی زندگی سراپا ابتلا اور مصیبت تھی، خیال کرو کہ حجاز میں حضرت علیؓ خود محسوس فرماتے تھے کہ وفاتِ نبویؐ کے بعد سے ان کے دن مصائب اور آزمائش کے دور سے گذر رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق خیال کرتے تھے، لیکن خلافت کا رُخ سابق تین خلفاء کی طرف پھیر کر ان کو آزمائش میں ڈالا گیا، آپ نے اس آزمائش پر صبر سے کام لیا۔ تینوں خلفاء کی باحسن وجوہ اطاعت اور خیر خواہی کرتے رہے، پھر جب تختِ خلافت پر بیٹھے یا یوں کہئے کہ خود خلافت آپ تک پہنچی، تب بھی اس کے ہاتھوں آپ مصیبت ہی مصیبت میں رہے۔ جیسے جیسے دن گذر رہے تھے عراق میں آپ کی مصیبتیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں، قریب تھا کہ آپ مایوس ہو جاتے لیکن آپ نے حجاز کی طرح عراق میں بھی صبر سے کام لیا۔

اپنی زندگی کے تیس سال تک حضرت علیؓ کڑی سے کڑی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انجام یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ نماز کے لئے نکل رہے تھے راستے میں ان کو تلوار سے قتل کر دیا گیا، قاتل کوئی عجمی اور قیدی غلام نہ تھا بلکہ ایک آزاد عرب تھا جس نے اپنے جیسے آزاد عربوں کی ایک جماعت سے سازش کر کے یہ اقدام کیا، پس آپ کا اقدام حضرت عمرؓ کے قتل سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور رسوا کن ہے۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادوں پر بھی مصیبتیں آئیں جیسا کہ تم آگے پڑھو گے۔ پھر عراق والوں پر بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور یہ بھی تم آگے پڑھو گے، پس یہ سخت اور مسلسل مصیبتیں عراق اور عراق سے وابستہ لوگوں پر غیر معمولی شدت کے ساتھ اگر نازل ہو جائیں اور ان کو حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں میں وہ جلوے نظر آنے لگے جو اوروں میں نظر نہ آئے، ان مصائب کی وجہ سے اگر وہ ان کو احترام اور امتیاز کے رتبۂ بلند پر پہنچائیں، پھر ان میں غلو کرنے والے یہودیوں، عیسائیوں اور ایرانیوں کی دیکھا دیکھی اگر مبالغے سے کام لیں اور حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں سے تقدس کے ایسے اوصاف وابستہ کر دیں جو عام طور پر لوگوں میں نہیں ہوتے، پھر مخالفین بھی تاک میں ہوں جو ان کے ہر قول و فعل پر کان آنکھ لگا رکھیں بلکہ اس پر اپنی طرف سے حاشیے بھی چڑھائیں اور طرح طرح کے عجیب و غریب بیانات اور کارنامے ان سے منسوب کریں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اور تعجب کا کیا مقام؟

اس کے بعد زمانہ آگے بڑھتا ہے، قیل و قال کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے! بحث و مباحثہ کرنے والے جدال کے سبھی راستوں پر قدم بڑھاتے ہیں، اس طرح معاملہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو جاتا ہے۔ پھر واقعات سے زمانہ کی دوری اور بھی الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے اور بحث و نظر کی بات خواص سے گذر کر عوام تک پہنچ جاتی ہے، اب تو اس میں جاننے والوں کے ساتھ جاہلوں نے بھی حصّہ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بات بالکل مبہم رہ کر انتہائی تاریکیوں میں دب گئی اور پوری قوم بجز بہت کم لوگوں کے ایک تیرہ و تار فتنے میں پھنس گئی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں فقہا، متکلمین اور مورخین لفظ شیعہ سے جو ایک مقررہ جماعت مراد لیتے ہیں وہ حضرت علیؓ کی زندگی میں موجود نہ تھی، ہاں آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد ظہور میں آئی، آپ کے زمانے تک اس لفظ کے وہی لغوی معنی تھے جس کا استعمال اللہ عزّ و جل نے قرآن مجید کی سورہ قصص میں کیا ہے۔

و دخل المدینة علی حین	اور موسیٰ شہر میں کہیں باہر سے ایسے وقت میں
غفلة من اھلھا فوجد	پہنچے جب وہاں کے باشندے بے خبر پڑے سو

فیھا رجلین یقتلان ھذا	رہے تھے تو اُنھوں نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا
من شیعتہ وھذا من	ایک ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں
عدوہ فاستغاثہ الذی	سے تھا، برادری والے نے مخالف کے لئے موسیٰؑ
من شیعتہ علی الذی من	سے مدد چاہی تو موسیٰؑ نے اُس کو ایک گھونسہ مارا
عدوہ فوکزہ موسیٰ فقضیٰ	جس سے اس کا کام ہی تمام ہوگیا۔

اسی طرح سورۂ صافات میں ہے:۔

وان من شیعتہ لابراھیم	اور نوحؑ کے طریقے والوں میں ابراہیمؑ بھی تھے۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں میں شیعہ کے معنی معاونین اور متبعین کی ایک جماعت کے جو رائے اور مسلک میں متفق اور مشترک ہو، وہ شخص جو موسیٰؑ کی جماعت میں سے تھا بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اور وہ شخص جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا مصریوں میں سے ایک آدمی تھا۔

قدیم مفسرین نے یہی تصریح کی ہے جنھوں نے صحابی فقہا سے تفسیر سیکھی اور یہی مفسر کہتے ہیں: ابراہیم کان من شیعتہ نوح یعنی ابراہیمؑ نوحؑ کے طور طریقے پر تھے، ان کے ہم خیال تھے اور ہم مذہب پس علیؓ کے شیعہ اُن کی خلافت کے دوران میں آپ کے وہ ساتھی ہیں جنھوں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی اتباع کرتے رہے، آپ کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، پھر یہ لفظ شیعہ حضرت علیؓ کے زمانے میں صرف آپکے ساتھیوں کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ یہی لفظ امیر معاویہؓ کے حامیوں کے لئے بھی تھا یعنی وہ شامی اور غیر شامی لوگ جو امیر معاویہؓ کے متبع تھے اور جو مطالبہ کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا قصاص لینا چاہیے اور ان سے لڑکر قاتلوں پر حد جاری کرنا چاہیے اور اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ثالثی کے معاہدے کی وہ تحریر ہے جو صفین میں قرآن مجید اُٹھائے جانے کے بعد لکھی گئی۔ اس تحریر میں ہے:۔

قاضی علی اھل العراق ومن کان من شیعتھم من المؤمنین والمسلمین

وقاضی معاویۃ اھل الشام ومن کان من شیعتھم من المؤمنین والمسلمین

یہاں لفظ شیعہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو علیؓ اور معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت اہل عراق اور اہل شام کی طرف ہے، معاہدے کے کاتب کا مطلب ان لوگوں کا تذکرہ کرنا ہے جو عراق میں اور کل اسلامی بلاد میں حضرت علیؓ کے معاون تھے، اسی طرح وہ لوگ جو شام اور کل اسلامی بلاد میں معاویہؓ کے حامی تھے، غرض یہ ہے کہ معاہدہ دونوں جھگڑا کرنے والے فریق کو پابند بنائے البتہ وہ مختصر سی جماعت آزاد ہوگی جو اس کشاکش میں شرکت سے باز رہی اور نزدیک و دور کسی سے اس میں حصہ نہیں لیا۔ پس فقہا اور متکلمین کے نزدیک لفظ شیعہ کا وہ مشہور

مفہوم حضرت علیؓ کے عہد سے نہیں ہے، آپ کے عہد میں دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کا لغوی مفہوم تھا اور اسی معنی میں اس کا استعمال بھی ہوتا تھا یعنی دو بالمقابل فریق میں سے ایک اور کوئی ایسی قدیم عبارت مجھے نہیں ملتی جس میں اس فتنے سے قبل اس لفظ کی نسبت حضرت علیؓ کی طرف کی گئی ہو، اس لئے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؓ کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جس کو عام امت میں کوئی امتیازی درجہ حاصل ہو۔

اس کے برعکس راویوں کا یہ بیان ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے جب حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ ہاتھ بڑھائیے کہ میں آپ کی بیعت کر لوں تو مسلمانوں میں گروہ بندی کا خطرہ محسوس کر کے حضرت علیؓ نے اس سے انکار کر دیا، اسی طرح راویوں کا بیان ہے اور خود حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ :

"ابوسفیان نے چاہا تھا کہ حضرت علیؓ خلافت کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ یہ منصب عبد مناف کی اولاد سے باہر نہ جانے پائے تو حضرت علیؓ نے اپنے چچا عباسؓ کی طرح ابوسفیان کی اس خواہش کو بھی مسترد کر دیا"

لیکن کسی نے عباسؓ یا ابوسفیان کو علیؓ کے شیعہ نہیں لکھا، اسی طرح راویوں کا بیان ہے کہ مقداد ابن الاسود اور عمار ابن یاسرؓ اور شاید سلمان فارسیؓ بھی شوریٰ کے موقع پر حضرت علیؓ کے لئے تحریک کرتے تھے اور شوریٰ کے ارکان کو مسلمانوں میں پھوٹ کا خطرہ محسوس ہوا، اس لئے انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فیصلے میں جلدی کرنے کی تاکید کی، اس کے بعد جب عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی تو مقدادؓ اور عمارؓ نے بھی کر لی اور خود حضرت علیؓ نے بھی کر لی، اس موقع پر بھی کسی نے مقدادؓ اور عمارؓ ابن یاسر کو علیؓ کے شیعہ میں سے نہیں بتایا، ان دونوں صحابیوں کا جو کچھ خیال تھا وہ ان کی رائے تھی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے کے پیش نظر اپنی رائے سے باز آ گئے۔

ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؓ کی کوئی جماعت نہ تھی اور آپ کی خلافت کے دوران میں آپ کے حامیوں کا کوئی ایسا گروہ نہ تھا جو فقہا اور متکلمین بتاتے ہیں، ہاں آپ کے حامی اور ہمنوا تھے اور مسلمانوں کی اکثریت آپ کے ساتھ تھی تا آنکہ صفین کا معرکہ پیش آیا۔ امیر معاویہؓ نے مصر فتح کر لیا اور عراق و یمن اور حجاز کی سرحدوں پر لوٹ اور غارت کے حملے شروع کر دیئے۔

حضرت علیؓ قتل کر دیئے گئے اس وقت بھی آپ کی کوئی منظم اور ممتاز جماعت نہ تھی، علوی جماعت کی تنظیم اور ایک ممتاز شیعہ جماعت اس وقت وجود میں آئی جب حکومت کی لگام امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آگئی اور حسنؓ ابن علیؓ نے ان کی بیعت کر لی، جیسا کہ تم آئندہ پڑھو گے۔

حضرت حسنؓ

حضرت حسنؓ ایک راست باز آدمی تھے، پھوٹ اور اختلاف کی بات ان کو پسند نہ تھی، وہ باہمی اتفاق کے خواہاں تھے، غالب گمان یہ ہے کہ فتنے کی باتوں میں وہ اپنی طبیعت کے خلاف حصہ لیتے رہے ان سے جہاں تک ہو سکا اُنھوں نے عہد عثمانی کی کش مکش کا مقابلہ کیا، نہ لوگوں کی طرح فتنہ و فساد کی باتیں کیں اور نہ شرارت بہت بڑھ جانے پر مخالفت کا ساتھ دیا۔ حسنؓ ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر دوڑے ہوئے آئے اور خلیفہ کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن اس کے باوجود خلیفہ شہید ہوئے اس لئے کہ باغی دیوار پر چڑھ کر گھر میں اُتر آئے۔ حضرت حسنؓ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ ان کے والد بزرگوار نزدیک یا دور سے فتنے کی کسی بات میں شریک ہوں، اُنھوں نے تو حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی کر لیں اور مدینہ چھوڑ کر اپنی ینبع والی زمین پر چلے جائیں، لیکن حضرت علیؓ نے ان کی بات نہیں مانی اور خیال کیا کہ مدینہ ہی میں قیام کریں تاکہ نیکی کا حکم دیں یا بُرائی سے روک سکیں یا پھر لوگوں میں مصالحت کرادیں۔

جب حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تو حضرت حسنؓ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ مدینہ میں رہیں اور نہ بیعت کے لئے پیش ہوں بلکہ اگر بیعت پیش بھی کی جائے تو قبول نہ کریں۔ اگر حسنؓ کے بس میں ہوتا تو وہ کنارہ کش صحابہ کی طرح اس کشمکش سے اپنے آپ کو دُور رکھتے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ باپ کا ان پر حق ہے اس لئے ان کے ساتھ رہے اور تمام معرکوں میں باپ کا ساتھ دیا۔

پھر حسنؓ اس کے بھی خلاف تھے کہ حضرت علیؓ دارالہجرۃ یعنی مدینہ چھوڑ کر طلحہؓ زبیرؓ اور عائشہؓ سے ملاقات کے لئے عراق روانہ ہوں بلکہ وہ آپ کے لئے یہی بہتر سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بیٹھے رہیں اور مسافرت کی راہ ہرگز اختیار نہ کریں جہاں بے بسی کے عالم میں موت آجائے، لیکن حضرت علیؓ نے حسنؓ کی ایک نہ سنی۔ ایک دن حضرت حسنؓ یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ عراق جانے کے لئے پابہ رکاب ہیں اشکبار ہو گئے، جس پر ان کے باپ نے ان سے کہا، تم تو لونڈیوں کی طرح آہ و زاری کرتے ہو۔"

حضرت حسنؓ کے دل سے حضرت عثمانؓ کا غم نکل نہ سکا، کہنا چاہیئے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے البتہ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال

نہیں کرتے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ ایک دن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ گذر رہے تھے اور حسنؓ وضو میں مصروف تھے، حضرت علیؓ نے دیکھ کر کہا کہ وضو اچھی طرح کرو، حسنؓ نے کہا۔ کل ہی آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا۔ حضرت علیؓ یہ سن کر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ خدا عثمانؓ سے غم خواری کا جذبہ اور بڑھائے۔

حضرت حسنؓ اپنے باپ کے ساتھ بصرہ صفین اور نہروان کے تمام معرکوں میں شریک رہے۔ لیکن اس کے باوجود میں یقین کرتا ہوں کہ وہ اور ان کے بھائی حضرت حسینؓ نے ان لڑائیوں میں عملی حصہ نہیں لیا اور ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار ان دونوں کو خطرات سے بچانے میں بڑے محتاط تھے اس ڈر سے کہ ان پر اگر کوئی زد پڑی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ خود آگے ہوکر یا محمد بن حنفیہ کو آگے کر کے ان دونوں کو بچاتے تھے اور اگر لڑائی میں محمد بن حنفیہ سے کوئی کوتاہی یا کسر دیکھتے تو ان پر بڑی سختی کرتے اور اس سلسلے میں ساتھیوں تک بات نہ پہنچتی۔

پس تعلق نبویؐ کے پیش نظر حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور آپ کے ساتھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح دونوں پر خصوصی عنایت اور توجہ کی نظر رکھتے تھے اور اپنے حسنِ سلوک سے نوازتے تھے۔

روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حسنؓ اور حسینؓ کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا اور محمد بن حنفیہ کو نظر انداز کر دیا۔ حضرت علیؓ نے جب یہ دیکھا تو اس کا ہاتھ محمد کے کندھے پر رکھ کر کہا۔

وما شر الثلاثة ام عمرو بصاحبك الذی لا تصبحینا[1]

یہ سن کر وہ شخص محمد بن حنفیہ کے لئے بھی ویسا ہی تحفہ لاکر پیش کر گیا۔ حاصل کلام یہ کہ فتنے کے آغاز ہی سے حضرت حسنؓ کو جھگڑے کی بات پسند نہ تھی، صحابہؓ میں سے ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت حسنؓ کو جب وہ صغیر سن تھے ایک بس اپنے پہلو میں منبر پر بٹھایا پھر ایک نظر حضرت حسنؓ پر ڈالتے اور دوسری لوگوں پر اسی طرح آپ نے بار بار کیا اور فرمایا، میرا یہ لڑکا سردار ہے اور شاید خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ صحیح ہے تو کہنا چاہیئے کہ یہ لڑکا اس حدیث سے کس قدر

---

[1] مشہور معلقہ کا شعر ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ محمد بن حنفیہ حسنؓ حسینؓ سے کم نہیں ہوا۔

متاثر تھا، گویا فتنے کے بادل دیکھ دیکھ کر آپ کو یہ حدیث یاد آجایا کرتی تھی اور کہنا چاہیے کہ مذکورۂ بالا مختلف مواقع پر اپنے والد معظم کو مشورے دے کر آپ نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے ان دو بڑے گروہوں میں مصالحت کرادیں اور اپنے نانا کی پیشین گوئی پوری کردیں، اور آپ کا رونا صرف اپنے باپ سے ہمدردی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس غم میں بھی تھا کہ نانا کی فراست نے جو کچھ تاڑا تھا اس کے اظہار پر قدرت نہ پا سکے۔

اور مسلمان جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مختلف خیالات رکھتے ہیں، اہل سنت مورخین اور محدثین کہتے ہیں کہ زخمی ہوجانے کے بعد جب حضرت علیؓ سے لوگوں نے درخواست کی کہ وہ اپنا جانشین مقرر کردیں تو آپ نے اس سے انکار کردیا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ لوگوں نے حضرت حسنؓ کو جانشین بنادینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا، میں اس سے تم کو نہ روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں۔ ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ لوگوں کی درخواست پر آپ نے انکار کیا اور فرمایا، میں تم کو اسی طرح چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔

اب رہے شیعہ تو ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنا جانشین بنانے کا حکم دیا، بات جو بھی رہی ہو، بہرحال حضرت حسنؓ نے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا اور نہ لوگوں سے اپنی بیعت کے لئے کہا البتہ قیس بن سعد بن عبادہ نے آپ کی بیعت کی تحریک کی، لوگ اس پر دوڑے اور اس کو منظور کرلیا حسنؓ کو لایا گیا اور بیعت کے لئے بٹھایا گیا۔ بقول زہری حسنؓ اپنی بیعت کے موقع پر اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنی یہ شرط بار بار دہراتے رہے کہ جس سے وہ لڑیں گے اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے وہ صلح کریں اس سے صلح کرنا پڑے گی۔ صلح کا لفظ بار بار سن کر لوگوں کو شک ہونے لگا اور خیال کرنے لگے کہ حسنؓ صلح کرنا چاہتے ہیں اور آپس میں کہنے لگے، یہ اپنا آدمی نہیں یہ تو صلح کا آدمی ہے۔

بیعت کے بعد حضرت حسنؓ دو ماہ یا کچھ کم بیٹھے رہے نہ لڑائی کا نام لیا نہ لڑائی کی تیاری کی کوئی بات ظاہر کی تا آنکہ قیس بن سعد اور عبیداللہ بن عباسؓ نے زور دیا اور مکہ سے عبداللہ بن عباس نے ان کو جنگ پر آمادہ کرنے کا خط لکھا جس میں تاکید کی کہ اپنے باپ کی راہ چلنے کے لئے تیار ہوں، تب آپ لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے اور بارہ ہزار فوج جمع کی، قیس بن سعد کو افسر مقرر کیا اور عبداللہ بن عباس کو ان کے ساتھ کیا، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس فوج کا افسر اپنے عم زاد بھائی عبیداللہ بن عباس کو بنایا اور ان کو ہدایت کی کہ قیس بن سعد اور سعید بن قیس ہمدانی سے مشورہ لیا کریں اور ان کی مرضی کے خلاف نہ چلیں

یہ فوج نکلی اور ان کے پیچھے حضرت حسنؓ بھی عراقیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ نکلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تو وہ جنگ کے ارادے سے نکلے، لیکن اندرونی طور پر وہ اپنے متفرمین اور مصاحبوں کے

ذریعے صلح کا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوئے، جب مدائن پہنچے تو فوج میں بعض باتیں پہنچ چکی تھیں پھر تو لوگوں میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہو گیا، لوگ حضرت حسنؑ کے خیمے میں گھس پڑے اور ان کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے، یہاں تک کہ ان کا ساز و سامان لوٹ لیا، تب آپ نے مدائن کا رخ کیا۔

اس وقت ایک شخص نے آپ پر نیزے سے حملہ کیا لیکن یہ وار مہلک نہیں تھا، بعض مورخین کہتے ہیں کہ حملہ آور آپ کے ساتھیوں میں سے تھا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ کوئی خارجی تھا۔ حملہ کرتے ہوئے حسنؓ سے کہہ رہا تھا کہ اپنے باپ کی طرح تم بھی مشرک ہو گئے۔

حسنؓ زخم کے اچھا ہوتے تک مدائن میں ٹھہرے رہے اس دوران میں مصالحت کی رفتار تیز کر دی اور کوفہ واپس آئے جہاں امیر معاویہؓ کے سفیروں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کے سارے مطالبات مان لئے آپ کو امان دی، اسی طرح آپ کے تمام ساتھیوں کو امان دی، کوفہ کے بیت المال میں ۵۰ لاکھ درہم تھے وہ آپ کو عطیہ دیا اور زندگی بھر کے لئے بصرہ کے دو علاقوں کا خراج معاف کر دیا۔

ادھر حضرت حسنؓ صلح کی گفت و شنید میں مصروف تھے، اُدھر عبیداللہ بن عباسؓ اپنی مصلحت کے لئے صلح میں عجلت سے کام لے رہے تھے، انھوں نے اپنی فوج بلا کسی افسر کا تقرر کئے حضرت معاویہؓ کے لئے چھوڑ دی، حضرت معاویہؓ نے دولت کی رشوت پیش کی اور وہ اس کا انکار نہ کر سکے، جس طرح عبیداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بیوفائی کی، عبیداللہ بن عباسؓ نے بھی حسنؓ سے آنکھیں پھیر لیں، دونوں نے بڑے نازک اور مشکل وقت میں اپنے اپنے صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اب قیس بن سعد نے اس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، اتنے میں حضرت حسنؓ کا حکم ملا کہ معاویہؓ کی اطاعت کرو، قیس نے لوگوں کو اس حکم سے باخبر کر دیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے امام کی اتباع کریں اور چاہیں تو امام کے بغیر حق کے دشمن کا مقابلہ کریں، لوگوں نے عافیت میں خیر دیکھی اور لڑائی بند ہو گئی، اب حضرت معاویہؓ کے لئے کوفہ تک کا راستہ صاف تھا، چنانچہ وہ بڑی شان کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے، لوگوں نے ان کی بیعت کی پھر قیس بن سعد نے بھی بیعت کر لی، لیکن بڑی بڑی مشکلوں کے بعد۔

صُلح

یہ حضرت حسنؑ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح اور صلح کی گفت و شنید کا موقع ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کے چند لمحات صرف کریں، تمام معاملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا رُخ اس وقت دین سے کہیں زیادہ دنیا کی طرف ہو گیا تھا، حضرت حسنؑ ان کے باپ اور ان کے جیسوں کی مختصر سی جماعت مسلمانوں کی اس نئی نسل میں ایک اجنبی کی طرح زندگی گزار رہی تھی، پھر اس چھوٹی سی جماعت میں بھی کچھ تو وہ لوگ تھے جنھیں فتنہ و فساد ناگوار تھا اور وہ ماحول سے مایوس اپنا دین اپنے ساتھ لئے گوشہ نشین ہو گئے لوگوں سے منہ موڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور کچھ وہ تھے جن کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا یہ حکم نہیں ہے کہ خرابیوں سے بھرے سماج سے اپنی ذات کو الگ کر لیں اور علیحدہ ہو جائیں، دین نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ لوگوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کو دور کیا جائے، زندگی میں جو الجھاؤ اور پیچیدگیاں پڑ گئی ہیں، اس کو سلجھایا جائے۔

لوگوں کو صحیح راہ دکھائی جائے اور ان کو صحیح راہ پر برقرار رکھا جائے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے اس حکم پر عمل کیا، وہ غارِ حرا میں جا کر بیٹھ نہیں رہے اور نہ اہلِ مکہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی بلکہ قوم کے سامنے آئے اور ایسی باتیں پیش کیں جو قوم کو پسند نہ تھیں، آپؐ نے سختی برتی قوم نے بھی آپ کے ساتھ سختی کا سلوک کیا، آپؐ نے زور دے کر ان کو بھلائی کی دعوت دی، انھوں نے آپؐ کو ستایا اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے میں کوئی کمی نہیں کی، یہاں تک کہ آپؐ کو آپؐ کے وطن سے نکال دیا، مگر اس پر بھی آپؐ نے ہمت نہیں ہاری، تیزی اور سرگرمی میں کمزوری نہ آنے دی، دعوت دین کی راہ میں اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہ دی کہ آپؐ کے حریف اگر کر سکے تو آپ کے داہنے میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب پیش کر دیں گے، نتیجہ آپؐ کے حق میں رہا، چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو نیکی پر آمادہ کیا، ان کو دین کا راستہ بتایا، نہ کسی مصیبت سے ڈرے نہ انجام کی پرواہ کی۔

حضرت علیؑ اور آپؐ کے جیسوں کی مختصر اقلیت نے دیکھا کہ اللہ کا حکم جاری کرنے اور لوگوں کو حق پر آمادہ کرنے کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ایک طریقہ بتایا ہے، بس وہ اسی پر گامزن ہو گئے اور وہی راہ چلنے لگے، پھر اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا سب نے برداشت کیا۔ ہر قسم کی مصیبتیں آئیں، لڑائیوں

کے معرکے رہے، نماز کے لئے نکل رہے تھے کہ قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔

اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہوا، عربوں کا مقابلہ دوسری قوموں سے ہوا، عرب ان کے ملک کے وارث بنے، ان کی تہذیب و تمدن سے آشنا ہوئے ان کی زندگی کی خوبیوں کو اور خرابیوں کو ان کے تلخ و شیریں کو آزمایا، پس قدرتی بات تھی کہ اس صورت حال کا دو میں سے ایک انجام ہوتا یا تو غالب آنے والے فاتح اپنی قوت سے ان قوموں کو عرب بنالیں یا پھر یہ مفتوح قومیں عرب فاتحین کو اپنا لیں، واقعہ یہ ہے کہ عرب فاتح اپنی بہت سی باتوں سے دست بردار ہوگئے، انھوں نے اپنی سنت راشدہ سے روگردانی کی، وہ شاہی کی طرف چل پڑے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سے زیادہ انھوں نے قیصر و کسریٰ کی پیروی کی۔

پھر میں نے ابھی ابھی جو کچھ پیش کیا، وہ آپ کے غور و فکر کے لئے کافی ہے، کہ عراق کے رئیسوں اور سرداروں کا حضرت معاویہؓ سے تعلق حضرت علیؓ کے زمانے ہی سے تھا، وہ حضرت معاویہؓ سے رقمیں پاتے تھے اور ان کے لئے راستہ ہموار کرتے تھے، مزید یہ بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت حسنؓ کی بیعت کے بعد ہی عراقی سرداروں کی ایک جماعت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچی، اس میں بعض ایسے تھے کہ شام جاکر ٹھہر گئے بیعت کرلی اور پھر ان کو ساتھ لے کر ہی عراق واپس ہوئے، اور کچھ عراقی ایسے تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ کو خطوط لکھے کہ حضرت حسنؓ کا معاملہ بہت کمزور ہے اور ڈھیلا۔ لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ آپ بہت جلد عراق آجائیں، تب حضرت معاویہؓ نے کچھ حرج نہیں سمجھا کہ اپنے شامی ساتھیوں سے عراق جانے کی اجازت مانگیں۔

حالانکہ یہ رُخ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے فوراً اپنی پالیسی میں تبدیلی کردی اور تشدد اور سخت گیری کی جگہ نرمی اختیار کی اور نرمی کی بھی حد کردی۔ کہنا چاہیئے کہ وہ حضرت حسنؓ کی عثمانیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کو بہت بُرا خیال کرتے ہیں۔ پھر اوروں کی طرح امیر معاویہؓ بھی جانتے تھے کہ نبیؐ کی نگاہ میں حسنؓ کا کیا درجہ ہے اور یہ کہ حسنؓ بھلائی کی طرف مائل اور بُرائی سے گریزاں ہیں۔

چنانچہ جیسے ہی حسنؓ نے جندب بن عبداللہ ازدی کو یہ خط دے کر بھیجا کہ لوگوں نے میری بیعت کرلی ہے آپ بھی کرلیجئے تو حضرت معاویہؓ نے اس کا نہایت نرم جواب دیا، حضرت علیؓ کے جوابات کی طرح سختی اور تلخی سے کام نہیں لیا۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے جواب میں لکھا کہ اگر انھیں اس بات کا یقین ہوتا کہ آپ میں انتظامی قابلیت زیادہ ہے اور لوگوں کو اچھی طرح کنٹرول میں رکھ سکیں گے، دشمن کے لئے بڑے مدبر اور مسلمانوں کے لئے بڑے

محتاط ثابت ہوں گے، مالیات اور سیاسیات میں آپ کی مقدرت مجھ سے زیادہ ہے، تو میں ضرور منظور کر لیتا، اس لئے کہ آپ تمام خوبیوں کے اہل ہیں، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ میرا اور آپ کا معاملہ قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا نبیؐ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ اور آپ حضرات کا تھا۔ امیر معاویہؓ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور ان کے ساتھی صحابہؓ جانتے تھے کہ اہل بیت ہر بزرگی کے مستحق ہیں اور ان کا نبی کے نزدیک بڑا درجہ ہے لیکن پھر بھی انھوں نے خلافت ان کو سپرد کی جو ان سے زیادہ اس کا بار سنبھالنے کی طاقت رکھتا تھا۔

آج پھر وہی نقشہ ہے جو نبیؐ کی وفات کے بعد درپیش تھا، اہل بیت کا درجہ اتنا ہی بلند ہے اور وہ ہر بزرگی کے مستحق بھی ہیں لیکن غیر اہل بیت یعنی امیر معاویہؓ اہل بیت سے زیادہ خلافت کے اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں امیر معاویہؓ نے وعدہ کیا کہ وہ عراق کے بیت المال کا کل اندوختہ پیش کر دیں گے اور جو علاقہ بھی وہ پسند کریں گے ان کو جاگیر میں دے دیں گے تاکہ زندگی بھر معاش کی ضرورتوں سے بے نیاز رہیں۔

جندب امیر معاویہؓ کا جواب لے کر حسنؓ کے پاس آئے اور بتایا کہ شامی بڑی تعداد میں ایک ساتھ آپ کی طرف چل پڑنے پر تیار ہیں، جندب نے مشورہ دیا کہ ان کی چڑھائی سے پہلے آپ ہی حملہ کر دیجئے، لیکن حسنؓ خاموش رہے کسی قسم کی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی۔ تا آنکہ معلوم ہو گیا کہ امیر معاویہؓ نکل پڑے اور عراقی حدود کے قریب آ چکے ہیں، اب حسنؓ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جو کچھ پیش آیا تم اس کو پڑھ چکے ہو۔

حضرت حسنؓ نے کسی بزدلی یا نفرت کے پیش نظر جنگ سے پہلو تہی نہیں کی، بلکہ ایک طرف تو وہ خونریزی پسند نہیں کرتے تھے دوسری طرف ان کو اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہ تھا اور مدائن پہنچنے تک لوگوں نے ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا اس سے واضح ہو گیا کہ وہ غلطی پر نہ تھے، خصوصاً جب ان کو معلوم ہوا کہ کوفے کے سرداروں کا ایک وفد امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچا اور جو لوگ وفد میں شرکت نہیں کر سکے انھوں نے خطوط لکھے۔ حضرت حسنؓ عراقیوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے، تمھیں نے میرے باپ کو جنگ پر مجبور کیا اور تمھیں نے ان سے ثالثی قبول کروائی، پھر تمھیں نے مخالفت کر کے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اور یہ تمھارے سردار اور چودھری امیر معاویہؓ کے پاس وفد لے کر پہنچے ہیں اور بیعت کے لئے خطوط لکھتے ہیں، تم مجھ کو اپنے فریب میں مبتلا نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد صلح میں عجلت کی گئی، امیر معاویہؓ نے عبداللہ ابن عامر کو جو بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے گورنر رہ چکے تھے حضرت حسنؓ کے پاس بھیجا اور عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھی ساتھ کر دیا اور دونوں نے آپ پر صلح کی بات پیش کی اور اس پر اصرار بھی کیا۔ پھر جس طرح دونوں نے آپ کو رغبت دلائی وہ سب کو معلوم ہے۔

تب آپ نے صلح کی تحریک سے اتفاق کا اظہار کیا اور امیر معاویہؓ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے، عمرو بن سلمہ ہمدانی اور محمد بن اشعث کندی تاکہ وثوق کے ساتھ ان کی رائے معلوم کریں، امیر معاویہؓ نے ان سفیروں کو اپنا یہ خط دیا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسنؑ ابن علیؑ کے نام ہے، معاویہؓ ابن ابی سفیان کی طرف سے، میں نے آپ سے اس شرط پر صلح کی کہ میرے بعد آپ ولی عہد ہوں گے اور آپ کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میں عہد کرتا ہوں نہایت پختہ عہد کہ کسی فریب اور بدی کا خواہاں نہیں ہوں گا، اور یہ کہ آپ کو سالانہ بیت المال سے دس لاکھ درہم دوں گا اور نسا اور دارابجرد کے دونوں علاقوں کا خراج آپ کے لئے ہے اپنے عامل بھیج کر ان دونوں علاقوں کا جیسا چاہیں انتظام کر لیں، اس کے گواہ عبداللہ بن عامر، عمرو بن سلمہ کندی، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور محمد ابن اشعث کندی۔ تاریخ تحریر ربیع الآخر ۴۱ھ۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے اس خط کے آغاز میں اپنا نام مقدم نہیں کیا، جس طرح حضرت علیؑ کے جوابات میں کیا کرتے تھے کہ معاویہؓ کی طرف سے علیؑ ابن ابی طالب کے نام، بلکہ حسنؑ کا نام پہلے لکھا۔ گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حسنؑ کی بڑی عزت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کا برتاؤ وہ نہیں ہے جو ان کے باپ کے ساتھ تھا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؑ کے لئے تین باتیں پیش کی ہیں، ان کو ولی عہد بنانا، بیت المال سے ان کے لئے سالانہ دس لاکھ درہم کا وظیفہ مقرر کرنا، فارس کے دو علاقوں کی جاگیر دینا، جہاں وہ اپنے عامل مقرر کر کے من مانا انتظام کر لیں۔ علاوہ ازیں امیر معاویہؓ نے بڑی پختگی اور قطعیت کے ساتھ اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ وہ حضرت حسنؑ کی ہر طرح حفاظت کریں گے اور ان پر کوئی مصیبت نہیں آنے دیں گے۔ حضرت حسنؑ نے امیر معاویہؓ کی ان پیش کردہ باتوں کو کافی نہیں سمجھا اس لئے کہ ان کے خیال میں ایک بات تو ایسی ہے جس پر امیر معاویہؓ کو کوئی اختیار نہیں، یعنی ولی عہدی اور دوسری باتیں ایک قسم کا فریب ہیں اور ان کی کوئی وقعت نہیں، عراق کا بیت المال خود حضرت حسنؑ کے قبضے میں ہے، فارس کے کل علاقے بھی انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر امیر معاویہؓ نے اس تحریر میں ایک سب سے اہم بات کا کچھ تذکرہ نہیں کیا یعنی حضرت حسنؑ کے ان تمام ساتھیوں کو امان دینے کی بات جو حضرت علیؑ کے ساتھ جو امیر معاویہؓ سے لڑتے رہے اور جو حضرت حسنؑ کے ساتھ رہ کر امیر معاویہؓ سے لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے، اسلئے حضرت حسنؑ نے یہ خط اپنے پاس رکھا اور امیر معاویہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا جو ایک طرف عبدالمطلب کے خاندان سے متعلق تھا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ کا بڑا قریبی رشتہ دار بھی تھا یعنی عبداللہ ابن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جس کی ماں امیر معاویہؓ کی بہن ہے۔ حسنؑ نے اس سے کہلا بھیجا کہ اپنے ماموں سے کہو اگر وہ لوگوں کو امان دینا منظور کر لیں، تو میں بیعت کر لوں گا۔

گویا حضرت حسنؑ نے ظرافت کے رنگ میں ایک مزید اقدام کیا اور امیر معاویہؓ کی سابقہ پیش کش کو محفوظ

رکھتے ہوئے لوگوں کی امان کا مطالبہ بھی کر دیا، لیکن امیر معاویہؓ کی ہوشیاری ان سے بھی دو قدم آگے تھی، اُنھوں نے اپنے بھانجے کو ایک سادہ کاغذ پر نیچے دستخط کر کے دے دیا کہ جو چاہو لکھ لو۔

عبداللہ بن حارث یہ سادہ کاغذ لیکر حسنؓ کے پاس آئے، آپ نے اس پر لکھا، یہ حسنؓ ابن علیؓ کا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ سے صلح نامہ ہے، حسنؓ اس شرط پر معاویہؓ کو مسلمانوں کی حکومت سپرد کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب نبیؐ کی سنت اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے اور یہ کہ معاویہؓ اپنی طرف سے کسی کو ولیعہد نہیں بنا سکتے بلکہ یہ بات شوریٰ کے حوالے ہوگی اور لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو ان کے بال بچوں کو امان ہوگی، ان کے مال و دولت محفوظ ہونگے، علانیہ یا خفیہ کسی طرح بھی حسنؓ ابن علیؓ کی بدخواہی نہیں کی جائیگی، ان کے کسی ساتھی کو ڈرایا دھمکایا نہیں جائے گا۔ عبداللہ ابن حارث و عمرو بن سلمہ اس کے گواہ ہیں، اس کے بعد عبداللہ ابن حارث نے یہ خط امیر معاویہؓ کو دیدیا کہ اس پر اپنے جس آدمی کے چاہیں دستخط کرالیں، چنانچہ بعد میں دستخط ہوگئے، صلح تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اختلاف رائے کا ایک پہلو باقی رہ گیا جسکو آجکل کی زبان میں غلط فہمی کہا جاتا ہے یعنی پہلا خط جو امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے نام لکھا تھا جس میں حضرت حسنؓ کو ولی عہدی کے علاوہ بعض اور حقوق دیئے گئے تھے، وہ اپنی جگہ باقی ہے یا حضرت حسنؓ کے اس خط کے بعد کالعدم ہو گیا۔

حضرت حسنؓ اس خیال میں تھے کہ وہ پہلا خط اپنی جگہ باقی ہے اور امیر معاویہؓ ان کا سالانہ وظیفہ اور زندگی بھر دو علاقوں کا خراج دینے کے پابند ہیں اور امیر معاویہؓ خیال کرتے تھے کہ دوسرے خط نے پہلے خط کو منسوخ کر دیا، اور اب حسنؓ کا ان سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ ان کی موت کے بعد حکومت شوریٰ کے حوالے کی جائے اور یہ کہ لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال کو امان دی جائے اور حضرت حسنؓ کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کاروائی نہ کی جائے اور مسلمانوں کے معاملے میں اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اور خلفاء کی سیرت راہ عمل ہو۔

اس غلط فہمی کی بنا پر حضرت حسنؓ نے معاملات ٹھیک ہو جانے پر جب امیر معاویہؓ سے مالی حقوق کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا تو اُنھوں نے انکار کرتے ہوئے کہہ دیا، مجھ پر تو آپ کا بجز آپ کی حفاظت کے اب کوئی مطالبہ نہیں رہا، تب حضرت حسنؓ نے ثالثی سے اس کا فیصلہ چاہا، اور چاہا کہ سعد ابن ابی وقاصؓ حکم ہوں، لیکن معاویہؓ نے یہ منظور نہیں کیا، پھر بھی مقررہ مال دے کر اُنھوں نے حسنؓ کو راضی کر لیا۔

یہاں پہنچ کر مورخوں اور راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ کی تمام شرطیں پوری کر دیں، لیکن بصرہ والوں کو خفیہ طور پر ورغلایا، اور اُنھوں نے دونوں علاقوں سے حضرت حسنؓ کے عاملوں کو ہانک دیا، اور خراج دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا، یہ تو ہمارا خراج ہے۔ ہمارے سوا اس میں کسی کا حق نہیں۔

حالانکہ یہ بات جیسا کہ تم نے دیکھا بالکل سیدھی ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور مال و دولت دے کر ان کو اس طرح خوش کیا کہ بعد میں کوئی معاشی تنگی اور تکلیف پیش نہیں آئی، بلکہ وہ مدینے میں ایک دولت مند فیاض کی طرح فراخی اور سیر چشمی کی زندگی گذارتے تھے، ان کی نگاہ میں دولت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

بات کچھ ہی رہی ہو، امیر معاویہؓ بہر حال خوش خوش امن و سکون کی فضا میں کوفہ آئے، حضرت حسنؓ نے ان کا استقبال کیا اور بیعت کی، اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی، پھر امیر معاویہؓ نے چاہا کہ حسنؓ اس مصالحت سے اپنی رضامندی کا اعلان کریں اور جدید نظام سے اپنے اطمینان کا اظہار فرمائیں۔

یہ ایک طبعی تقاضا ہے اس کے سمجھنے کے لئے کسی تصنع کی ضرورت نہیں جو مورخین پیش کرتے ہیں کہ عمرو بن عاصؓ نے امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا کہ اس موقع پر حسنؓ سے کچھ بلوانا چاہیئے، تاکہ لوگوں پر عیاں ہو سکے کہ وہ کس قدر بے بس اور مجبور ہیں، اور اس لئے بھی کہ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے سامنے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوں، لیکن حضرت حسنؓ نے یہ صلح چوری چھپے نہیں کی تھی، پھر انھوں نے لوگوں کے سامنے بار بار اپنے باپ کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد تقریریں کی تھیں اور کبھی کسی کو محسوس نہیں ہوا کہ وہ رک رک کر بولتے ہیں یا بولنے پر قدرت نہیں رکھتے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس گھرانے کے ہیں جہاں گویائی کے عیب کا گذر نہیں، جو انتہائی فصاحت و بلاغت کا معدن ہے، جہاں بیان اور فصل خطاب کی حیثیت ان کے گھر کی لونڈی کی سی ہے، چنانچہ حضرت حسنؓ نے تقریر کی اور حق و صداقت کی بہتر سے بہتر ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"لوگو! سب سے بڑا دانشمند متقی ہے اور سب سے بڑا احمق بدکار ہے، یہ معاملہ میں نے معاویہؓ کے سپرد کیا ہے، یا تو مجھ سے زیادہ حقدار کا حق تھا اور اب اس کو پہنچ گیا، یا یہ کہ وہ میرا ہی حق تھا، لیکن محمدؐ کی امت کی بہتری اور اس کو خونریزی سے بچانے کے لئے میں نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ پس حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے تمہارے اگلوں کو ہماری وجہ سے معزز کیا اور تمہارے پچھلوں کو خونریزی سے بچا لیا۔"

راویوں کا خیال ہے کہ اس تقریر نے معاویہؓ کو غضبناک کر دیا، اور اس نے عمرو بن العاص کو سرزنش کی، اس لئے کہ اسی نے اصرار کیا تھا کہ حضرت حسنؓ سے کچھ بلوایا جائے۔

اس کے بعد راویوں نے حضرت حسنؓ کی تقریر میں اضافے کئے ہیں جس کے صحیح ہونے کے ساتھ غلط ہونے کا امکان بھی ہے۔

جو کچھ بھی ہو بہر حال حضرت حسنؓ سے ایسے دوستوں کی ایک جماعت ناراض ہو گئی جو اُن کے اور اُن کے باپ کے مخلص تھے اور جن کو خلوص کے ساتھ امیر معاویہؓ اور اہل شام سے بغض تھا، انھوں نے صلح میں ہتھیار

ڈال دینے کی کیفیت محسوس کی جو اُن قربانیوں سے میل نہیں کھاتی، جو وہ حضرت علیؑ کے زمانے سے کررہے تھے اور نہ اس قوت کی مناسبت تھی جس کے وہ مالک تھے، یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بعض حضرت حسنؑ کو "ایمان داروں کو ذلیل کرنے والا" کے الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے اور بعض "عربوں کا منہ کالا کرنیوالا" کہا کرتے تھے۔

لیکن حضرت حسنؑ نے ان الفاظ کا کچھ خیال نہیں کیا، وہ اپنی پالیسی سے بالکل مطمئن تھے، ان کو اس میں خون کی حفاظت اور جنگ کی بندش نظر آتی تھی، وہ خیال کرتے تھے کہ اس طرح اُمت میں اتحاد ہوگا اور مسلمانوں کو اس کا موقع ملے گا کہ اپنے معاملات کا مقابلہ کرتے وقت متحد اور متفق ہوں، منتشر اور پراگندہ نہ ہوں، پھران کو ایسی فرصت نصیب ہو کہ اپنی سرحدوں کے لئے دشمنوں کے حوصلے پست کردیں اور فتوحات کی حدیں اس جگہ سے آگے بڑھائیں جہاں سے فتنوں نے ان کا راستہ روک لیا ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؑ خدا کی ان پر رحمت ہو، اپنے بھائی کے ہم خیال نہ تھے، ان کا رجحان صلح کی طرف نہ تھا، اُنھوں نے اپنے بھائی سے کہا اور امراء سے کہا کہ ضبط سے کام لیں اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائی نے انکار کردیا اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں گے۔

اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، خود حضرت علیؑ نے بعض باتوں کی اطلاع دیدی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حسنؑ اس معاملے سے الگ ہوجائے گا، اور یہ کہ حسینؑ مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور غالباً آپ حضرت حسینؑ کے حق میں یہ جملہ بہت سخت کہا، وہ نوجوانوں میں سے ایک نوجوان ہیں تلوار کے آدمی ہیں اور دسترخوان کے بھی۔

ان تمام باتوں سے فراغت پاکر حضرت حسنؑ اپنے گھر والوں کو لے کر مدینہ روانہ ہوئے اور امیر معاویہؓ کو کوفہ ہی چھوڑ دیا کہ اپنی نئی حکومت جس طرح چاہیں منظم کریں، لیکن حضرت حسنؑ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ امیر معاویہؓ کا قاصد ان کو خارجیوں کی ایک حملہ آور جماعت سے مقابلہ کے لئے بلانے آیا تو آپ نے جانے سے انکار کردیا اور کہا، میں نے امیر معاویہؓ سے صلح کرلی ہے اور اس کا مقصد ہی خون کی حفاظت اور جنگ سے گریز ہے، حضرت حسنؑ مدینہ پہنچے تو جو بھی ملا کوفہ والوں کی طرح سب نے اس صلح پر ان کو ملامت کیا لیکن آپ نے اُن کو جواب دیا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ سے اس حالت میں ملوں کہ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کے نرخروں سے خون بہہ رہا ہو اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہو کہ اے خدا میں کس گناہ میں قتل کیا گیا ہوں!

امیر معاویہؓ کی سیاست عراق میں

ادھر حضرت حسنؓ نے کوفہ چھوڑ کر مدینے کی راہ لی اُدھر معاویہ نے عراقیوں پر نرمی کے بعد سختی شروع کردی، پہلے ہی اعلان کیا کہ جب تک وہ ان حملہ خارجیوں کو دفع نہیں کریں گے، اور جب تک اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آئیں گے، ان کی بیعت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ پھر کوفہ والے خارجیوں تک پہنچے اور ان سے اسی طرح جنگ شروع کردی جس طرح حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑتے تھے، اب ان کو پتہ چلا کہ ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پہلے وہ حضرت علیؓ کی اطاعت میں اپنے بیٹوں، بھائیوں اور دوستوں سے لڑتے تھے، اب وہ یہی کام امیر معاویہؓ کی اطاعت میں کر رہے ہیں۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عراقیوں کو بتایا کہ انھوں نے کام کا کیا نقشہ تیار کیا ہے اور وہ کس پالیسی پر عملدرآمد کرنا چاہتے ہیں، اُنھوں نے کہا کہ وہ کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح اور درستی کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ اسلامی شہروں پر دشمنوں کے حملے سے قبل مسلمانوں کو خود دشمنوں کے شہروں پر حملہ کر دینا چاہئیے، اور اس کام کے لئے وقت پر اپنے وظیفے حاصل کرلیں۔ دوسری یہ کہ قریب کی سرحدوں پر جانے والی نوجوں کو چھ ماہ قیام کرنا ہوگا، البتہ دُور کی سرحدوں پر قیام کی مدت ایک سال ہوگی، تیسری بات یہ کہ شہروں کی درستی اور ذرائع آمدنی پر توجہ کی جائے کہ افلاس اور تنگ دستی کی نوبت نہ آئے۔ اس کے بعد اعلان کیا کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ لوگوں کو فتنہ و فساد سے روکیں، لڑائی کا خاتمہ کردیں، عوام ایک دوسرے سے بے خوف اور مطمئن ہوکر باہم متحد ہو جائیں۔ اور اس سلسلہ میں اُنھوں نے بہت کچھ امیدیں دلائی تھیں، بہت کچھ وعدے کئے تھے، لیکن اس وقت وہ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

آخر میں اعلان کرتے ہوئے کہا "تین دن کی مہلت ہے اس کے اندر جس بیعت کرنے والے نے یہ باتیں منظور نہیں کیں، میں اس کا ذمہ دار نہیں"۔ پھر تو ہر طرف سے لوگ بیعت کے لئے دوڑ پڑے۔

ان باتوں سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہی کہ عراقیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ نے نرمی اور اخلاق کا برتاؤ اس لئے کیا تھا کہ صلح کی بات پوری ہو جائے، حکومت پر اچھی طرح قبضہ ہو سکے اور حسنؓ کوفہ سے نکل جائیں، اور جیسے ہی یہ سب کچھ ہوگیا، وہ سخت ہوگئے، تن گئے، پھر تو عراقیوں کو وہ مزا چکھایا

جس سے پہلے کبھی آشنا نہ تھے، ان کو چین اور سکون کی زندگی سے باہر نکالا، ان کو بتایا کہ امیر کی اطاعت وہ فرض ہے جس میں پس و پیش یا ٹال مٹول کی گنجائش ہی نہیں اور جو اطاعت نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے امان کا سوال بے معنی ہے اور وہ امیر کی ذمہ داری سے باہر ہے، اب عراقیوں کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی زندگیاں بدل چکی ہیں، اور مستقبل کی شدت ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ ہے۔

امیر معاویہؓ نے مغیرہ ابن شعبہ کو کوفہ کا اور عبداللہ ابن عامر کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا، اور خود دمشق آکر حکومت کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔

اب عراقیوں کو حضرت علیؓ کے زمانے کی یاد آنے لگی، وہ مغموم اور غمزدہ ہوتے تھے اور پچھتاتے تھے کہ انھوں نے اپنے خلیفہ کے ساتھ بڑی زیادتی سے کام لیا، وہ شامیوں کے ساتھ صلح پر بھی ندامت محسوس کرتے تھے، جب کبھی ایک دوسرے کی ملاقات ہو جاتی باہم ملامت کرتے اور اس پر بحث کرتے کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ ابھی اس حالت پر چند ہی برس گذرے تھے کہ ان کے وفد مدینہ جانے لگے، کہ حضرت حسنؓ سے کہیں، اور کچھ ان کی سُنیں۔

ایک دن کوفہ کے رئیسوں اور سرداروں کا ایک وفد حضرت حسنؓ کی خدمت میں آیا، ملاقات کے دوران میں سلیمان ابن صُرد خزاعی نے آپ سے کہا، اب تک ہماری حیرت اپنی جگہ باقی ہے کہ آپ نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی حالانکہ کوفہ کے چالیس ہزار نبرد آزما آپ کے ساتھ ہیں، سب کے سب وظیفہ یاب اور پابہ رکاب، اور اتنی ہی تعداد میں ان کے لڑکے اور ساتھی، پھر حجاز اور بصرہ میں آپ کے جو حامی ہیں وہ مزید براں، علاوہ ازیں حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے معاہدے میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی اور نہ وظیفہ میں کوئی حصہ، جو کچھ آپ نے کیا اگر اس میں مشرقی اور مغربی علاقوں کے ممتاز افراد کو اس کا شاہد بنا لیتے اور یہ بھی لکھا لیتے کہ آپ ولی عہد ہیں تو بھی معاملہ ہمارے لئے آسان ہوتا، اور معاویہؓ نے جو کچھ آپ کے اور ان کے درمیان طے ہوا ہے اس کی بھی پابندی نہیں کی اور کچھ دنوں بعد بر سر عام اعلان کر دیا کہ میں نے جو کچھ بھی وعدے اور شرطیں کی تھیں لڑائی کی آگ بجھانے اور فتنے کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے کیا تھا، اب جب اللہ نے ہماری پراگندگی دُور کر دی اور پھوٹ اور تفرقے سے بے خوف کر دیا تو میں ان وعدوں اور شرطوں کو ٹھوکر مارتا ہوں، بخدا مجھے تو اس بات سے جو خدشہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ امیر معاویہؓ نے آپ سے جو قول قرار کیا تھا اس کو توڑ دیا، پس اگر آپ چاہیں تو از سر نو لڑائی شروع کرتے ہیں اور مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے کوفہ تشریف لانے تک کوفہ سے معاویہؓ کے گورنر کو نکال باہر کروں اور اس کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دوں

اور آپ بھی اس کے عہد کو توڑ پھینکئے، اللہ خائنوں اور غداروں کو دوست نہیں رکھتا۔

وفد کے دوسرے ارکان نے بھی سلیمان ابن صُرد کی ہمنوائی کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مدینہ اس غرض سے آئے تھے کہ حضرت حسنؑ سے ملیں گے اور ان پر معترض ہوں گے، قوت اور تیاری کے باوجود انھوں نے کیوں صلح کرلی! پھر یہ کہ جب صلح نامے پر دستخط کئے تھے تو ممتاز مغربی اور مشرقی افراد کو شاہد کیوں نہیں بنایا، اور اپنے لئے ولیعہدی کی شرط کیوں نہیں لکھوالی! اس کے بعد ان کو مطلع کریں گے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی ہے، اور ایک مجمع عام میں اس خلاف ورزی کا اعلان بھی کیا ہے، اس کے بعد ان سے درخواست کریں گے کہ لڑائی از سرِ نو جاری کر دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ وہ پہلے کوفہ جاکر معاویہؓ کی بیعت توڑنے کا اعلان کر دیں اور جب یہ سب کچھ ہولے تو وہ خود بھی معاویہؓ کی طرح توڑ دیں۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت حسنؑ نے ان کی بعض باتیں مان لیں اور بعض سے انکار کر دیا، اور اس تسلیم و انکار میں وہ ان کے مخلص اور ہمدرد تھے، امن و صلح انکی نگاہ میں مقدم تھا، پھر بھی انھوں نے ان کو مایوس نہیں کیا، ان کی ڈھارس بندھائی۔ بلاذری کی روایت ہے کہ آپؑ نے اُن سے کہا، تم ہماری جماعت ہو، ہم سے محبت کرتے ہو، اگر میں دنیا کے لئے شدت سے کام لیتا، اور میرے پیش نظر دنیاوی اقتدار ہوتا، تو معاویہؓ مجھ سے زیادہ ان شان و شوکت والے نہ تھے اور نہ مجھ سے زیادہ خود دار اور ارادے کے پکے۔ لیکن میری نگاہ تم سے جدا ہے میں نے جو کچھ کیا ہے اس سے میرا مقصد خونریزی روکنا تھا اور کچھ نہیں، پس اللہ کے فیصلے پر رضامند رہو اور معاملہ اسی کے حوالے کرو، اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور رُکے رہو، اور اپنے ہاتھ کو روکے رکھو تاآنکہ مردِ نیک چین پائے یا پھر بدکار سے لوگوں کو نجات مل جائے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت حسنؑ ان کو اہل بیت کا حامی اور محب مان کر ان سے اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایسی حالت میں ان کا فرض ہے کہ وہ آپ کی فرمانبرداری کریں، آپ کا حکم مانیں، آپ کی مرضی کے تابع ہوں۔ اس کے بعد آپ نے ان پر واضح کیا کہ امیر معاویہؓ سے صلح کسی درماندگی اور کمزوری کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ آپ کا مقصد اس سے خونریزی روکنا ہے، اور اگر آپ جنگ کا ارادہ کرتے تو معاویہؓ کچھ زیادہ طاقتور اور سخت ثابت نہ ہوتے، اس کے بعد آپ نے ان سے چاہا کہ اللہ کی مشیت پر راضی رہیں، اقتدار کی اطاعت کریں، اس کی مخالفت سے اپنا ہاتھ روکیں۔ پھر ان کو بتایا کہ یہ روش آخر تک باقی نہیں رہے گی اور نہ وہ بلا مقابلہ دشمن سے دبے رہیں گے، یہ تو ایک وقت کا انتظار ہے، جب اہل حق کو چین نصیب ہوگا یا اہل باطل سے نجات مل جائے گی۔

گویا حضرت حسنؑ ان کو تیار کر رہے تھے، کہ جب موقع آئے گا تو جنگ ہوگی، اور ابھی ایک ہنگامی صلح کے دن ہیں جس میں آرام کریں، اور تیاری، شاید اللہ معاویہؓ سے نجات دیدے، پھر اُمت صالحین کی منشاء کے مطابق اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے گی۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ جس دن کوفہ والوں کا وفد حسنؑ سے ملا، حضرت حسنؑ نے ان کی باتیں سُنیں اُن کو اپنی سنائیں اور ان کے لئے ایک پروگرام بنایا، وہ پہلا دن تھا جس میں حضرت علیؑ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے حامیوں کی ایک منتظم سیاسی جماعت بنائی گئی، اسی مجلس میں مدینہ میں یہ جماعت بنی اور حضرت حسنؑ اس کے صدر ہوئے۔ کوفہ کے سرداروں نے واپس آکر اپنے متبعین کو ایک نئے نظام اور ایک مقررہ پروگرام کی اطلاع دی اور اس ہنگامی صلح اور اس امکانی جنگ کے لئے لوگوں کو تیار کرنے لگے، جو یثرب کے امام کے اشارے سے چھیڑی جا سکتی ہے۔

پارٹی کا پروگرام اس کے ابتدائی دور میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں بالکل سیدھا سادا ہے، حضرت علیؓ کے بیٹوں میں سے امام کی اطاعت امن و اطمینان کے ساتھ انتظار، اور حکم پاتے ہی جنگ چھیڑ دینا۔

پارٹی کا یہی حال رہا، شیعہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اپنے معاملات کا تذکرہ کرتے، معاویہؓ اور ان کے حاکموں کی خلاف حق و انصاف باتوں کو ریکارڈ کرتے اور اس کا انتظام کرتے کہ امام حکم دے اور وہ نکل پڑیں۔

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ

لیکن امام نے جنگ کے لئے نکلنے کا حکم نہیں دیا، ہاں امن و عافیت سے رہنے کی تاکید کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً جب ان کے وفود آتے رہے، ان کو یہی ہدایت کی کہ بچے ہوئے لوگوں کو غنیمت جانو، باہم حسن سلوک رکھو اور اپنے آپ کو حکومت کی گرفت کے لئے پیش نہ کرو۔

اہل بیت کے حامی کوفہ تک محدود نہ تھے بلکہ تمام شہروں میں پھیلے ہوئے تھے بعض جگہ کم اور بعض جگہ زیادہ، ان حامیانِ اہلِ بیت کی طبیعتیں حکومت کی مخالفت میں اپنی قلت اور کثرت کے اعتبار سے نیز حاکموں کے طرز عمل کے پیش نظر مختلف تھیں لیکن اس بات میں سب متفق تھے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت ایک ایسی برائی ہے جس پر سر دست صبر کے سوا چارہ نہیں، تا آنکہ اس سے نجات کی صورت نکل آئے، خواہ اس طرح کہ صالحین کو دل جمعی حاصل ہو اور وہ پوری طرح تیاری کر کے کامیاب بغاوت کر دیں، یا پھر فاجروں ہی کو موت آجائے اور معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد ہو۔ شیعہ پوری سرگرمی کے ساتھ یہ دعوت پیش کر رہے تھے کہ امام اہل بیت میں سے ہو تا کہ جب مسلمانوں سے مشورہ ہو تو خلافت حضرت حسنؓ کے حصّے میں آئے، وہ صلح کی حالت میں اپنے امام کے لئے تحریک کرتے تھے، کبھی نرمی سے کبھی شدت کے ساتھ اپنے مزاج و طبیعت اور اپنے حالات اور مواقع کے ماتحت، اور خود حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے وفادار تھے، انکی بیعت اور ان کے عہد و پیمان پر قائم، اور جس قسم کی بھی امداد کی ضرورت ہوتی ان سے حاصل کرتے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود امیر معاویہؓ کے مخالف تھے اور اپنی مخالفت چھپاتے نہ تھے، اپنے مقام مدینہ میں جس طرح چاہتے اس کا اظہار کرتے، جب کبھی حج کے زمانے میں مکہ آجاتے تو اس سے باز نہ رہتے، فرصت آپ کو آسانی کے ساتھ اس کے بہترین مواقع پیدا کر دیتی، یوں بھی آپ بڑے شیریں کلام، شگفتہ طبع، ملنسار، محبتی اور لوگوں میں ہر دل عزیز تھے۔

انھیں خوبیوں کی وجہ سے قریش اور انصار کے نوجوان آپ کے گرویدہ تھے اور بڑے بوڑھے صحابہ بھی آپ سے اسی لئے محبت کرتے تھے اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں آپ کا ایک درجہ تھا۔ پھر عام لوگ آپؓ سے بھی محبت کرتے تھے کہ آپ بڑے دریا دل اور فیاض تھے۔ سوال کرنے پر اور بلا سوال بھی لوگوں کو عطیات دیتے تھے، صبح ہوتی تو نماز ادا کر کے اپنی جگہ بیٹھے رہتے، جب سورج

کچھ اور پڑھتا تو امہات المومنینؓ کی ملاقات کے لئے جاتے، ان سے باتیں کرتے بطور تحفہ انھیں کچھ دیتے، کچھ وہ انھیں پیش کرتیں، اس کے بعد ضروری کاموں میں لگ جاتے، پھر جب ظہر کی نماز ہو جاتی تو مسجد میں لوگوں کی ملاقات کے لئے بیٹھ جاتے اور دیر تک بیٹھے رہتے، ان کی باتیں سنتے ان کو اپنی سناتے، جن کو پڑھانا سکھانا ہوتا اُن کو سکھاتے پڑھاتے، پھر بوڑھے صحابہؓ سے علم و ادب کی باتیں سنتے اور ان تمام باتوں کے درمیان جہاں کہیں حکومت کا ذکر آجاتا تو اس کی اچھائی یا برائی بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے، لیکن اگر کسی نے آپ کے واقعہ کا تذکرہ خلاف طبیعت انداز میں کر دیا یا کسی ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی جس نے حضرت علیؑ سے دشمنی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تو پھر آپ سخت ہو جاتے اور سنگدلی تک نوبت پہنچ جاتی، ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگوں کو نوازتے تھے، جس طرح اللہ نے ان کو نوازا تھا، اسی طرح وہ دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہیں کرتے۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ آپ بہت زیادہ نکاح کرتے تھے اور طلاق بھی بکثرت دیتے تھے خود حضرت علیؑ نے اس بات سے اپنا ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور لوگوں کو رشتے سے روکا لیکن ایسا نہ ہو سکا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور امیر المومنین کے لڑکے سے رشتہ جوڑنے میں اپنے لئے غیر معمولی شرف اور بزرگی خیال کرتے تھے۔

امیر معاویہؓ حضرت حسنؑ پر بڑی کرم کی نگاہ رکھتے تھے، ان کو عطیات سے نوازتے تھے، پھر بھی جب حضرت حسنؑ کی مخالفت کی اطلاعات ان کو پہنچتیں تو وہ ان پر کبھی نرم کبھی گرم نکتہ چینی کرتے تھے لیکن حضرت حسنؑ کی طرف سے مطمئن نہ تھے، وہ بڑے دور بین تھے، جیسے ہی انھیں محسوس ہوا کہ خلافت اب ان تک پہنچ چکی ہے، انھوں نے اس کو ابوسفیان کے خاندان کے لئے ایک وراثت بنا لینے کی فکریں شروع کر دیں، ان کو اپنے بیٹے یزید کا ہر وقت خیال رہا کرتا تھا، وہ دیکھتے تھے کہ ان کے ارادے کی راہ میں حضرت حسنؑ حائل ہیں تو ان سے صلح کرنے میں جلدی کی، اور ان کے لئے ولی عہدی کا منصب بھی پیش کر دیا۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت حسنؑ نے امیر معاویہؓ کی یہ پیش کش قبول نہیں کی اور اپنی طرف سے یہ شرط رکھی کہ خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ سے طے ہو، جس کو چاہیں انتخاب کریں، حضرت حسنؑ غالباً یہ خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد لوگ کسی کو ان کی ہمسری کا درجہ نہیں دیں گے اور شیعہ تو اس بات کا پختہ یقین رکھتے تھے، اور اس کے لئے الحاح کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے۔

یہاں پہنچ کر مورخین اور راویوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حسنؑ ۵۰ھ میں وفات پا جاتے ہیں، شیعہ خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؑ کو زہر دیدیا تاکہ ان کے اور ان کے بیٹے کے لئے خلافت کا راستہ صاف ہو جائے۔ اہل سنت مورخین اسی خیال کی بکثرت روایت کرتے ہیں لیکن بیان کا

قطعی فیصلہ نہیں ہے، محدثین میں جو لوگ اس قسم کی روایت کرتے ہیں، وہ اس کو محض اس لئے امر بعید خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے، بغض و عداوت کا یہ کام کسی طرح ان کی شان کے شایاں نہیں۔

اہل سنت مورخین اس کے ساتھ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے اپنی آخری بیماری کے بعض عیادت کرنے والوں سے خود کہا :

"مجھے بارہا زہر دیا گیا، لیکن اس مرتبہ جو زہر دیا گیا ہے اس سے زیادہ شدید کسی وقت نہیں دیا گیا، ابھی ابھی میرے کلیجے کا ٹکڑا میرے منہ سے نکلا ہے۔"

یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ کے بھائی حضرت حسینؓ نے ان سے پوچھا کہ زہر کس نے دیا ہے ؟ تو آپ نے نام بتانے سے انکار کر دیا، مبادا بلا کسی قطعی دلیل کے اس سے قصاص لیا جائے۔ حضرت حسنؓ اپنی زندگی سے مایوس تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ خدا سے ایسی حالت میں ملیں کہ شبہ کی بنا پر ان کا قصاص لیا گیا ہو، اس لئے اُنھوں نے یہی مناسب جانا کہ اللہ ہی اس کا قصاص لے۔

بعض مورخین خیال کرتے ہیں کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کو جو حضرت حسنؓ کی بیوی تھیں امیر معاویہؓ نے تیار کیا کہ حضرت حسنؓ کے کھانے یا پینے کی چیز میں زہر ملا دیں اور اس کے لئے ایک لاکھ دینار کی رشوت پیش کی، بعضوں کا خیال ہے کہ معاویہؓ نے اس سے شادی کر لینے کا بھی وعدہ کیا تھا، پھر جب حضرت حسنؓ وفات پاگئے تو مال کا وعدہ تو پورا کر دیا لیکن شادی نہیں کی، اس ڈر سے کہ کہیں میرے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش نہ آئے۔ اس روایت کا تصنع بالکل کھلا ہوا ہے۔ اس کے بیان کرنے والوں کے پیش نظر یہ ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت علیؑ کو فریب دیا تھا تو اس کی لڑکی نے حضرت حسنؓ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کو حضرت حسنؓ کی بیویوں میں سے انتخاب کے لئے اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بلکہ اس نے ایک قریشی عورت ہی کو منتخب کیا اور وہ ہند بنت سہیل ابن عمرو ہے جو قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر آیا تھا۔

میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ معاویہؓ کے ہاتھوں حسنؓ کو زہر دیا گیا۔ لیکن اسی طرح قطعیت کے ساتھ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ امیر معاویہؓ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کے زمانے میں زہر دے کر مار ڈالنے کی بات حیرت انگیز اور مشکوک طریقہ پر عام ہو چکی تھی، بقول مورخین۔ اشتر مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر دے کر مار ڈالے گئے، اس طرح مصر کی حکومت کا راستہ امیر معاویہؓ کے لئے صاف ہو گیا۔ پھر امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کا یہ کہنا "بلاشبہ اللہ کی ایک فوج شہد کی بھی ہے۔" علاوہ ازیں حمص بن عبدالرحمن بن خالد بن ولید زہر دے کر

مارے گئے، جس کی ایک طویل داستان ہے۔ غالب گمان ہے کہ اسی طرح حضرت حسنؓ بھی امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کے درمیان زہر دے کر مارے گئے، جس سے ان کے بیٹے کے لئے خلافت کا راستہ صاف ہوگیا۔

یہاں حسینؓ ابن علیؓ کا تذکرہ ضروری نہیں، اس لئے کہ انھوں نے نہ اپنے کو بیعت کے لئے مقرر کیا نہ وہ مسلمانوں کے امام تھے اور نہ معاویہؓ نے ان سے کوئی صلح کی تھی، نہ وعدہ نہ شرط، مگر پھر بھی امیر معاویہؓ نے چاہا کہ حضرت حسینؓ کو ان کی جگہ سے دور ہٹا دیں تاکہ فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں سے فرصت مل جائے۔ چنانچہ ایک دن عبداللہ بن عباسؓ سے مذاق کے رنگ میں حقیقت پیش نظر رکھتے ہوئے کہا، "تو حسنؓ کے بعد اپنی قوم کے سردار آپ ہی ہیں؟" لیکن عبداللہ فریب میں نہیں آئے اور دو ٹوک جواب دیا کہ "جب تک ابو عبداللہ زندہ ہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اس کے باوجود معاویہؓ نے بلا پس و پیش جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، اپنے بیٹے یزید کے لئے ولیعہدی کی بیعت لینی شروع کر دی، اور حضرت حسینؓ کو اور دوسرے مہاجر نوجوانوں کو مجبور کیا کہ اس بیعت کے بارے میں خاموشی اختیار کریں، جس کو وہ اپنے دل سے بڑی مذموم حرکت خیال کرتے ہیں۔

بالآخر شیعوں کی سربراہی بھائی کی وفات کے بعد حسینؓ ابن علیؓ تک پہنچی۔ اللہ اُن پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔

حضرت حسینؓ

دونوں بھائیوں میں طبیعت، مزاج اور سیرت کے اعتبار سے کوئی میل نہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے۔ حضرت حسنؓ جیسا کہ تم نے دیکھا، غور و فکر کے آدمی تھے، بامروّت اور سنجیدہ، لڑائی اور خونریزی سے بیزار، ان کی اسی طبیعت نے ان کو آمادہ کیا کہ مصالحت کی راہ اختیار کریں اور خلافت سے دست بردار ہو جائیں جو باپ کی طرح ان کو بھی ہولناک جنگ کے مصائب میں مبتلا کر دے گی۔

حضرت حسینؓ حق کے معاملے میں باپ کی طرح سخت تھے اور تیز، وہ کسی طرح غیر مناسب معاملات میں نرمی اور چشم پوشی پسند نہیں کرتے تھے، بھائی کی صلح سے وہ سخت ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ اس کی مخالفت کریں، لیکن حضرت حسنؓ نے صلح کی بات مکمل ہونے تک پاؤں میں بیڑی ڈال دینے کی دھمکی دیدی تھی۔

حضرت حسینؓ اس صلح کو اس لئے بھی بُرا جانتے تھے کہ اس میں ان کی باپ کی سیرت مجروح ہوتی تھی پھر یہ کہ وہ خود نہ بڑے شادی باز تھے نہ طلاق باز، نہ بہت خوش حال، نہ بڑے بیلنے والے، نہ لوگوں میں ہر دلعزیز، وہ تو اپنی ذات کے لئے اور دوسرے کے لئے ایک سخت آدمی تھے، ناگوار باتوں پر صبر کے گھونٹ پیتے، اُنھوں نے بھائی کی وفاداری کو اپنا فرض جانا، اس لئے ان کی اطاعت کرتے رہے، جس طرح اس سے پہلے باپ کی اطاعت کرتے رہے۔ بلاشبہ بھائی کی صلح کے بعد مدینہ میں وہ جتنے دن بھی رہے بیرے خیال میں ایسے موقع کے لئے بیتاب رہے جس میں باپ کے جہاد کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر شروع کر دیں۔

شیعوں کی صدارت ملنے سے آپ کو کچھ موقع تو میسّر آیا۔ میں نے کچھ کا لفظ کہا ہے اس لئے کہ حالات نے پورا موقع نہیں دیا۔ آپ اپنی قوم کے سردار اور پارٹی کے لیڈر تو بن گئے، لیکن ادھر امیر معاویہؓ کی بیعت بھی کر چکے تھے، پس ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ بیعت توڑ دیں، عہد و پیمان سے انحراف کریں۔

حضرت حسینؓ بڑے مطمئن تھے، معاملات پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی، انھوں نے دیکھا کہ حکومت امیر معاویہ کی تابع فرمان ہے، بڑے بڑے شہر ان کے اشاروں پر چل رہے ہیں، ان کی پالیسی چشم پوشی نرمی اور سخاوت کی پالیسی ہے، شہروں پر انھوں نے ایسے حاکم مقرر کر دیئے ہیں جو وہاں کے باشندوں کو تشدد اور دہشت آفرینی سے مرغوب کئے ہوئے ہیں، ایسی حالت میں آپ نے بغاوت کا ارادہ نہیں کیا حالانکہ امیر معاویہؓ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی نے آپ کے لئے ایسا موقع پیدا کر دیا تھا کہ اس سے فائدہ

اُٹھاتے اور بغاوت کا اعلان کر دیتے۔

امیر معاویہؓ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی میں کسی شک کی گنجائش نہیں، انھوں نے ایک بار نہیں دو بار خلاف ورزی کی، ایک مرتبہ تو کوفیوں کو قتل کر کے جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، دوسری مرتبہ اپنے لڑکے یزید کو ولی عہد بنا کر اس طرح انھوں نے خلافت کو وراثت بنا دیا جو ان کی دولت کی طرح ان کے لڑکے کو ملے گی، حالانکہ خلافت خلیفہ کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کے مال میں امیر معاویہؓ کی فضول خرچی ان کا صوبوں پر ڈکٹیٹر قسم کے افراد کا تقرر، پھر ان ڈکٹیٹر حاکموں کا عوام کی جان و مال کے بارے میں حدود سے بڑھا ہوا تصرف، یہ تمام باتیں اس بیعت کے خلاف تھیں، جن کا امیر معاویہؓ نے عوام سے عہد کیا تھا اور جو حضرت حسینؓ کو بری الذمہ قرار دیتیں، اگر وہ امیر کے خلاف عَلم بغاوت بلند کر دیتے۔

خود حضرت عائشہؓ نے کوفیوں کا قتل عام دیکھ کر خروج کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ ڈریں کہ کہیں پھر ایک بے نتیجہ فساد نہ ہو، جیسا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص طلب کرنے کے موقع پر ہوا تھا۔ چنانچہ وہ نکلنے سے باز رہیں۔

حضرت حسینؓ نے دیکھا کہ بغاوت کرنے سے معاملہ ان کے حق میں ٹھیک نہیں ہوگا تو انھوں نے صبر سے کام لیا، لیکن اپنے بھائی کی پالیسی میں تبدیلی کر دی اور امیر معاویہؓ اور ان کے حاکموں کے بارے میں سخت تنقیدیں شروع کر دیں، جس پر امیر معاویہؓ نے دھمکی دی، لیکن آپ نے اپنے آدمیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حق کے معاملہ میں تشدد سے کام لیں اور امیر معاویہؓ کے حاکموں کی مذمت اور ان کی مخالفت کریں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت معاویہؓ اور ان کے گورنر زیاد کی شدید مخالفت کا مرکز کوفہ تھا۔

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی دو مختلف سیاستوں کے اثرات ہم نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسنؓ جب تک زندہ رہے شیعوں کو کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان نہیں پہنچا، ان کے زمانے میں ان کی جماعت کے لوگ مخالفت اور ناگواری کا اظہار نرمی سے کرتے تھے، امیر معاویہؓ اور ان کے حاکم بھی ان کی باتیں سنتے تھے اور ان سے درگذر کرتے تھے اور بسا اوقات اپنے قول و فعل سے ان کی اصلاح بھی کر دیتے تھے، لیکن جب شیعوں کا تعلق حضرت حسینؓ سے ہوا تو مخالفت میں شدت کا رنگ پیدا ہو گیا اور کوفہ میں بات بغاوت کی حد تک پہنچ گئی، تب معاویہؓ اور ان کے حاکموں نے شدت کا مقابلہ شدت سے کیا۔ ایسی شدت جس میں مخالفت کا قلع قمع کر دینے کے لئے کسی معقول بات کی پروا نہیں کی گئی۔

حضرت حسینؑ کی سیاست، پارٹی کے لئے بیک وقت کمزوری اور قوت دونوں کا باعث تھی، کمزوری کا باعث اس طرح کہ اس کی وجہ سے اہل بیت کے بہت سے حامیوں اور ہمدردوں کی جانیں سخت مصائب کا شکار نہیں اور قوت کا باعث اس طرح کہ سیاست نے شیعوں کو حد درجہ مظلوم اور مقہور بنا دیا اور انسانی سیاست میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے اور اپنا پروپیگنڈا کرنے کی خاطر مظلومیت سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، مظلومیت ہی دلوں میں گرفتاران مصائب کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے، اور حکومت کے اقتدار سے لوگوں کو متنفر بناتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امیر معاویۃ کی حکومت کے آخری دس سال میں شیعوں کے مسئلے نے بڑی اہمیت اختیار کر لی، اور ان کی تحریک اسلامی حکومت کے مشرقی حصوں میں اور عرب کے جنوبی حصوں میں بڑی قوت سے پھیلی۔ چنانچہ امیر معاویۃ کی موت کے وقت لوگ عموماً اور عراق کے عوام خصوصاً اہل بیت سے محبت اور بنی امیہ سے بغض و عداوت اپنا دین و ایمان تصور کرنے لگے تھے۔

امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

(۱)

عراق میں شیعوں کو جو راحت اور مصیبت پہنچی، اس کی وجہ صرف حضرت حسنؓ کی نرمی اور حضرت حسینؓ کی گرمی نہ تھی بلکہ اس میں امیر معاویہؓ کے گورنروں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ بصرہ اپنے خیالات کے اعتبار سے عثمانی تھا ناظرین وہاں کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا معاملہ بصرہ میں ناگواری اور بددلی کے ساتھ باقی رہ سکا، البتہ کوفہ شیعوں کا وطن اور ان کی تحریک کا مرکز بنا۔

جب حکومت کی لگام پوری طرح امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آگئی تو ان دونوں شہروں میں انھوں نے ایسے دو حاکم مقرر کئے جو جابر اور متشدد نہ تھے، بصرہ پر عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا، اس نے وہی پہلی روش شروع کی جس کا وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پابند تھا، یعنی اپنے مفاد کو مقدم رکھا اور لوگوں کے مفاد سے بے توجہی برتی، چنانچہ اس نے اپنے لئے بھر دولت جمع کر لی اور لوگوں کے لئے ان کی لگام ڈھیلی کر دی کہ برائیوں اور آوارگیوں کی طرف چل پڑیں، صورت حال یہ تھی کہ فتنہ و فساد نے لوگوں کے اخلاق میں پستی پیدا کر دی تھی، بصرہ اس وقت دیہاتیوں اور غلاموں سے بھر گیا تھا اور ایک نئی مخلوط نسل پیدا ہو گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ فسق و فجور پھیلا، حکومت کے اثرات میں خرابی آئی، حکمراں کا رعب اور وقار رعایا کی نگاہوں میں اس لئے گر گیا کہ اس کو اپنی اور اپنے باپ اور بھائی کی پڑی تھی اور اس لئے بھی کہ بزعم خود وہ نرمی اور دلجوئی کی پالیسی پر عمل کر رہا تھا۔ وہ چور کا ہاتھ کاٹنا پسند نہیں کرتا تھا، اپنی اس روش پر قائم رہ کر وہ اللہ اور حاکم وقت کی کھلی ہوئی نافرمانی کرتا رہا، تا آنکہ بصرہ کے لوگوں نے گھبرا کر امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی اور وہ معزول کر دیا گیا اور یہ ایک مستقل طویل داستان ہے۔

امیر معاویہؓ نے بصرہ پر ایک دوسرا حاکم مقرر کیا لیکن وہ چند ماہ سے زیادہ کام نہ کر سکا، اس کے بعد زیاد کا تقرر ہوا اس نے برائی کا مقابلہ برائی سے کیا یعنی برائی اس طرح دور کی کہ اسکی جگہ دوسری برائی لا کر رکھ دی۔

کوفہ پر امیر معاویہؓ کی طرف سے مغیرہ ابن شعبہ ایک تجربہ کار اور چالاک حاکم تھے، ان کی شخصیت بھی عجیب و غریب، خیر و شر سے مرکب ایک عقدۂ لاینحل ہے، اپنی جوانی کے عالم میں انھوں نے طائف کی ایک ٹولی سے بے وفائی کی، ساتھیوں کو اتنی پلا دی کہ وہ بیہوش ہو کر بے حس و حرکت ہو گئے، اس کے بعد سب کو قتل کر دیا۔

یہ کل بارہ تیرہ آدمی تھے، مصر سے بہت سا مال اپنے ساتھ لائے تھے، مغیرہ ان سب کی دولت لے کر اپنے وطن طائف تو نہ جا سکے، البتہ مدینہ چلے آئے، یہاں آ کر اسلام قبول کر لیا اور ساری دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دی، آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ وہ غداری سے حاصل کیا ہوا مال تھا، اور غداری میں بھلائی نہیں۔ تب مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے انجام کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، اسلام اپنے پہلے کی باتوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ مغیرہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خیر خواہ ہوئے۔ ردّت کی لڑائیوں اور شام کی فتوحات میں بڑی جاں نثاری دکھائی یرموک کے معرکے میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی، اس کے بعد فارس کے معرکوں میں شرکت کی اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا حاکم بنایا، شاید اسلام نے مغیرہ کے دل میں گہرا اثر نہیں کیا تھا، اس لئے کہ ان کے خلاف کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس زنا کی شہادت دی، حضرت عمرؓ حد جاری کر دیتے اگر ایک شاہد یعنی زیاد گواہی میں لٹ پٹا نہ جاتے، اس بنا پر دوسرے گواہوں پر تہمت تراشی کی حد جاری کی گئی اور بصرہ سے مغیرہ کو معزول کر دیا گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو پھر کوفہ کا حاکم بنایا، اور یہ حضرت عمرؓ کے قتل تک بصرہ کے حاکم رہے، حضرت عثمانؓ نے تھوڑے دنوں تک ان کو باقی رکھا، پھر معزول کر دیا مغیرہ فتنہ سے دور رہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ ابتدا میں فتنہ سے کنارہ کش رہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلاف نہ بغاوت میں شرکت کی نہ حضرت علیؓ کی بیعت میں اور نہ جمل اور صفین کے معرکوں میں حصہ لیا، لیکن تحکیم کے موقع پر دو ثالثوں کے اجتماع میں شریک رہے اور بہت ممکن ہے کہ اس اجتماع میں کوئی پارٹ بھی ادا کیا ہو۔ جب دونوں حَکَم جدا ہو گئے اور مغیرہ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا نے حضرت علیؓ سے منہ موڑ لیا ہے تو بظاہر کنارہ کشی کا اظہار کرتے رہے لیکن طبیعت کا رجحان نمایاں طور پر امیر معاویہؓ کی طرف تھا۔ جب حضرت علیؓ قتل کر دیئے گئے تو وہ سب سے پہلے امیر معاویہؓ کی طرف دوڑ پڑے، پھر شام سے ساتھ ہی کوفہ آئے اور حضرت حسنؓ کے ساتھ صلح اور معاویہؓ کے لئے بیعت کی تقریبات میں حاضر رہے اور جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں مغیرہ نے کوفہ کی حکومت اوپر ہی اوپر اُچک لی۔ راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے کوفہ پر عبداللہ ابن عمرو بن العاص کو حاکم بنانے کا ارادہ کیا تھا، یا ابن عاص کو کوفے کا اور ان کے لڑکے کو مصر کا حاکم بنا دینا چاہتے تھے، اس پر مغیرہ نے امیر معاویہؓ سے کہا، "تو کیا آپ شیر کے دونوں جبڑوں کے بیچ میں رہیں گے، یہ عراق میں اور وہ مصر میں"۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے اپنی رائے بدل دی اور مغیرہ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

راویوں کا خیال ہے کہ عمرو بن العاصؓ کو جب مغیرہؓ کی اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا، امیر معاویہؓ سے کہا کہ آپ مغیرہؓ کو محاصل پر مقرر فرماتے ہیں، کیا کوئی نہیں ہے جو خراج کی وصولی اور

اس کے نظم و اندراج پر اس سے زیادہ مقدرت کا مالک ہو، اس میں یہ تعریض تھی کہ مغیرہؓ مالیات کے سلسلے میں کمزوری رکھتے ہیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے جنگ اور امامت پر ان کو رکھا اور خراج پر کسی اور کا تقرر کر دیا۔ عمرو بن العاصؓ جب مغیرہ سے ملے تو کہا، اس ہاتھ لے اُس ہاتھ دے۔

کوفہ والوں کے لئے مغیرہ کی پالیسی ایسی ہی تھی جیسی بصرہ والوں کے لئے عبداللہ ابن عامر کی، مغیرہ نے بھی اول خویش پر عمل کیا اور دوسروں کو نظر انداز کیا، لوگوں سے چشم پوشی کی رواداری برتی بنی امیہ کے مخالفین کو چاہے خارجی ہوں چاہے حضرت علیؓ کے حامی ایک حد تک آزادی کا موقع دیا۔ حضرت معاویہؓ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ حضرت علیؓ کے حامیوں پر نظر رکھنا اور ان پر سختی کرنا، لیکن وہ اپنی امن پسندی اور امیر معاویہؓ کی خواہش کے بین بین رہا کرتے تھے، ان کے اور عبداللہ ابن عامر کے متعلق مورخین کی خیال آرائیاں بے محل ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ دونوں سابق خلفاء کی طرف سے ان شہروں کے حاکم رہ چکے تھے اور اس کے عادی تھے کہ لوگوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور دانش مندی کا برتاؤ کریں، پس یہ کچھ آسان نہ تھا کہ یکایک اپنی عادت بدل دیتے۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ بھی صحابی تھے، قدرتی بات تھی کہ ان کی اور ان کے گورنروں کی روش لوگوں کے روزمرہ کے معاملات میں بڑی حد تک سابق خلفاء اور ان کے حاکموں کے جیسی ہو یہی کیفیت مصر میں عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ کے زمانے میں تھی اور یہی حالت عراق کے دونوں شہروں کی بھی تھی، لیکن لوگوں نے طرح طرح کی جدتیں کیں، جیسا کہ زیاد نے کہا۔ پس معاویہؓ اور ان کے حکمرانوں نے بھی ایسا جدید طرز عمل اختیار کیا جو حالات کے مناسب ہو، کوفہ کے خارجیوں کے متعلق مغیرہ کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ حضرت علیؓ کا سا سلوک کرتے رہے ان کو آزاد چھوڑ دیا، وہ ایک دوسرے سے ملتے تھے اکٹھا جمع ہوتے تھے، آپس میں تبادلہ خیالات کرتے تھے اور جب تک وہ کوئی شرارت یا معاندانہ اقدام نہ کرتے ان سے تعرض نہیں کرتے تھے۔

مغیرہ حضرت علیؓ سے بھی زیادہ محتاط تھے، انھوں نے ایسے آدمی مقرر کئے تھے جو ان کو خوارج کی نقل و حرکت کی اطلاع کرتے تھے، چنانچہ خروج سے پہلے ہی وہ انسدادی کارروائی کر دیتے اور بعض اوقات تو وہ ان کی میٹنگ ہی میں گرفتار کر لیتے اور جیل بھجوا دیتے لیکن اس پر بھی اگر کوئی جماعت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتی اور مقابلے کی دعوت دیتی یا کسی شورش کا باعث بنتی تو کوفہ والوں میں سے کچھ آدمی بھیج کر ان کا خاتمہ کر دیتے۔

شیعوں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل اس سے بھی زیادہ نرمی اور درگذر کا تھا، ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ بعض اوقات شیعوں نے ان سے سخت کلامی کی تو ان کو سمجھا دیا اور نرمی سے پیش آئے ان کو امن و عافیت کی طرف متوجہ کیا اور حکومت کی گرفت کا خوف دلایا نہ ایذا پہنچائی نہ دولت میں نقصان کا باعث بنے۔

اس نرم اور روادار پالیسی سے شیعوں نے فائدہ اٹھایا، انھوں نے اپنی تنظیم کی اور کھل کر بنی امیہ کی مخالفت کی، امیر معاویہؓ اس سے ناراض تھے لیکن وہ مخالفین پر قابو نہیں پاتے تھے، کوفہ میں مغیرہ دس سال تک امیر معاویہؓ کے گورنر رہے، اس عرصہ میں شیعوں کو ان کی کوئی بات غیر معمولی طور پر ناگوار نہیں ہوئی سوائے حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے کے جس پر وہ جدید حکومت کے ماتحت مجبور تھے۔ اس حرکت پر شیعہ کبھی چشم پوشی کرتے کبھی اظہار ناراضی۔

مغیرہ شدید حرص کے درجے میں چاہتے تھے کہ امیر معاویہؓ کو راضی رکھیں تاکہ کوفہ کی گورنری ان کے لئے مستقل ہو جائے، چنانچہ وہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان واسطہ بنے، زیاد کی طرف سے امیر معاویہؓ کو اطاعت کا اور معاویہؓ کی طرف سے زیاد کو امان دینے کا اطمینان دلایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیاد اور معاویہؓ کے درمیان رشتے کے اعلان میں بھی انھیں کا ہاتھ رہا ہو۔ اس طرح کہنا چاہیئے کہ مغیرہ نے زیاد کے اس احسان کا بدلہ چکا دیا جو اس نے تردد آمیز گواہی دے کر ان پر کیا تھا اور حضرت عمرؓ سزا دینے سے رک گئے تھے۔ بہرحال مغیرہ نے زیاد کی چال بازی اور چالاکی کا خطرہ دُور کر کے ایک مکار اور فریبی دشمن کو مخلص خیر خواہ بنا کر امیر معاویہؓ کو رضامند کر لیا۔ پھر مغیرہ ہی نے امیر معاویہؓ کے دماغ میں ولی عہدی کا تخیل پیدا کیا، اور نہ صرف اس طرف متوجہ کیا بلکہ اس کے اعلان پر امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا، اس کی گارنٹی بھی کی کہ کوفہ کے لوگ اس کو منظور کریں گے، اس کے بعد مغیرہ ہی نے خود یزید کے دل میں بھی یہ تجویز اتار دی، اور اس طرح انھوں نے یزید کے سامنے آرزوؤں کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا، جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

مغیرہ نے یہ دس سال اس طرح گذارے کہ خود بھی خوش رہے دوسروں کو بھی خوش رکھا، حکومت بھی ان سے راضی رہی اور رعایا بھی مطمئن۔ ہرچند کہ اپنے آپ کو مطمئن رکھنا ان کے لئے آسان نہ تھا اس لئے کہ وہ ایک لذت آشنا اور لطف اندوز آدمی تھے، اس معاملے میں وہ اپنے لئے اور لوگوں کے لئے حد سے بڑھے ہوئے تھے، بڑے شادی باز اور بڑے طلاق باز تھے، ایک ایک شادی نہیں کرتے تھے اور نہ چار ہو جانے پر مزید کے لئے ایک کو طلاق دیتے تھے بلکہ بسا اوقات چاروں کو طلاق اور پھر چار

سے بیک وقت نکاح، پھر مورخین نے بعد میں اس کا بڑا مبالغہ کیا۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک سو ننانوے عورتیں کیں، درمیانی اندازہ کرنے والے کہتے ہیں کہ انھوں نے تین سو شادیاں کیں۔ اس میں شک نہیں کہ مغیرہ ان عورتوں کو ان کی مہریں ادا کردیا کرتے تھے، اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ان میں سے بہتوں کو اس قدر جلد طلاق دینے پر راضی کرلیا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ذاتی دولت اتنے بڑے مصارف کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ پس مغیرہ کی زندگی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اچھے اور بُرے اعمال کی ایک مرکب زندگی ہے، ان کا اور ان کی زندگی کا معاملہ خدا کے حوالے ہے لیکن توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے حکمراں جب وہ ہوئے تو شیعوں کے لئے ان کی پالیسی بڑی نرم رہی، ایسی نرم کہ بعد کے حکمرانوں کے مظالم دیکھ کر کوفہ والوں نے مغیرہ کو کلمۂ خیر سے یاد کیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

(۲)

لیکن ۴۵ھ میں جب زیاد بصرہ کا والی ہوا تو وہاں کے حالات نے پلٹا کھایا۔ اسی طرح جب ۵۰ھ میں مغیرہ کی موت کے بعد کوفہ بھی زیاد کی حکمرانی میں آ گیا تو کوفہ کے حالات بھی بدل گئے۔ جس طرح زیاد کی زندگی کی بو العجبی مغیرہ سے کسی طرح کم نہ تھی اسی طرح خود زیاد چالاکی اور چالبازی میں مغیرہ سے کم نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زیاد مغیرہ سے ہر بات میں دو قدم آگے تھا۔

زیاد اپنے اندر دو مختلف شخصیتیں رکھتا تھا۔ ایک وہ جو خلفائے راشدین کے عہد میں اس کی زندگی کی آئینہ دار ہے اور دوسری وہ جو امیر معاویہؓ سے مصالحت کے بعد اس کی زندگی کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف ہیں، جب تک وہ خلفائے راشدین کے لئے کام کرتا رہا، ہدایت کی راہ پر رہا، لیکن معاویہؓ کے ماتحت ہونے کے بعد وہ ایک سفاک اور جابر حکمران بن گیا، مگر وہ دونوں حالتوں میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخلص اور خیر خواہ تصور کرتا تھا۔ سفاکی کے دنوں میں وہ خیال کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ کی سیاست زندہ کر رہا ہے، حالانکہ فاروقی سیاست نے لوگوں کی اصلاح کر دی تھی اور زیاد کی سیاست نے امیر معاویہؓ کے دور میں لوگوں کے دلوں اور ان کی زندگیوں کو خرابیوں اور برائیوں سے لبریز کر دیا۔

خلفائے راشدین کے دور میں زیاد بنی ثقیف کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا، حارث ابن کلدہ کی ایک لونڈی سمیہ سے پیدا ہوا۔ یہ سمیہ غالباً ایرانی یا ہندی تھی، اس کا باپ حارث بن کلدہ کی بیوی صفیہ بنت عبید کا ایک رومی غلام تھا جس کا عربی نام عبید ہے، پس زیاد حارث بن کلدہ کے خاندان کا ایک غلام تھا، وہ عہد نبویؐ میں بالکل نوخیز تھا، اس لئے کہ اس کی پیدائش ہجرت کے سال یا ہجرت کے تھوڑے دنوں بعد بتائی جاتی ہے اور بعض لوگ فتح مکہ کے سال میں بتلاتے ہیں۔

زیاد کی ابتدائی زندگی اور آغاز شباب کا حال ہمیں کچھ معلوم نہیں، وہ عتبہ بن غزوان کے ساتھ جس نے حارث بن کلدہ کی لڑکی سے شادی کر لی تھی عراق آیا اور فتح میں شریک ہونے والے غلاموں کے ساتھ قیام کیا اور جس طرح ہو سکا زندگی کے دن گذارے۔ البتہ ابو موسیٰ اشعریؓ جب بصرہ کے امیر تھے تو ہم نے زیاد کو ان کا میر منشی پایا، اور دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس بعض حساب کے کاغذات لے جا رہا ہے، پھر ہم نے پڑھا کہ حضرت عمرؓ اس کی ذہانت اور فصاحت پر اظہار تعجب

یں اس کے حافظے اور تصرف پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ تو نے جس طرح مجھے حساب بتایا ہے اسی طرح عوام کے سامنے بھی پیش کر دے، چنانچہ زیاد ایسا کرتا ہے۔ صحابہ اس جری اور فصیح نوجوان سے حیرت میں تھے، یہ اعداد کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جس کا ان کو کبھی زندگی میں سابقہ نہیں رہا اور جس پر اظہار تعجب حضرت عمرؓ چھپا نہ سکے۔

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ابوسفیان نے اسی دن دبی زبان سے اس کا اظہار کیا کہ زیاد ان کا بیٹا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے خوف سے کھل کر نہ بول سکے، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ یہ بات بعد کی من گھڑت ہے مورخین ہم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے زیاد کو ایک ہزار درہم دیا اور دوسرے سال جب وہ واپس آیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اس ہزار کا کیا کیا؟ زیاد نے جواب دیا کہ اس سے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کر دیا۔

تب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ زیاد کا باپ ہے عبید۔ لیکن وہ ایسا گمنام ہے جس کو لوگ جانتے نہ تھے اور اسی لئے اس کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا اضافہ کر دیتے تھے، یعنی زیاد بن سمیہ، اور بعض اوقات نہ باپ کا اضافہ کرتے نہ ماں کا صرف زیاد الامیر کہتے تھے، لیکن اس کے شیعہ اور خوارج دشمن، امیر معاویہؓ کی ماتحتی کے بعد زیاد بن ابیہ کہا کرتے تھے، یعنی اپنے باپ کا بیٹا زیاد۔

بصرہ میں زیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک ان کے حاکموں کی محرری کرتا رہا، پھر جب جمل کا معرکہ پیش آیا اور حضرت علیؓ نے فتح پائی تو انھوں نے زیاد کے متعلق دریافت کیا، بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے، تو اسکی بیمار پرسی کے لئے گئے اور باتوں سے یہ اندازہ کر کے کہ وہ آپ کا مخلص ہے، آپ نے چاہا کہ اس کو بصرہ کا حاکم بنا دیں لیکن زیاد نے مشورہ دیا کہ اس شہر پر آپ اہل بیت کا کوئی آدمی مقرر کیجئے جس سے لوگ مرعوب ہوں اور مطمئن بھی، اور ابن عباسؓ کا نام لیا چنانچہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا اور ابن زیاد سابق حاکموں کی طرح ابن عباسؓ کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا، پھر جب ابن عباس بصرہ سے روانہ ہو گئے جس کا قصہ ہم ابھی آپ سے کہہ چکے ہیں تو زیاد ان کی جگہ بصرہ کا حاکم مقرر ہوا اور اپنے حسن تدبر اور ثابت قدمی سے امیر معاویہؓ کی چالوں کے باوجود اس شہر کو حضرت علیؓ کی حکومت سے نکلنے نہیں دیا۔

پھر حضرت علیؓ کے قتل کے بعد جب یہ نظر آنے لگا کہ حکومت کا رخ معاویہؓ کی طرف ہے تو زیاد فارس چلا گیا جس کو اس نے بڑی ترقی دی تھی اور جہاں کے لوگ اس سے محبت کرتے تھے، فارس پہنچ کر وہ وہاں کے ایک قلعہ میں جا بیٹھا جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور انتظار کرتا رہا تا آنکہ معاملات امیر معاویہؓ کے حق میں ٹھیک ہو گئے اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی، زیاد قلعہ میں تنہا بحالت انتظار نہیں چاہتا تھا کہ امیر معاویہؓ سے پروانۂ امان حاصل کئے بغیر عوام کی طرح اس کی بیعت کر لے یا اس کے سامنے سر جھکائے۔ ادھر اس قلعہ میں زیاد کا قیام خود امیر معاویہؓ کے لئے بڑی کوفت کا باعث تھا، وہ جانتے تھے کہ یہ بڑا گہرا کھلاڑی ہے ان کو اس کا بھی پتہ تھا کہ زیاد کے پاس بہت سی دولت ہے اور فارس کے لوگ اس کے حامی اور طرفدار بھی ہیں، ان کو اندیشہ تھا کہ زیاد کہیں کسی اہل بیت کی

بیعت کر کے ان کے خلاف ٹوٹ نہ پڑے کہیں وہ قوم کو ان سے برگشتہ نہ کر دے اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کو گوشۂ عافیت سے میدان جنگ میں آنا پڑے پھر نوبت خونریزی تک پہنچے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں زیاد نے مغیرہ بن شعبہ پر ایک احسان کیا تھا یعنی ان کے بارے میں تردد آمیز گواہی دے کر ان کو سزا پانے سے بچا لیا تھا، پس مغیرہ درمیان میں پڑے اور زیاد اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کرا دی، زیاد کو معاویہؓ کی طرف سے مطمئن کیا اور معاویہؓ کو زیاد سے خراج کی کچھ رقم دلا کر سمجھا دیا کہ اس پر قناعت کریں، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے زیاد کو اجازت دے دی کہ اسلامی شہروں میں سے جہاں چاہے سکونت اختیار کرے، چاہے تو عراق میں رہے اور چاہے تو شام چلا آئے۔

اور کسی وجہ سے بھی کہئیے زیاد کو یا امیر معاویہؓ کو یا مغیرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زیاد کا نسب بنی امیہ سے ملا دیا جائے خاص طور پر ابوسفیانؓ سے اور وہ اس طرح کہ طائف کے بعض سفروں میں ابوسفیان کا سمیہ سے تعلق ہو گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ زیاد کی تدبیروں سے امیر معاویہؓ کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ عراق کے لوگ زیاد کو ابوسفیان سے منسوب کرتے ہیں، امیر معاویہؓ نے یہ موقع غنیمت جانا اور زیاد کو اپنے پاس بلایا پھر لوگوں کو جمع کیا اور گواہوں نے شہادت دی کہ ابوسفیان کے تعلقات سمیہ سے تھے، امیر معاویہؓ نے اسی پر اکتفا کیا اور زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا — بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس رشتے کے قیام میں کس قدر تصنع اور عیاری سے کام لیا گیا ہے۔ جب امیر معاویہؓ نے اس کا اعلان کیا تو نیک مسلمانوں نے اس کو بہت برا خیال کیا، زیاد کی تو یہ دلی تمنا تھی لیکن بنی ثقیف کے غلام اس پر بڑے ناراض ہوئے۔

بلاذری کا بیان ہے کہ صفیہ کے بھائی سعدؓ بن عبید کو امیر معاویہؓ نے کچھ دے دلا کر اس نسبت پر راضی کر لیا تھا لیکن یونس بن سعدؓ نے یہ منظور نہیں کیا اور چاہا کہ امیر معاویہؓ سے مل کر اس رشتے پر بحث اور حجت کرے لیکن اس کو ملاقات کا موقع نہیں مل سکا، پھر جب جمعہ کے دن نماز میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اس نے امیر معاویہؓ کو خطبہ میں ٹوکا اور کہا۔

"معاویہ خدا سے ڈرو، اس لئے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے اور تم نے تو زانی کو لڑکا دلا دیا اور صاحب فراش کو سنگسار کر دیا زیاد میری چچی کا غلام اور اس کے غلام کا لڑکا ہے، بس ہماری میراث ہم کو دیدو۔ اس پر امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔ یونس اب زبان بند کر لو ورنہ قسم خدا کی اس طرح اُڑا دوں گا کہ ٹھکانا لگنا دشوار ہو گا۔ یونس نے کہا تو کیا اس کے بعد ہم اور تم اللہ کے پاس اکٹھا نہ ہوں گے"

شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے :-

وقائلة اما هلكت و قائل | قضی ما علیه یونس بن عبید

بہتوں نے کہا تو ہلاک ہوا اور بہتوں نے کہا کہ یونس ابن عبید نے اپنا فرض پورا کر دیا

قضی ما علیه ثم ودع ماجدا | و کل فتی سمح الخلیقة مودی

اپنا فرض ادا کر کے ایک صاحب مجد کو رخصت کیا اور ہر خلیق نوجوان جانے ہی والا ہے

یزید بن مفرغ امیر معاویہؓ کی بُرائی کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

الا ابلغ معاویة بن حرب	ایک یمنی آدمی کا پیغام معاویہؓ بن حرب کو پہنچا دو
مغلغلة عن الرجل الیمانی	کہ کیا تم اس بات پر غصہ ہوتے ہو کہ تمہارے باپ
اتغضب ان یقال ابوك عفٌ	کو پاک باز کہا جائے اور اس بات سے خوش
وترضیٰ ان یقال ابوك زانی	ہوتے ہو کہ اس کو زانی کہا جائے۔

معاویہؓ زیاد کا بیحد خیال رکھتے تھے اسکی برداشت نہیں کرتے تھے کہ زیاد کو کوئی ناگوار بات کہہ دے ایک دن ان کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عامر نے اسکو کچھ کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں قریش کے پچاس آدمیوں کو جمع کروں جو سب کے سب گواہی دیں گے کہ ابوسفیان کا سمیّہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ کو بہت غصہ آیا اور اپنے دربان سے کہہ دیا کہ عبداللہ بن عامر جب آئے تو اس کی سواری کوٹھی سے باہر کر دینا، اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ اسکو محل میں آنے سے روک دینا۔ دربان نے حکم کی تعمیل کی، عبداللہ اس زیادتی پر بڑا جز بز ہوا اور یزید سے اس کی شکایت کی، پھر یزید بیچ میں پڑا لیکن امیر معاویہؓ عبداللہ سے اسی وقت راضی ہوئے جب اس نے زیاد سے معذرت کر کے اس کو راضی کر لیا۔ اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہ کی نظر میں عبداللہ بن عامر کا کیا درجہ تھا۔

امیر معاویہؓ سے کہیں زیادہ خود زیاد اس نئے نسب کا خواہش مند تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ مجھے زیاد سے ایک ضرورت ہے، آپ سفارش لکھ دیجئے۔ عبدالرحمٰن نے تحریر لکھی لیکن زیاد کو ابوسفیان سے منسوب نہیں کیا تو اس شخص نے تحریر لے جانے سے انکار کر دیا اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور انھوں نے لکھا۔

"اُم المومنین عائشہؓ کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کے نام"۔ جب زیاد نے یہ رقعہ دیکھا تو اس سے کہا کہ کل آنا، دوسرے دن جب وہ آیا تو زیاد نے لوگوں کے سامنے اس رقعے کو پڑھنے کا حکم دیا، اس سے زیاد کا مقصد یہی تھا کہ بصرہ کے لوگ یہ جان لیں کہ اُم المومنینؓ نے اس کے نئے نسب کا اعتراف کر لیا۔

ابوبکرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، ماں کی طرف سے زیاد کے بھائی تھے، حارث بن کلدہ سے پیدا

ہوئے تھے لیکن حارث نے نفی کردی تھی اس لئے وہ غلام ہی رہ گئے۔ طائف کے معرکے میں غلاموں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اور غلاموں کے ساتھ ان کو بھی آزاد کر دیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں، چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔

ابوبکرہؓ زیاد سے اسی وقت سے متنفر تھے جب اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دینے میں تردد سے کام لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مغیرہ تو سزا سے بچ گئے مگر ابوبکرہ تہمت تراشی کی سزا کی زد میں آ گئے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ زیاد کی فرزندی کے لئے اس نسبت کی کوشش ہو رہی ہے اور معاویہؓ اور زیاد دونوں اس دوڑ دھوپ میں ہیں تو انھوں نے زیاد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ گناہ ہے لیکن زیاد نے ایک نہ سنی، پھر جب یہ کام ہو گیا تو ابوبکرہ نے قسم کھائی کہ کبھی زیاد سے بات نہیں کریں گے۔ چنانچہ مر گئے اور بات نہیں کی۔

راویوں کے خیال کے مطابق ابوبکرہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سمیہ زانیہ نہ تھی اور نہ اس نے کبھی ابوسفیان کا منہ دیکھا۔ بلاذری کی روایت ہے کہ ابوبکرہ کو جب معلوم ہوا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے کے بعد حج کرنے کی خواہش رکھتا ہے، مطلب یہ کہ اس کو امیر الحج بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے امیر معاویہؓ سے اجازت چاہی امیر معاویہؓ نے اجازت دیدی تب ابوبکرہ زیاد کے پاس آئے اس وقت زیاد کے بعض لڑکے موجود تھے، ابوبکرہ نے ایک لڑکے کو مخاطب کر کے زیاد کو سنانے کے لئے کہا۔ تمھارا یہ احمق باپ اسلام میں نافرمانی کی تین باتیں کر چکا ہے، ایک بات مغیرہؓ کی گواہی میں حق کا چھپانا اور خدا جانتا ہے کہ اس نے ہماری طرح واقعے کا مشاہدہ کیا تھا، دوسری بات غلاموں سے اپنے کو الگ کرنا اور ابوسفیان سے غلط رشتہ جوڑنا، اور خدا گواہ ہے کہ ابوسفیان نے سمیہ کو کبھی نہیں دیکھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے اور ام المومنین ام حبیبہؓ وہاں ہیں، اب اگر انھوں نے اس کو اس طرح اجازت دیدی جس طرح ایک بہن بھائی کو دیتی ہے تو یہ ام المومنین کے لئے کتنی بڑی مصیبت اور ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بڑی خیانت ہوگی، اور اگر انھوں نے پردہ کیا تو یہ زیاد کے خلاف کیسی زبردست دلیل ہوگی۔ زیاد نے سن کر آپ نے کسی حالت میں اپنے بھائی کی خیر خواہی میں دریغ نہیں کیا، اور اس سال حج کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور معاویہؓ سے معذرت کر کے حج کا انتظار کرتا رہا اور حجاز اسی وقت آیا جب ام حبیبہؓ اللہ کی رحمت کو پہنچ گئیں۔

زیادؔ کی نسبتِ فرزندی

اس نئے رشتے کی راہ میں امیر معاویہؓ اور زیاد دونوں کو بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں امیر معاویہؓ کو اس کے تسلیم کرنے میں اپنی قوم بنی اُمیہ کے ساتھ خصوصاً اور قریش کے ساتھ عموماً بڑی سختی کا برتاؤ کرنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ لوگوں نے امیر معاویہؓ کی گرفت سے ڈر کر یا پھر ان سے مالی منفعت کی لالچ میں اس کو منظور کر لیا، بہت سوں نے تو بظاہر قبول کیا لیکن دل سے انکاری رہے، اور بہتوں نے غیر جانب داری برتی، اس طرح کہ زیاد کو ابو سفیان کی طرف منسوب نہیں کیا، صرف اس کا نام لکھ دیا، یا پھر اس کو سُمیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

جس دن دمشق کے مجمع عام میں اس نسبت کا اعلان کیا گیا، زیاد بھی حد درجہ حیران و پریشان رہا، امیر معاویہؓ نے اسکو منبر پہ اپنے بازو میں بٹھایا، اس کے بعد گواہوں کو بلایا جنہوں نے شہادت دی کہ سمیہ کا ابو سفیان سے ناجائز تعلق تھا۔ اس طرح زیاد نے اپنی ماں کے بارے میں وہ کچھ سُنا جو ایک شریف آدمی کسی طرح بھی سننا گوارا نہیں کر سکتا، اس وقت وہ آپے سے باہر ہو گیا اور گواہوں سے کہنا لگا، دوسروں کی ماں کو گالیاں دوگے تو تمھاری ماں کو بھی گالیاں دی جائیں گی، ایک گواہ سے اس نے کہا تم کو گواہی دینے کے لئے بلایا گیا ہے گالی دینے کے لئے نہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود زیاد اس رشتے سے پوری طرح خوش تھا بلکہ اس کے لئے اس نے کوشش کی تھی، اس نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا، اُس خدا کی حمد جس نے گرائے ہوئے کو اونچا کیا، گویا اس نے اشرافِ قریش میں سے ایک کے ساتھ اپنی نسبت کو ایک رومی غلام کی نسبت سے بہت اہم اور ارفع تصور کیا اور پھر یہ قریشی بھی کون؟ ابو سفیان، جس کے بیٹے کے ہاتھ میں اس وقت مسلمانوں کی حکومت کی لگام ہے۔

زیاد کی سیرت میں یہ پہلی نمایاں تبدیلی تھی اور یہ اس کا پہلا اعلان تھا جس سے مسلمان ابتدائے اسلام سے آج تک مانوس نہ تھے۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد جیسا کہ تم جانتے ہو آقا اور غلام کی مساوات پر ہے اور اس بات پر لوگوں میں امتیاز اور فرق صرف تقویٰ کا ہے۔

زیاد کی بات حیرت انگیز ہے، اس نے اپنے خطبے میں جس کا نام بترا ہے یعنی ناقص اس لئے کہ اس نے اس کا آغاز حمد و ثنا سے نہیں کیا تھا اور جس کو تم عنقریب پڑھو گے، کہا ہے، میں جاہلیت کی تعلّی برداشت

نہیں کرسکتا، ایسا جو مدعی میرے پاس لایا جائے گا میں اس کی زبان کاٹ لوں گا، حالانکہ وہ خود اس قسم کا پہلا مدعی ہے، بلکہ وہ اور امیر معاویہؓ شاید ایسے پہلے دو شخص ہیں جنھوں نے اسلامی شریع سے انحراف کیا، قرآن و سنت کے احکام سے روگردانی کی اور عہد جاہلیت کے طور طریقے جدید مسلک کے نام سے اختیار کرلئے۔

یہ رشتہ جس کو معاویہؓ کے اقتدار نے مسلمانوں سے تسلیم کرایا، ہمارے لئے گہرے غور و فکر کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات جس پر ہماری نظر جاتی ہے وہ یہ کہ مورخوں اور محدثوں نے زیاد کی جو سیرت بنائی ہے اس میں کچھ نقص اور پیچیدگی ہے۔ زیاد حارث ابن کلدہ کا غلام پیدا ہوتا ہے، جو اس کی ماں سُمیہ کا آقا ہے یا یوں کہئے کہ زیاد کا باپ حارث کی بیوی صفیہ کا غلام تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، مگر تاریخ میں تو ہم زیاد کو کہیں غلام نہیں پڑھتے۔ پھر یہ کب آزاد ہوا اور کس نے اس کو آزاد کیا اور یہ آزادی اس کو کہاں حاصل ہوئی؟ اس نے تو خود حضرت عمرؓ کو جب انھوں نے ہزار درہم دے کر دوسرے سال اس سے پوچھا کہ درہم کہاں خرچ کئے؟ جواب دیا کہ اس رقم سے میں نے اپنے باپ عُبید کو خرید کر آزاد کردیا! اس کا مطلب یہ ہے کہ عُبید بہت بعد میں آزاد ہوئے تو کیا زیاد اپنے باپ سے پہلے آزاد ہو چکا تھا۔ ان باتوں پر محدثین اور مورخین نے توجہ نہیں کی اور یہ باتیں زیاد کی سیرت پر ہلکا سا پردہ ضرور ڈال دیتی ہیں۔

پھر زیاد کی سیرت میں واقعی اور سخت مشکل اس کے متبنیٰ ہونے کی ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس رشتے کی بنیاد دین یا دنیا کے کس اصول پر رکھی گئی ہے؟ دین کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ فقہا نے متبنیٰ کے لئے متعدد شرطیں مقرر کی ہیں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ باپ بننے والے سے اس کی ولادت ولادت ہوسکے۔ یعنی باپ اور بیٹے میں عمر کی مناسبت ہو۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زیاد ابوسفیان سے چھوٹا تھا اور اس کا بیٹا ہوسکتا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس بیٹا بننے والے کا کوئی مشہور باپ نہ ہو، اس لئے کہ آدمی کا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نام سے پکارا جانا بُرا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ "جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت کا دعویٰ کیا اس پر جنت حرام ہے"۔ اور زیاد کا تو باپ تھا اور لوگوں کو معلوم بھی تھا۔ یعنی وہی عُبید رومی۔ پھر خود زیاد نے اسی مجلس میں اس کا اعتراف کیا ہے جو اس رشتے کے اعلان کے لئے بلائی گئی تھی۔ چنانچہ زیاد نے مجلس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "لوگو! تم نے امیرالمومنین کی بات سن لی اور گواہوں کے بیانات بھی سُن لئے، میں اس میں حق و باطل کی تمیز نہیں کرسکتا، یہ لوگ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ عُبید بلاشبہ

باپ اور قابل شکریہ مالک تھا۔"

پھر ابو بکرہؓ کی گفتگو سے جو ماں کی طرف سے زیاد کا بھائی ہے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے، ایک یہ کہ زیاد نے ابوسفیان سے رشتہ جوڑ کر عُبید کی نفی کر دی، دوسری یہ کہ ابو بکرہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ابوسفیان نے سُمیّہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوسفیان سے نسبت کر کے زیاد نے اپنے معلوم باپ کا انکار کر دیا۔ اور یہ کہ امیر معاویہؓ نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا، حالانکہ زیاد کو نہ اس کے انکار کا حق تھا نہ امیر معاویہؓ کو اس جبر کا۔

اور ہاں متبنیٰ کے صحیح ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بننے والا اس کو قبول بھی کرے اور زیاد کا یہ حال ہے کہ گو اس نے رشتے کی کوشش کی بلکہ اس کے لئے امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا لیکن جب اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی منظوری کا اعلان کر دے تو اس نے بڑے شرمیلے انداز میں تردد کے ساتھ کہا، جیسا کہ اس کے الفاظ تیار ہے ہیں، پھر خود ابوسفیان کا ایسا کوئی قطعی اقرار نہیں جس میں زیاد کی فرزندی کا اظہار ہو، جو کچھ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے گمان کیا ہے، وہ یہ کہ ابوسفیان نے اشاروں میں یہ بات کہی ہے، وہ حضرت عمرؓ کے خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکے لیکن ابوسفیان تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک زندہ تھے، کم از کم اندازہ لگانے والوں نے چھ سال بتایا ہے، اور زیادہ سے زیادہ تخمینہ کرنے والوں نے دس سال کہا ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ نرم تھے، اور بنی اُمیّہ کے ساتھ اُن کی نرمی قریش اور عام مسلمانوں سے زیادہ تھی، اگر ابوسفیان سچائی کے ساتھ اس کا یقین رکھتے تھے کہ زیاد انھیں کا لڑکا ہے تو حضرت عثمانؓ کے دَور میں وہ ضرور اس کا اقرار کر لیتے، اِلّا یہ کہ وہ خود اس اقرار کو جائز تصوّر نہ کرتے ہوں اور حضرت عثمانؓ سے اس کی تصدیق کی توقع نہ رکھتے ہوں، اِس لئے کہ زیاد کے ایک باپ تھے جن کو سب جانتے تھے یعنی وہی عُبید رومی۔

شاید امیر معاویہؓ اس رشتے کے لئے زیاد کے باپ کے مر جانے کا انتظار کرتے رہے لیکن عُبید کی موت کے بعد بھی اُنھوں نے یہ رشتہ نہیں جوڑا، جب زیاد حضرت عثمانؓ کا مقرب تھا اور ایک شان کا مالک۔ بلکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی یہ اقدام نہیں کیا، جب زیاد بصرہ میں عبداللہ ابن عباسؓ کا نائب تھا پھر اس وقت بھی جب وہ عبداللہ ابن عباسؓ کی جگہ بصرہ کا گورنر ہو گیا امیر معاویہؓ نے اس کی جرأت نہیں کی، حد یہ کہ حضرت حسنؓ کے دَور خلافت میں بھی امیر معاویہؓ نے یہ نہیں کہا اور صلح کے لئے اس کا سہارا

نہیں لیا، ہاں اس رشتے کا خیال ان کو آیا تو اس وقت آیا جب ایک طرف حضرت حسنؑ کی بیعت کے بعد اقتدار پر قبضہ ہو گیا اور دوسری طرف زیاد فارس میں اپنی جگہ محفوظ ہو گیا۔

بہت ممکن ہے کہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان شرائط صلح میں سے ایک شرط اس رشتے کا اظہار بھی ہو، ایسی حالت میں اس کی حیثیت ایک سیاسی اتفاق کی ہو گی جس کی بنیاد دین یا دین کے کسی اصول پر نہیں ہوتی بلکہ اس سے دنیا اور سیاسی مصلحت کا حصول پیش نظر ہوتا ہے امیر معاویہؓ کی سیاسی مصلحت شاید بے نقاب ہے، اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

زیاد عراق والوں کو خوب جانتا تھا، ان پر حکمرانی کرنے کی اور ان کو بہ جبر یا بہ رضا بہرحال آمادۂ اطاعت بنا رکھنے کی مقدرت رکھتا تھا۔ امیر معاویہؓ اس کی تیزی اور چالاکی سے واقف تھے اور لوگ بھی اس کو خوب جانتے تھے، پس امیر معاویہؓ نے اس کو اپنی حکومت کے شرقی علاقوں کے لئے تیار کیا تاکہ وہ خود مغربی علاقوں کے لئے فرصت پا سکیں۔ اس سیاسی اتحاد کے لئے اس کی بھی ضرورت تھی کہ امیر معاویہؓ کے دوسرے بھائی اور ابوسفیان کے بقیہ وارثین اس کی منظوری دیتے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے تمام لوگ دل سے یا بادلِ ناخواستہ اس کے تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔

کسی دنیاوی مصلحت کے لئے اس قسم کے رشتے کا رواج عہد جاہلیت میں بھی تھا، جس کو قرآن مجید میں سورہ احزاب کی حسب ذیل دو آیتوں سے حرام ٹھہرایا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ	اور نہیں رکھا اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل اور نہیں کیا تمہاری بیویوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری اور نہیں کیا تمہارے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہارے اپنے منہ کی بات ہے اور اللہ ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی راستہ دکھاتا ہے ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو یہی پورا انصاف ہے، اللہ کے ہاں پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور رفیق ہیں، اور اگر تم سے خطا سرزد ہو تو تم پر گناہ نہیں ہے، لیکن وہ جس کا دل سے ارادہ کرو اور ہے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اللہ بخشنے والا مہربان۔

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انھیں دونوں آیتوں سے زید ابن حارثہ کی ابنیت رسول اللہ سے باطل اور لوگوں نے زید بن محمدؐ سے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے نبوت سے قبل ان کو متبنیٰ کیا تھا جو ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس رشتے سے آپ کسی دنیاوی مصلحت کے خواہاں نہ تھے بلکہ محض مہربانی اور محبت کے جذبے سے ایسا کیا تھا، اس لئے کہ عربوں میں یہ رسم رائج تھی، انھیں دونوں آیتوں نے سالم کی ابنیت بھی ابو حذیفہ سے باطل کر دی، لوگ سالم کا کوئی باپ نہیں جانتے تھے، خود سالم کو بھی اس کا پتہ نہ تھا، اس لئے عوام نے ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہنا شروع کر دیا۔ ابو بکرہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنا کوئی باپ نہیں جانتا، پس میں تمہارا دینی بھائی ہوں، کبھی کبھی وہ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ کہا کرتے تھے اور کبھی مولیٰ اللہ و رسولہ، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ طائف میں ثقیف کے غلاموں کے ساتھ آزاد کیا تھا۔

متبنیٰ کرنے کی رسم رومیوں میں بھی رائج تھی، اور بہت سے قیاصرہ نے بہتوں کو متبنیٰ بنا کر ان کو اپنا ولی عہد بنایا، اور کون جانے شاید امیر معاویہؓ نے رومیوں کی اور باتوں کے ساتھ اس رواج کو بھی دیکھا ہو اور یہ پیوند اپنے ساتھ تو نہیں اپنے باپ کے ساتھ لگا کر زیاد کو اپنا ساتھی بنا لیا ہو، اور عراق اور اس سے متصل علاقوں کی حکمرانی میں اس سے امداد حاصل کی ہو۔

مَیں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ رشتے کی اس کارروائی سے خدا راضی ہے یا ناراض کہ یہ صرف اسی کے قبضۂ قدرت کی بات ہے، اس قسم کی بحثوں سے میں ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں، میں تو سیاست اور تاریخ کے حدود سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ یہی جانتے ہیں کہ جس کے باپ کو لوگ جانتے ہوں اس کو متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا، یہی حکم قرآن مجید کا ہے حضورؐ نے بھی مسلمانوں کے لئے اس میں شدید حرج بتایا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ اور ابو بکرہ کی روایت سے تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اپنے باپ کے سوا کسی اور کی نسبت کرنے والا جنت سے محروم ہے۔ پھر اس سلسلہ میں ایک پیچیدگی کا مزید اضافہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے اس کو یونہی گول رکھنا نہیں چاہا بلکہ حروف پر نقطے لگا دیئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زیاد ابو سفیان کی صلبی اولاد میں ہے۔ چنانچہ گواہوں سے شہادت دلائی کہ ابو سفیان نے سمیہ کو گناہ کے موقع پر دیکھا اور بعض گواہوں نے تو یہ بھی اضافہ کیا کہ سمیہ کو ابو سفیان سے ملنے کے لئے ورغلایا گیا، جس پر اس نے کہا، صُبید جب بکریاں چرا کر آ جائیں گے اور سو جائیں گے تو میں آؤں گی۔ اس طرح امیر معاویہؓ نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ زیاد کو ایک بڑی

بُرائی سے آلودہ کر دیا، یونس ابن عبداللہ نے امیر معاویہؓ سے یہ کہنے کی جرأت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا بستر والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ اور تم نے زانی کو لڑکا دیا اور فراش والے کو پتھر۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ امیر معاویہؓ نے ایک دینی حکم کی جس سے مسلمان آشنا تھے سخت مخالفت کی، اس مخالفت میں زیاد کو بھی شریک کر لیا۔ مسلمانوں نے ان کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کتاب اور سنت کے مطابق عمل کریں گے۔ متبنیٰ کرنے کی یہ کارروائی اُنھوں نے اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف کی۔ پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر نیک اور متقی مسلمانوں کی ایک جماعت اس خیال کی ہو جائے کہ ان کی بیعت اس کے لئے ضروری نہیں اور یہ کہ وہ رضامندی سے نہیں بلکہ جبراً اطاعت کریں اور منتظر رہیں اور جب موقع مل جائے ان کے خلاف نکل پڑیں۔

زیاد بصرہ کا گورنر

بصرہ کا گورنر ہو جانے کے بعد زیاد نے لوگوں کے ساتھ اپنی وہ پالیسی جس پر حضرت علیؑ کے زمانے میں کاربند تھا، سرے سے بدل دی اور ٹھیک اس کی مخالف سمت چلنا شروع کیا۔ اس نے اپنی سیاست کی بنیاد اب لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور خوف زدہ بنانے پر رکھی

مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ پالیسی میں اس تبدیلی کا سبب صرف یہ نہ تھا کہ وہ اور امیر معاویہ عراق کو منظم اور اپنا وفادار علاقہ دیکھنا چاہتے تھے، بلکہ اس میں ایک نفسیاتی پیچیدگی کو بھی دخل تھا جس کا زیاد شکار تھا۔ اور جس نے رشتے کی انتسابی کارروائی کے بعد اس کا توازن بگاڑ دیا، زیاد جانتا تھا کہ مسلمان اس کے اس جدید نسب کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسے اس کی بھی خبر تھی کہ عرب غلط باپ کی طرف منسوب شخص کا جس قدر تمسخر کرتے ہیں اور کسی کا نہیں کرتے۔ یہ بات تھی جس نے اس کو ڈرانے اور خوف زدہ بنانے والی پالیسی پر آمادہ کیا، اور اس نے چاہا کہ اپنی تشدد آمیز کارروائیوں سے لوگوں کی زبانیں بند کر دے اور کوئی اس کے طور طریقوں اور اس کے نسب کے خلاف زیر لب بھی کچھ نہ کہے، اسی طرح مسلمانوں کے معاملات میں امیر معاویہ کی روش کیخلاف بھی کوئی کچھ نہ بولے۔ زیاد کی یہ خواہش پوری طرح پوری ہوئی، اس نے اس کے لئے خونریزیاں کیں، لوگوں کے حقوق پامال کئے، ان کی بے عزتی کی اور ایسے ایسے احکام جاری کئے جن کا پہلے نام و نشان تک نہیں ملتا، زیاد کا خیال تھا جیسا کہ آپ اس کے خطبے میں پڑھیں گے کہ لوگوں نے نئی نئی باتیں پیدا کر دی ہیں تو اس نے بھی ہر جرم کے لئے نئی سزا ایجاد کی، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے جن سزاؤں کا اعلان کیا ہے اور خلفائے راشدین نے لوگوں کے معاملات کے لئے جو نظم پیش کیا ہے وہ بصرہ والوں کو ٹھیک راہ پر لانے اور چلانے کے لئے کافی نہ تھا۔

ہمیں لوگوں کی بعض وہ چند نئیں معلوم ہیں جن کے لئے زیاد نے نئی نئی سزائیں تجویز کیں، اس نے لوگوں کو دیکھا کہ گھروں میں آگ لگا کر گھر اور گھر والوں کا خاتمہ کر دیتے ہیں تو اس نے تجویز کی کہ جو کسی کو جلائے گا ہم اس کو جلا دیں گے، لیکن زیاد شاید اس آگ لگنے میں شریک تھا جو بصرہ میں جاریہ ابن قدامہ نے اس گھر میں لگائی جس میں عبداللہ بن عامر اور اس کے ساتھی پناہ گیر تھے، اسی طرح اس نے دیکھا کہ بعض لوگ بعضوں کو غرق کر دیتے ہیں تو اس نے تجویز کی کہ جو کسی قوم کو غرق کرے گا' ہم اس کو بھی غرق کر دیں گے، اس نے دیکھا کہ لوگ قبریں اکھاڑ دیتے

ہیں تو سزا مقرر کی کہ جو کوئی قبر اُکھاڑے گا ہم اُس کو اُسی قبر میں زندہ دفن کر دیں گے۔ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملات کے لئے جو سزائیں مقرر کی ہیں اس پر عمل اور عملدرامد میں شدت ان تمام شرمناک زیادتیوں سے بے نیاز کر سکتی تھی، لیکن زیاد نے ایسے ایسے ہنگامی قوانین جاری کئے جن کا اسلام میں نہ کہیں ثبوت ہے اور نہ مسلمان اُس سے آشنا۔ اس نے اپنی جان پر اور لوگوں کی جانوں پر کیسی زیادتی کی کہ رات میں نکلنے پر موت کی سزا دے دی اور کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا، چاہے عذر کی سچائی اس پر ظاہر ہو چکی ہو۔

جی چاہے تو اس کا وہ خطبہ پڑھ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک حاکم پہلی بار ایسی سزاؤں کا اعلان کرتا ہے کہ جس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں، بلکہ امیر معاویہؓ کے دوسرے گورنر بھی اس سے واقف نہیں، زیاد کا منادی جب کوئی تہدید آمیز اعلان کرتا تو لوگ اس کو واقعہ خیال نہیں کرتے، اس خیال سے کہ یہ تو بڑی بات ہے، شاید ڈرانے کے لئے ایسا اعلان کیا جا رہا ہے، حالانکہ زیاد نے اس خطبے میں لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ منبر کی غلطی (مقرر کی غلط بیانی) سفیدی پر سیاہ داغ ہے لوگوں میں پھیل جاتی ہے، اگر تم نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرکے مجھے بدنام کیا تو یاد رکھو میرے پاس اس کا جواب ہے بہرحال لوگوں نے دیکھا کہ زیاد اعلان کے مطابق عمل کر رہا ہے، رات میں نکلنے والوں کو سچی معذوری کے بعد بھی قتل کر دیتا ہے، پڑوسی کے ساتھ پڑوسی کو، دوست کے ساتھ دوست کو اور گنہگار کے ساتھ بے گناہ کی گرفت کرتا ہے، پھر قتل کرنے میں بڑی زیادتی سے کام لیتا ہے، حد ہو گئی کہ بعضوں نے بعضوں سے کہا "سعد بچ کر جان بچالو، سعید تو ہلاک ہو چکا"[1]

۵۰ھ ہجری میں مغیرہ کا انتقال ہوا تو زیاد کو مغیرہ کی جگہ کوفہ کا بھی والی بنا دیا گیا، اس نے کوفہ میں بھی بصرہ جیسی روش اختیار کی اور لوگوں کے دل خوف اور دہشت سے بھر دیئے، حیرت کی بات یہ ہے کہ زیاد اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چل رہا ہے اس کی نرمی میں کمزوری اور اسکی شدت میں جبر نہیں ہے، حالانکہ بنی امیہ سے اپنا رشتہ جوڑ لینے کے بعد عراق والوں نے اس سے بجز سنگدلی اور شدت کے نرمی نہیں دیکھی اور اس نے حقوق اور خون کے بارے میں ایسی زیادتی کی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر زیاد اپنے اعمال کا تنہا ذمہ دار نہیں بنا بلکہ اس نے بنی اُمیہ کے دوسرے گورنروں کے لئے خصوصاً

---

[1] یہ جملہ ایک ضرب المثل ہے جو مسلسل مصیبت کے لئے کہا جاتا ہے، بنیاد اس کی یہ ہے کہ سعد اور سعید دو بھائی اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں گھر سے نکلے، سعد تو واپس آگیا لیکن سعید واپس نہ آسکا۔

حجاج کے لئے عراق میں شرمناک اور بدترین مثالیں قائم کردیں۔ اس کا وہ خطبہ جس کا میں بار بار نام لے رہا ہوں پڑھیے، مورخوں نے اس کی مختلف روایتیں کی ہیں، اکثروں نے تو اس کے ادھر اُدھر کے فقرے مختصراً نقل کردیئے ہیں لیکن جاحظ نے اس کو ایک ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے، جو تصنع سے تو خالی نہیں۔ لیکن زیاد کی سیرت کا تمام و کمال آئینہ دار ہے۔ جاحظ کا طریقہ اس خطبے کی روایت میں وہی ہے جو اس عہد کے بہت سے خطبات کی روایت میں تمام دوسرے عراقی راویوں کا ہے۔ زیاد کہتا ہے:

"امابعد! تمھارے احمق اور عقلمند جن بڑے کاموں میں مصروف ہیں وہ شدید ترین جہالت ہے اندھی گمراہی ہے اور ایسی ہلاکت جو اپنے ساتھی کو آگ تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گی، اسی جہالت اور گمراہی میں چھوٹے بڑے ہو رہے ہیں، اور بڑے اپنے آپ کو اس سے بچاتے نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں اور نہ یہ سنا کہ اس نے اپنی اطاعت کرنے والوں کو ثواب عظیم اور نافرمانی کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے عذاب الیم مقرر کیا ہے، کیا تم وہ ہو جس کی دونوں آنکھوں کو دنیا نے بند کر دیا ہے۔ جس کے کانوں میں نفسانی خواہشات نے روئی ٹھونس دی ہے، جس نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو پسند کیا ہے۔ تمھیں احساس نہیں کہ تم نے اسلام میں ایسی نئی بات پیدا کردی جو کوئی نہ کرسکا۔ تم نے کمزور کو چھوڑ دیا، اس پر زیادتی کی جارہی ہے اس کا مال لوٹا جارہا ہے، یہ برائی کے اڈے کیا ہیں، دن کی روشنی میں کمزور عورت لوٹی جارہی ہے، واقعات کی بہتات ہے، کیا تم میں ایسے روکنے والے نہیں جو سرکشوں کو رات کی گشت اور دن کی غارت گری سے باز رکھ سکیں، تم نے دین کو دور اور رشتہ داری کو نزدیک کرلیا ہے، بلاوجہ معذرت کرتے ہو، اور اُچکے لٹیرے والے سے چشم پوشی، تم میں کا ہر آدمی انجام سے بے پرواہی کی طرح اپنے نادانوں کی حفاظت کرتا ہے، تم سنجیدہ اور عقلمند نہیں ہو، تم آوارہ اور احمق افراد کے پیچھے چل رہے ہو، تمھاری حمایت کی بدولت انھوں نے اسلام کی بے حرمتی کی، برائی کے اڈے قائم کئے، جب تک میں ان اڈوں کو گرا، یا جلا کر زمین کے برابر نہ کردوں گا مجھ پر کھانا پینا حرام ہے مجھے یقین ہے کہ معاملے کا آغاز جن باتوں کی وجہ سے درست ہوا تھا، انجام بھی انھیں باتوں سے اصلاح پذیر ہوگا، یعنی ایسی نرمی جس میں کمزوری نہ ہو، اور ایسی سختی جس میں زبردستی نہ ملی ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غلام کے ساتھ آقا کو، مسافر کے ساتھ مقیم کو، جانے والے کے ساتھ آنے والے کو، نافرمان کے ساتھ فرمانبردار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ آدمی اپنے بھائی سے مل کر کہے گا۔ "سعد بن کر جیو، سعید تو ہلاک ہوگیا" یا پھر تم سب کے سب سیدھے ہو جاؤ، منبر کی غلط بیانی شہرت پا جاتی ہے وہ سفیدی پر سیاہ داغ ہے، اگر تم نے میرے خلاف کوئی حاشیہ چڑھایا اور

میری نافرمانی کی تو یاد رکھو میرے پاس اس کے بہت سے جواب ہیں، جس کے گھر میں نقب لگائی گئی میں اس کے گئے ہوئے مال کا ضامن ہوں، خبردار راتوں کو گشت نہ لگانا، اگر اس کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی میرے پاس لایا گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اس کے لئے میں تم کو اطلاع پہنچانے تک کی مدت دیتا ہوں، خبردار جاہلیت کے عہد کی خاندانی انکسرمت کرنا، جس نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نکالی میں اس کی زبان کاٹ لوں گا، تم نے نئی نئی باتیں پیدا کی ہیں، تو ہم نے بھی ہر گناہ کی نئی سزا مقرر کی ہے، پس اگر کوئی کسی کو ڈبائے گا تو ہم اس کو غرق کر دیں گے، اگر کوئی کسی کو جلائے گا ہم اس کو آگ میں جھونک دیں گے، جو کسی گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے جو کوئی قبر اکھاڑے گا ہم اس کو قبر میں زندہ گاڑ دیں گے، لہذا تم اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں مجھ سے روک لو میں بھی اپنا ہاتھ اور اپنی زبان تم سے روک لوں گا، جس نے بھی عوام میں شورش اور بے چینی کی کوئی بات پیدا کی میں اس کو قتل کر دوں گا، میرے اور متعدد قبیلوں کے درمیان بغض و عداوت کی بات تھی، لیکن میں نے ان سب پر لات مار دی ہے، پس تم میں سے جو بھلا ہو اس کو اپنی بھلائی اضافہ کرنا چاہیئے اور جو برا ہے اس کو برائی سے باز آجانا چاہیئے، اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں کا کوئی میری دشمنی کی وجہ سے سل کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے تو میں اس کا اظہار نہیں کروں گا اور نہ اس کی پردہ دری کروں گا تا آنکہ وہ خود اپنی درگذر کا اظہار کرے، ایسا کرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کروں گا، پس تم اپنے معاملات کو از سر نو شروع کرو اور اپنی مدد آپ کرو، بہت سے مایوس ہماری آمد پر مسرور اور بہت سے مسرور مایوس ہوں گے۔ اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں، خدا نے ہم کو جو اقتدار دیا ہے اس کی بدولت ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور جس خراج کا خدا نے ہمیں حقدار بنایا ہے اس کے بدلے میں ہم تمہاری حمایت اور حفاظت کر رہے ہیں، ایسی حالت میں تمہارا فرض ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت اور وفاداری کرو، اور ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کرنے میں تمہارے ساتھ انصاف کریں لہذا ہماری خیر خواہی کر کے ہمارے انصاف اور عنایت کے مستحق بنو، اور یاد رکھو مجھ سے اور جا ہے جتنی کوتاہی ہو، مگر میں تین باتیں ضرور کروں گا۔ تمہارا کوئی بھی ضرورت مند چاہے وہ آدھی رات میں آئے میں اس سے ملاقات کروں گا۔ کسی کا وظیفہ اور روزی مقررہ وقت سے ٹلنے نہ دوں گا اور تم کو مقررہ مدت سے زیادہ لڑائی پر رہنے نہ دوں گا۔ پس اللہ سے اپنے اماموں کے لئے خیریت کی دعا مانگو لیا گا، اس لئے کہ وہ تمہارے حاکم ہیں، تم کو تمیز سکھاتے ہیں اور تمہارے لئے پناہ کی جگہ ہیں، اگر وہ خیریت سے رہے تو تم بھی خیریت سے رہو گے، اپنے دلوں میں ان کی طرف سے بغض رکھ کر غصے کی

آگ تیز نہ ہونے دو، اس سے تمھارا غم بڑھے گا اور تمھاری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی، اور اگر لوگوں نے ان کے خلاف تمھارا کہنا مان لیا تب تو نتیجہ تمہارے حق میں بہت ہی خراب ہوگا۔ میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہر طرح مدد کرے۔ جب تم دیکھ لو کہ میں تمھارے لئے کوئی حکم صادر کرتا ہوں تو اسکی تکمیل کی راہیں نکال لو، قسم خدا کی تم میں میرے بہت سے شکار ہیں، پس ہر شخص کو بچنا چاہیئے۔ کہیں وہ میرا نشانہ نہ بن جائے۔"

یہ دلکش خطبہ جو متاخرین نے مرتب کیاہے اس میں جیسی بھی شاعری کی گئی ہے وہ باہم متضاد کیفیتوں کی تصویر پیش کرتا ہے، ایک تو وہ فن کے جمال کا مظہر ہے' الفاظ بہت خوبصورت اور زیاد کے مقاصد کے ٹھیک ٹھیک ترجمان، جن سے لوگ ایک طرف خوف ودہشت سے گھبرا اٹھیں اور دوسری طرف اپنے دلوں میں توقعات اور اُمیدوں کے جذبات محسوس کرنے لگیں، دوسری وہ قابل نفرت سیاست کا اعلان کرتا ہے جس پر وہ آئندہ عمل کرنے والا ہے جس کا نہ اسلام سے واسطہ ہے اور نہ مسلمان اس سے آشنا ہیں اور جس سے اگر کسی بات کا پتہ چلتا ہے تو اس کا کہ اس سیاست کا چلانے والا ایک ظالم اور حد سے بڑا سرکش ہے، جو دلوں کو مظالم سے مرعوب اور خوفزدہ بناکر لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور اقتدار کے لئے عوام کی اطاعت زبردستی غصب کرنا چاہتا ہے۔

چور گھر میں نقب لگاتا ہے لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ چور کے دل میں نقب لگائی جائے کچھ لوگ مُردوں کی قبریں اکھاڑتے ہیں، لیکن اسلام ان کو زندہ درگور کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسلام شبہ کی بنا پر سزا نہیں دیتا، بلکہ شبہ سے سزا کا تدارک کرتا ہے۔ اسلام شک کی وجہ سے لوگوں کو قتل نہیں کرتا اور نہ اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ دلوں کی سوجھ اور دماغوں کی فکر پر سزا دیدے' البتہ اسلام اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہاتھوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی سزا دے اور دلوں کا حساب اس خدا کے لئے چھوڑ دے جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہے جو نگاہوں کی خیانت جانتا ہے، اسلام کسی حاکم یا خلیفہ کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں پر اس لئے حکومت کر رہا ہے کہ اللہ نے اس کو طاقت اور خراج کا حق دار بنایا ہے، بلکہ اسلام تو اس سے یہ کہلانا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی اس طاقت کی بنا پر حاکم بنا ہوا ہے جو عوام نے اپنی رضامندی سے اس کو دی ہے، اس میں زبردستی اور جبر کو کچھ دخل نہیں ہے۔ اسلام حاکم یا خلیفہ سے یہ کہلوانا چاہتا ہے کہ خراج اور غنیمت کی رقم امت کی ملکیت ہے اس کے امین خلفاء اور اس کے گورنر ہیں، جو اس کو حفاظت سے رکھیں اور حق مصرف میں خرچ کریں۔

اسلام کسی خلیفہ اور حاکم کو یہ قسم کھانے کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں میں اس کے بہت سے شکار ہیں،

اس لئے کہ جب تک لوگ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کریں جس سے ان کے شکار ہونے کی نوبت آئے، اسلام اس قسم کی باتوں کا بالکل روادار نہیں۔

سننے والوں پر اس خطبے کے جو مختلف اثرات پڑے ذرا اس کا اندازہ کیجیے، عبداللہ ابن اہتم نے زیاد سے کہا۔ امیر! مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اللہ نے آپ کو حسنِ بیان کی نعمت سے نوازا ہے۔

سنا آپ نے ان حضرت پر خطبے کی دلکشی اور بلاغت کا جادو چل گیا اور یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہ پا سکے کہ الفاظ کے جام میں انڈیلا کیا ہے؟ اور لوگوں کے لئے کیسی انوکھی سیاست پیش کی ہے یا کہنا چاہیے کہ عبداللہ نے زیاد کی خوشامد کرنی چاہی اور پسند و ناپسند سب پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ یا پھر دونوں باتیں ایک ساتھ جمع کر دیں۔ زیاد نے اس داد و تحسین کا بہت تلخ جواب دیا۔ اس نے کہا:

"تم جھوٹے ہو، حسنِ بیان تو اللہ کے نبی داؤدؑ کو عطا ہوا تھا۔"

احنف بن قیس نے ان غیر جانب داروں کا پارٹ ادا کیا۔ جو اپنی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جو حاکم کی ناگواری کا باعث بنے، نہ حاکم کی بات دہراتے ہیں نہ بے تکلفی میں فضول باتیں کرتے ہیں چنانچہ خطبہ کے بعد احنف نے زیاد سے کہا:

"تعریف آزمائش کے بعد اور شکریہ نوازش کے بعد، ہماری تعریف اسی وقت ہوگی جب ہم آزمائے جائیں گے۔"

یہ ایک صحیح جوابی بات تھی جس کو سن کر زیاد نے کہا۔ "سچ کہتے ہو۔"

ابو بلال مرداس ابن اُدَیہ ایک دین دار بزرگ تھے سختی کے ساتھ دین پر قائم رہنا چاہتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس راہ میں مر جانے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ چنانچہ بعد میں دین کی راہ میں جان دیدی، وہ بصرہ میں خوارج کے لیڈر تھے، انھوں نے خطبہ سن کر زیاد سے کہا۔ "ہمیں تو اللہ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے اس کا ارشاد ہے: وابراهيم الذى وفى ان لا تزر وازرة وزر اخرى وان ليس للانسان الا ما سعى، اور آپ تو گویا اس خیال کے ہیں کہ تندرست کو بیمار کے ساتھ، فرمانبردار کو گنہگار کے ساتھ، آگے بڑھنے والے کو پیچھے بھاگنے والے کے ساتھ گرفت کریں گے۔ زیاد نے کہا، تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے بارے میں ہمارا مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب ہم باطل پر عمل پیرا ہوں گے۔

لیکن ابو بلال اور ان کے ساتھیوں پر اسی طرح حضرت علیؓ کے حامیوں اور دوسرے راستباز مسلمانوں پر زیاد کا کچھ بس نہ چل سکا، ہاں وہ باطل پر عمل کرتے ہوئے ناحق طریقے پر خون کی ندیاں بہاتا رہا۔

حُجر ابنِ عدی کا قتل

بصرہ میں زیاد نے جو سفاکیاں دکھائیں اور اس کے نائب سمرہ بن جندب نے بصرہ کا امیر ہو جانے کے

بعد جو خونریزیاں کیں میں اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں سمجھتا، اس لئے کہ یہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان کے تذکرے کی تفصیل غیر مفید ہے، لیکن ایک حادثے پر تھوڑا سا وقت ضرور لوں گا جس میں زیاد نے اسلام اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا رکھا، اس حادثے میں امیر معاویہؓ کا بھی ہاتھ ہے اور اس کا اثر اس وقت کے لوگوں پر بہت بُرا پڑا۔ اس زمانے میں جو بھی راست باز اور پرہیزگار لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو اس سے سخت صدمہ پہنچا، یہ حجر ابن عدی اور ان کے کوئی رفقاء کا حادثہ ہے جو مورخین اور محدثین نے اپنی کتابوں میں اس دردناک ابتلا کی پوری تفصیل لکھی ہے جس میں سے کچھ تو شائع ہو چکی ہے اور کچھ اب تک شائع نہ ہو سکی، میں اس کے اہم حصے کو بہت اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ یہ تفصیل سے زیادہ وسیع ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت سے لے کر امیر معاویہؓ کے استحکام حکومت تک اس فتنہ گری میں لوگ بکثرت مارے گئے، پھر امیر معاویہؓ کے والی ہو جانے کے بعد اس فتنے کے نتیجے میں نیز مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں بہتوں کی جانیں گئیں، لیکن حجر کا دردناک سانحہ حکومت کی تصویر کا ایک نیا رُخ پیش کر رہا ہے، جب کہ خلافت بادشاہی میں گئی، امراء اور عمال نے اپنی سیاست بدل دی، دین کے ساتھ خلوص اور مسلمانوں کی بقا سے کہیں زیادہ مقدم اور اہم کام ان کے لئے حکومت اور اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنا اور نظام کو قائم رکھنا قرار پایا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ خلفائے راشدین شبہ کی بناء پر سزا دینے سے رکتے تھے اور اپنے حاکموں کو سخت تاکید کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو مالی اور جسمانی نقصان بھی نہ پہنچائیں، خونریزی اور قتل کی بات تو الگ رہی۔ ہم نے فاروق اعظمؓ کو دیکھا، خدا کی ان پر رحمت ہو کہ وہ تردد آمیز گواہی پر خود زیاد کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے، جب بعض لوگوں نے مغیرہ ابن شعبہ پر الزام لگایا تھا، محض اس خوف سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ کہیں رسوا نہ ہو، اسی طرح ہم نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ ہرمزان کے قتل کے معاملے میں عبید اللہ ابن عمرؓ کو معاف کرنے کے لئے تکلفات سے کام لیا، جس پر بہت سے مسلمان اور بعض خاص صحابہ آپ سے ناراض ہوئے۔

لیکن آج امیر معاویہؓ اور زیاد کے زمانے میں لوگ شبہ کی بناء پر ماخوذ اور گمان کی بناء پر قتل کر دیئے جاتے ہیں، آج نظام کا درجہ گورنروں اور بادشاہ کی نگاہ میں ان ایمان دار انسانوں سے بڑا ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ناحق ان کا خون نہ بہایا جائے۔

حجر ابن عدی حضرت علیؑ کے حامیوں میں سے ایک شخص تھے جن کو حضرت علیؑ کے ساتھ خلوص تھا۔ جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک تھے، حضرت حسنؑ کی صلح ان کو ناگوار تھی، انھوں نے حضرت حسنؑ پر اس اقدام کے سلسلے میں اعتراض بھی کیا تھا، لیکن حجر اوروں کی طرح امیر معاویہؓ کی بیعت کر چکے تھے اور وفاداری کے ساتھ اس بیعت پر قائم بھی تھے، پھر ان کے نزدیک ضروری نہ تھا کہ حضرت علیؑ کی محبت چھوڑ دیں یا ان سے

الگ ہو جائیں، بلکہ ان کے نزدیک تو یہ بھی ضروری نہ تھا کہ امیر معاویہؓ اور ان کے گورنر جو کچھ کریں وہ سب تسلیم کر لیں۔ حجر ایک متقی مسلمان تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی ہانی ابن عدی کو لے کر اپنی قوم کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے، اس کے بعد شام کی جنگ میں شریک رہے اور مصائب برداشت کئے، کہنا چاہیئے کہ وہ اس مقدمۃ الجیش میں تھے جو دمشق کے قریب مرج عذرا میں داخل ہوا تھا، اس کے بعد عراق کی طرف رُخ کیا اور قادس کے معرکوں میں شریک رہے اور نہاوند کے معرکے میں بڑی ثابت قدمی دکھائی اور فتح کے بعد کوفہ کے پڑاؤ میں قیام کیا، وہ ایک آزاد منش اور دین کے سچے تھے، اچھی باتوں کی طرف بلاتے تھے، بُری باتوں سے روکتے تھے، حاکم کی اچھی بات پسند کرتے تھے، بُری بات پر برہم ہوتے تھے، حضرت حسنؓ کی صلح کے بعد سے امیر معاویہؓ اور اُن کے گورنر مغیرہ ابن شعبہ کے مخالف ہو گئے تھے لیکن بیعت نہیں توڑی تھی، وہ کوفہ کے عام مسلمانوں کی طرح تھے، حکومت کے فرمانبردار اور وقت کے منتظر، جیسا کہ حضرت حسنؓ نے کہا تھا، "نیکو کار کے آرام کرنے اور فاجر کے مرنے تک آرام کرو۔" حجر بنی اُمیہ کی اس بدعت کے سخت مخالف تھے کہ منبر سے حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا جائے، اور اپنی اس مخالفت کو چھپاتے نہ تھے بلکہ مغیرہ ابن شعبہ کے منہ پر اس کا اظہار کرتے تھے، مغیرہ ان سے درگذر کرتے اور حکومت کی گرفت کا خوف دلاتے۔ کہنا چاہیئے کہ حضرت حسنؓ کی موت اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ میں معاملے کا پہنچنا ان دونوں باتوں نے کوفہ والوں کی مخالفت میں پہلے سے زیادہ شدت پیدا کر دی۔ حجر حزب مخالف کے لیڈر تھے، ایک مغیرہ نے خطبہ دیا اور عادت کے مطابق حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ حجر اپنی جگہ سے کود پڑے اور بڑی سخت کلامی سے پیش آئے اور مغیرہ سے کہا، آپ نے لوگوں کا جو وظیفہ روک رکھا ہے وہ دے دیجئے، یہ آپ کے حق میں بزرگوں اور نیکوں کو بُرا بھلا کہنے سے زیادہ اچھا ہے۔

اس کے بعد حجر کے ساتھی بھی اپنی اپنی جگہوں سے کود پڑے اور چلا چلا کر حجر کی باتیں دُہرا دیں، اب تو مغیرہ مجبور ہو گئے کہ خطبہ ادھورا چھوڑ کر منبر سے اُتر آئیں اور گھر میں چلے جائیں۔ اس کے بعد مغیرہ کو ان کے دوستوں کی ایک جماعت نے اس نرمی پر ملامت کی، مغیرہ نے خیال کیا کہ انھوں نے اپنی سنجیدگی اور بردباری سے حجر کا کام تمام کر دیا، اس لئے کہ آنے والے گورنر کے لئے بھی ان کی جرأت اسی طرح بڑھی ہوئی ہوگی اور وہ پہلی ہی بار میں ان کو قتل کر دے گا۔ پھر مغیرہ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوفہ کے بزرگوں کو قتل کر کے امیر معاویہؓ کی دنیا سُدھاریں اور اپنی آخرت بگاڑیں۔

زیاد کوفے کا گورنر بن کر آیا، وہ حجر کا دوست تھا، چنانچہ اس کو اپنا مقرب بنایا اور نصیحت کی کہ عافیت پسند بنو اور فتنے سے دُور رہو اور میری زد میں آنے سے خبردار ہو، لیکن حجر اور زیاد کی بنی نہیں اور بہت جلد

تعلقات میں خرابی پیدا ہوگئی اور بات اس طرح سامنے آئی کہ ایک مسلمان عرب نے ایک ذمی کو قتل کردیا۔ زیاد نے ذمی کے خون کا قصاص مسلم عرب سے مناسب نہیں جانا اور خون بہا ادا کرنے کا فیصلہ کردیا۔ ذمی کے رشتہ داروں نے خون بہا لینے سے انکار کردیا اور کہا' ہمیں تو بتایا جاتا ہے کہ اسلام لوگوں میں مساوات کا قائل ہے' وہ عرب کی غیر عرب پر کوئی برتری تسلیم نہیں کرتا۔ حجر زیاد کے اس فیصلے سے ناراض ہوئے اور اس کے نفاذ پر خاموش رہنے سے انکار کردیا، لوگوں نے بھی حجر کا ساتھ دیا، زیاد کو خطرہ ہوا کہ فیصلہ نافذ کرنے سے فتنہ ہوگا، تب اس نے قصاص کا حکم دیا اور امیر معاویہؓ کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے طرزِ عمل کی شکایت لکھی، امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ موقع کے منتظر رہو اور پہلی فرصت میں ان کا کام تمام کردو۔

مورخین کہتے ہیں کہ حجر اور ان کے تمام ساتھیوں نے زیاد کی' بصرہ کو واپسی غنیمت جانا اور اس کی غیر حاضری میں اس کے نائب عمرو بن حریث کی کارروائیوں پر اپنی شدید ناراضی کا مظاہرہ کرنے لگے، جب وہ خطبہ پڑھتا اور حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتا تو شور وغوغا کرتے، نائب نے جب دیکھا کہ معاملہ نازک ہوتا جارہا ہے تو اس نے زیاد کو لکھا کہ وہ جس قدر جلد ہوسکے کوفہ واپس آجائے، نائب نے اپنے خط میں مخالفین کی کارروائیوں کی تفصیل بھی لکھ دی تھی۔ زیاد نے جب خط پڑھا تو اس کی زبان سے نکلا، حجر ذلیل ہو تیری ماں، تیری رات صبح کاذب سے ہم آغوش ہوچکی۔

اس کے بعد زیاد بڑی تیزی سے کوفہ واپس آیا اور لوگوں کو ڈرایا دھمکایا، لیکن حجر اور ان کے ساتھیوں سے تعرض کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ایک دن جب وہ خطبہ دینے لگا تو اس میں بڑی دیر لگائی جس سے شیعہ اکتا گئے۔ حجر نے چلا کر کہا "الصلوٰۃ"۔ لیکن زیاد خطبہ ہی دیتا رہا۔ حجر دوسری مرتبہ چلائے اور ان کے ساتھی بھی چلا اٹھے، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ پھر بھی زیاد چاہتا تھا کہ خطبہ اور لمبا کرے لیکن حجر کھڑے ہوگئے اور چلا کر کہا الصلوٰۃ۔ اب تو ان کے ساتھی بھی کھڑے ہوگئے اور حجر کی طرح چلانے لگے، تب زیاد خطبہ ادھورا چھوڑ کر منبر سے اترا اور نماز پڑھائی اور لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے۔

زیاد نے کوفے کے سربرآوردہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حجر کے پاس جائیں اور ان کے پاس جمع ہونے والے اپنے آدمیوں کو باز رکھیں اور خود حجر کو اس راستے سے ہٹائیں جس پر وہ چل رہے ہیں، لیکن کوفہ کے بڑے لوگ حجر کو باز نہ رکھ سکے اور زیاد سے آکر ان کے بارے میں کہا اور کچھ بقول مورخین چھپا رکھا اور مشورہ دیا کہ معاملہ زیر غور رکھیے، لیکن زیاد نے ان کی بات نہیں مانی اور حجر کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا، حجر نے آنے سے انکار کردیا۔

اب تو زیاد نے پولس کو ان کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ پولیس والوں اور حجر کے ساتھیوں میں ہاتھا پائی

ہوئی، حُجر روپوش ہو گئے اور زیاد کا کچھ بس نہ چل سکا، تب اس نے محمد ابن قیس ابن اشعث کو پکڑا جو بنی کندہ کا سردار تھا اور اس کو جیل بھجوا دیا اور دھمکی دی کہ اگر حُجر کو حاضر نہیں کیا تو قتل کر کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا، تو محمد ابن قیس نے اس شرط پر کہ حُجر کو امان ہوگی اور زیاد حُجر کو امیر معاویہؓ کے پاس فیصلے کے لئے بھیج دے گا، ان کو حاضر کر دیا۔ زیاد نے ان کو جیل بھیج دیا، اور ان کے ساتھیوں کا بڑی سرگرمی سے کھوج لگایا۔ چنانچہ بڑی بڑی دقتوں سے تیرہ آدمیوں کو قید خانے بھیج دیا۔

اس کے بعد زیاد نے کوفہ والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ حُجر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف بیان دیں چنانچہ ایک جماعت نے کہا کہ یہ لوگ علیؓ سے محبت رکھتے ہیں اور عثمانؓ کی برائی بیان کرتے ہیں، اور امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ زیاد اس بیان پر مطمئن نہیں ہوا، اور کہا، یہ ناکافی ہے' اسکے بعد ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ابو بردہ نے یہ بیان لکھا کہ حُجر اور ان کے ساتھیوں نے اطاعت چھوڑ دی ہے اور جماعت سے الگ ہو گئے ہیں اور امیر معاویہؓ کی خلافت سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس یہ لوگ کھلے کافر ہیں۔

اب زیاد مطمئن ہوا، اور حکم دیا کہ لوگ اس بیان پر دستخط کریں، چنانچہ بہت سے لوگوں نے دستخط کر دیئے بقول مورخین دستخط کرنے والوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی، جس میں مہاجرین کے صاحبزادگان کے تین لڑکے سعد ابن ابی وقاصؓ کے بیٹے عمرؓ، ابن زبیر کے لڑکے منذر بھی تھے، زیاد نے اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا کہ بیان پر ایسے کچھ لوگوں کے نام بھی لکھ دے جنھوں نے خود دستخط نہیں کئے تھے اور نہ اس کارروائی میں حاضر تھے بعضوں نے تو لوگوں کے سامنے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر دیا، اور بعضوں نے امیر معاویہؓ کو لکھ کر اس بیان سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا، جیسے قاضی شریح، انھوں نے لکھا کہ حُجر ایک اچھے مسلمان ہیں صوم و صلوٰۃ کے پابند، حج، زکوٰۃ، عمرہ سب ادا کرتے ہیں، ان کا خون حرام ہے۔ معاویہؓ جب یہ تحریر پڑھی تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، ان حضرت نے تو بیان سے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔

حُجر اور ان کے ساتھی امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیئے گئے، امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ ان کو دمشق نہ لایا جائے بلکہ مَرج عذرا میں مقید رکھا جائے۔ مورخین کا بیان ہے کہ حُجر کو جب مقام کا نام معلوم ہوا تو انھوں نے خدا کی قسم میں پہلا مسلمان ہوں جس کو اس دیہات کے کتوں نے بھونکا تھا، اور میں پہلا مسلمان ہوں جس کے نعرۂ تکبیر سے مَرج عذرا کی وادیاں گونج اٹھی تھیں

امیر معاویہؓ نے زیاد کا خط اور دستخط کرنے والوں کا بیان پڑھا اور حکم دیا کہ یہ لوگوں کو سنایا جائے اس کے بعد اعیان دولت میں سے جو شامی اور قریشی حاضر تھے ان سے مشورہ لیا۔ بعضوں نے قید میں رکھنے کا مشورہ

دیا، اور بعضوں نے کہا کہ ان کو شام کے دیہاتوں میں منتشر کردیا جائے، امیر معاویہؓ کچھ دنوں تک فیصلہ نہ کرسکے اور زیاد کو لکھا کہ وہ اس معاملے میں کچھ توقف کرے، تب زیاد نے امیر معاویہؓ کے تردد پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ اگر آپ کو عراق کی ضرورت ہے تو ان کو میرے پاس نہ بھیجنا۔

اب امیر معاویہؓ پر راہ کھل گئی، اس نے ان قیدیوں پر اپنے آدمیوں کے ذریعے دو باتیں پیش کیں، حضرت علیؓ سے برأت اور اُن پر لعنت، اور حضرت عثمانؓ سے محبت، جس نے یہ منظور کرلیا چھوڑ دیا اور جس نے ان سے انکار کیا اس کی گردن اُڑادی۔

شام کے سربرآوردہ حضرات کی ایک جماعت نے ان قیدیوں میں سے بعض کی سفارش کی، معاویہؓ نے ان کی سفارش منظور کرلی، اب ان میں سے صرف آٹھ آدمی رہ گئے، جن پر علیؓ سے بیزاری پیش کی گئی لیکن اُنھوں نے اس سے انکار کردیا۔ ان کے قتل کا ایک طویل قصہ ہے، دو نے دیکھا کہ تلواریں کھچی ہوئی ہیں قبریں تیار ہیں اور کفن کی چادریں پھیلی ہوئی ہیں، جیسا کہ اپنی موت سے کچھ پہلے حجرؓ نے کہا تھا تو اُنھوں نے درخواست کی کہ ان کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے، وہ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں امیر معاویہؓ کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ان کی درخواست منظور کرلی گئی اور باقی چھ آدمیوں کو قتل کردیا گیا۔ بہادری کے ساتھ قتل ہونے والوں میں یہ پہلے مسلمان ہیں۔

اس کے بعد ان دونوں کو امیر معاویہؓ کے پاس لے گئے، ایک نے اپنی زبان سے علیؓ سے بیزاری کا اظہار کیا اور کسی شامی نے اس کی سفارش بھی کردی۔ معاویہؓ نے اس کو ایک ماہ جیل میں رکھا اور پھر اس شرط کے ساتھ رہا کردیا کہ شام کے کسی حصے میں بھی قیام کرے، عراق نہ جائے۔ چنانچہ اس نے موصل میں اقامت کی اور وہیں مرا۔

دوسرے نے علیؓ سے برأت کا انکار کردیا، بلکہ عثمانؓ اور خود معاویہؓ کے بارے میں ناگوار باتیں سنائیں، معاویہؓ نے اس کو زیاد کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کو بُری طرح قتل کیا جائے، زیاد نے اسکو زندہ درگور کردیا۔

اس طرح یہ شرمناک المیہ اپنی انتہا کو پہنچا جس میں مسلمانوں کے ایک گورنر نے لوگوں کو ایسی مخالفت پر سزا دی جو گناہ نہ تھی اور سربرآوردہ اور ممتاز لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ بہتان طرازی کریں اور جھوٹے بیان پر دستخط کریں، پھر قاضی کے دستخط بغیر اس کے علم و خواہش کے ثبت کردیئے، اور جب حجرؓ کو ان کی گردن مارنے کے لئے لایا گیا تو اُنھوں نے کہا، ہمارے اور اُمت کے درمیان خدا ہے، عراق والوں نے ہمارے خلاف گواہی دی اور شام والوں نے ہماری گردن ماری۔

ایک مسلمان حاکم نے اس گناہ کو مباح اور اس بدعت کو حلال سمجھا اور اپنے لئے جائز رکھا کہ ان لوگوں کو

موت کی سزا دیدے جن کے خون کی اللہ نے حفاظت چاہی تھی، اور پھر موت کا یہ حکم بھی امام نے ملزموں کو بلا دیکھے بلا ان کی کچھ سنے اور ان کو مدافعت کا بلا حق دیئے دیدیا، حالانکہ انھوں نے بار بار مطلع کیا کہ وہ بیعت پر قائم ہیں انھوں نے امام کی بیعت نہیں توڑی اور نہ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس سانحے نے دُور دُور کے مسلمانوں کے دل ہلا دیئے، اور حضرت عائشہؓ کو جب معلوم ہوا کہ اس جماعت کو شام بھیجا جا رہا ہے تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ ان کے بارے میں ان سے گفتگو کریں، لیکن عبدالرحمٰن جب پہنچے تو یہ جماعت قتل کی جا چکی تھی۔ عبدالرحمٰن نے امیر معاویہؓ سے کہا، ابوسفیان کی بردباری اور برداشت تم نے کب سے چھوڑ دی؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا، جب سے تم جیسے حلیم الطبع مجھ سے دُور ہو گئے اور اس کارروائی پر زیاد نے مجھے آمادہ کیا اور میں کر گذرا۔

اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے عمامہ سر سے اتار کر لوگوں سے اپنا رخ پھرا لیا اور رونے لگے، لوگوں نے آپ کے رونے کی آواز سُنی۔ معاویہؓ ابن خدیج کو جب افریقیا میں اس کی خبر پہنچی تو اپنی قوم بنی کندہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم تو قریش کے لئے لڑ رہے ہیں اور اپنی جانیں دے کر ان کی حکومت مضبوط کر رہے ہیں اور وہ ہمارے چچازاد بھائیوں پر حملے کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں۔

خراسان میں بھی اس حادثے کی صدائے بازگشت اس کے حاکم ربیع ابن زیاد تک پہنچی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کا ارادہ ہو چکا تھا کہ حُجر کے معاملے کے لئے میدان میں نکل آئیں لیکن اس بات سے ڈریں کہ کہیں جمل کا معرکہ تازہ نہ ہو جائے اور نادان پیش ہو کر کہیں اصلاح کے مقصد کے خلاف کچھ اقدام نہ کر دیں اس لئے باز رہیں۔ کوفی شعراء نے اس حادثے سے متاثر ہو کر بہت کچھ اشعار نظم کئے ہیں جو ہم سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ حُجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا صدمہ خود امیر معاویہؓ کو بھی ہوا۔ شروع شروع میں وہ ان کے قتل کے بارے میں متردد تھے لیکن جب حکم دے چکے تو خیال کرتے لگے کہ ان کا بڑا کڑا امتحان لیا گیا اور یہ کہ وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا ان کو ندامت ہوتی ہی رہی اور ان کا دلدوز قلق بڑھتا ہی گیا۔

بلاذری کہتا ہے امیر معاویہؓ نے زیاد کو لکھا کہ حُجر کے متعلق میرے سینے میں خلجان کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تم کو مجھے کسی ایسے آدمی کو بھیجو جو فاضل، دین دار اور عالم ہو۔ اس نے عبدالرحمٰن ابن ابولیلیٰ کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ حُجر کے بارے میں ان کی رائے کی مذمت نہ کرنا ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے ابن ابولیلیٰ کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہؓ کے پاس گیا تو اس نے مرحبا کہا اور کہا کہ سفر کا لباس اتار کر شہر کا لباس پہن لو

چنانچہ میں لباس بدل کر حاضر ہوا، انھوں نے کہا بخدا میرے دل میں آتا ہے کہ کاش حجر کو میں قتل نہ کرتا اور کاش میں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پابند رکھتا، شام کے علاقوں میں ان کو ادھر ادھر بھیج دیتا، میرے لئے کافی تھا کہ وہ میری اطاعت میں رہتے ان کو قبیلوں کے حوالے کر دیتا۔ میں نے کہا قسم خدا کی میرے دل میں بھی یہی ہے کہ کاش آپ ان میں سے کوئی بات اختیار کرتے۔ اس کے بعد معاویہؓ نے مجھے انعام سے نوازا اور میں واپس آیا، اس وقت میرے لئے زیاد کی ملاقات سے زیادہ کوئی بات مبغوض نہ تھی اور میں نے طے کر لیا کہ روپوش ہو جاؤں گا۔ پھر جب میں کوفہ پہنچا اور کسی مسجد میں نماز پڑھی تو امام کی واپسی پر ایک شخص کو سنا زیاد کی موت کا ذکر کر رہا تھا، میرے لئے اس وقت اس کی موت سے زیادہ خوش کن کوئی اور بات نہ تھی۔

راوی تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ حجرؓ کی موت کی صدا خود معاویہؓ کے گھر کے اندر تک پہنچ چکی تھی۔ بلاذری ہم کو بتاتا ہے کہ معاویہؓ نے ایک دن نماز پڑھی تو پڑھنے میں بڑی دیر لگائی، ان کی بیوی ان کو دیکھ رہی تھی، جب نماز پوری کر چکے تو اس نے کہا، امیر المومنین تمھاری نماز کتنی اچھی ہے، اگر تم حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرتے۔

پس حجرؓ کا قتل ایک زبردست سانحہ ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانے کے بزرگوں میں سے کسی نے اس بات پر شک نہیں کیا کہ یہ حادثہ اسلام کی دیوار میں ایک شگاف تھا۔ خود معاویہؓ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ وہ اپنے آخری دنوں تک حجرؓ کو بھولے نہیں اور مرض الموت میں اسے سب سے زیادہ یاد کیا۔ مورخوں اور راویوں کا بیان ہے کہ معاویہؓ مرض الموت میں کہا کرتے تھے "حجرؓ تمہارے ہاتھوں میرا بُرا ہو۔" اسی طرح کہا کرتے تھے "ابن عدی کے ساتھ میرا حساب بہت لمبا ہے۔"

یزید کی جانشینی

امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک نئی بات پیدا کر کے سنّت مؤثرہ میں بڑی تبدیلی کر دی یعنی مسلمانوں کی حکمرانی کے لئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا، حالانکہ صدر اوّل میں مسلمان خلافت میں وراثت بڑی بری بات خیال کرتے تھے۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ نے فاروقِ اعظمؓ کو نامزد کیا اور کبھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اپنے کسی لڑکے کو مقرر کر دیتے۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو ڈانٹا جس نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے لڑکے عبد اللہ کو خلیفہ بنا دیں۔ حضرت عثمانؓ کے دل میں بھی کبھی نامزدگی کا تصور نہیں آیا، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مصروفیتوں نے ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہیں دی اس لئے کہ بارہ سال تک تختِ خلافت پر متمکن رہے۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنا جانشین بنانے سے انکار کیا، اور جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح تم کو چھوڑا اسی طرح میں بھی چھوڑتا ہوں۔ لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا ہم حضرت حسنؓ کی بیعت کر لیں؟ آپ نے جواب دیا، نہ میں تم کو اس کا حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں۔

مسلمان کسرویت اور قیصریت کا تذکرہ کیا کرتے تھے اس سے اُن کا مطلب قیاصرہ اور اکاسرہ کا طرزِ حکومت ہوتا تھا اور یہ حکومت کی وراثت بھی عجمی حکومت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

امیر معاویہؓ کا معاملہ اگر یہیں تک ہوتا تو شاید لوگ کہتے کہ انھوں نے اجتہاد کیا جس میں غلطی اور صحت دونوں کا احتمال ہے، لیکن زیادتی تو یہ ہے ایک طرف انھوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے نام سے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اس جنگ کا مقصد مسئلہ خلافت مسلمانوں کی شوریٰ کے حوالے کرنا ہے، لیکن جب اقتدار پر قبضہ ہو گیا تو بھول گئے کہ یہ لڑائی کیوں کی تھی؟ اور اپنی بات سے پلٹ گئے اور جب حضرت حسنؓ سے مصالحت کا ارادہ کیا تو حسنؓ پر یہ بات پیش کی کہ میرے بعد ولی عہد آپ ہوں، لیکن حضرت حسنؓ نے اس سے انکار کیا اور اپنے شرائط میں یہ بات رکھی کہ امیر معاویہؓ کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ میں پیش ہو اور وہ جس کو پسند کریں اپنا خلیفہ بنا لیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے دوسری شرطوں کے ساتھ اس کو بھی منظور کر لیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے لئے فضا سازگار پانے سے پہلے خلافت کے حلئے شوریٰ کے قائل تھے اور مصالحت کے دوران میں بھی جب وہ اپنے لئے معاملات ٹھیک کر رہے تھے شوریٰ کی بنیاد تسلیم کرتے تھے، لیکن اس کے بعد اُنھوں نے اپنا خیال بدل دیا اور یہ سب کچھ بھول گئے، کہا جاتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے ان کے دل میں یزید کی ولی عہدی کا خیال پیدا کیا جس پر وہ متوجہ ہوئے اور زیاد سے مشورہ لیا۔ زیاد نے چندے توقف کرنے اور یزید کی چال وچلن ٹھیک کرنے کا مشورہ دیا — یزید ایک قریشی نوجوان تھا، لہو ولعب کا دلدادہ، سیر وشکار کا شوقین، شوخ، بیباک اور ہوسناک، نمازوں سے یکسر غافل۔ امیر معاویہؓ نے اس کو لگام لگائی اور رومی معرکوں میں بھیجا امیر الحج مقرر کیا، یہ سب ولی عہد ہونے کی تمہید تھی، جب دیکھا کہ اب یزید کی روش ٹھیک ہوگئی ہے تو دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا اور اطراف واکناف میں اس کے لئے خطوط لکھے، سب جگہ سے حسب منشا جوابات آئے اور کس کی مجال تھی کہ اختلاف کرتا، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے صوبوں سے وفود طلب کئے۔ چنانچہ لوگوں کے وفود آئے اور یزید کی بیعت کا اعلان کر دیا گیا۔ قریش کے صرف چار آدمی ایسے تھے جو بیعت سے رکے رہے حسین ابن علیؑ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ۔ تب امیر معاویہؓ عمرہ کرنے کی غرض سے حجاز آئے اور ان چاروں سے ملے، لیکن ان پر امیر معاویہؓ کے وعدے اور وعید کا کچھ اثر نہیں ہوا، بعضوں نے تو صاف صاف کہہ دیا اور بعضوں نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ پھر بھی امیر معاویہؓ نے انھیں سنا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ اُن کے حکم کی اگر خلاف ورزی ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا۔

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ خطبہ دینے سے پہلے امیر معاویہؓ نے ان چاروں کے پاس پولیس متعین کرکے اس سے کہہ دیا کہ جو کچھ میں کہوں ان میں سے جو بھی اس کی تردید کرنا چاہے اس کی گردن اُڑا دینا۔ اس کے بعد تقریر شروع کی اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا تذکرہ کیا اور کہا۔ میں نے لوگوں کے لئے جو تجویز پسند کی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے اور قریش کے یہ سردار اور بزرگ بھی لوگوں کے ساتھ اس تجویز سے متفق ہیں، اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی اور یہ چاروں اُٹھ کر واپس چلے آئے، اور اپنے معترضین کو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ انھوں نے نہ بیعت کی اور نہ بیعت کے لئے اپنی منظوری دی۔

یہ روایت صحیح ہو یا غلط اتنی بات بہرحال قطعی ہے کہ امیر معاویہؓ جب ان کو بیعت پر راضی نہ کر سکے تو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے اُمت سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا، البتہ اپنے مصاحبوں اور جی حضوریوں سے مشورہ لیا، سبھوں نے ان کی حوصلہ افزا تائید اور تحسین کی اور عوام وخواص

ہیں سے ایک آدمی بھی ان کے اس اقدام سے ناراضی اور ناگواری کا اظہار نہ کر سکا۔

اس طرح اسلام میں شاہی کے قدم جمے، جس کی بنیاد دباؤ، دھمکی اور خوف و دہشت پر تھی اور وراثت میں باپ سے بیٹوں کو ملنے لگی اور اُمت بادشاہ کی ملکیت بن گئی، جس کو وہ اپنے جس لڑکے کو بھی چاہے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی طرح منتقل کرنے لگا۔

۵۶ھ میں یہ سب کچھ ہو چکا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی پورے پچاس سال بھی نہیں گذرے۔ اللہ کی رحمت ہو حسن بصریؒ پر وہ بقول طبری فرمایا کرتے تھے، امیر معاویہؓ میں چار باتیں تھیں جن میں سے ایک بھی ان کے لئے مہلک ہے۔

(۱) بڑی عجلت سے اُمت کو ناداتوں کے حوالے کر دینا۔ بلا مشورہ اُمت کی لگام زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لینا، حالانکہ متعدد صحابہ اور اہلِ فضل موجود تھے۔

(۲) اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنا دینا جو بڑا شرابی اور نشے باز تھا، ریشمی کپڑے پہنتا تھا اور طنبور بجاتا تھا۔

(۳) زیاد کو اپنا بیٹا بتانا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے۔

(۴) حُجر کو قتل کر دینا حُجر اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے امیر معاویہؓ کا بُرا ہو۔

میں حسن بصریؒ کی تائید کرتے ہوئے ایسا نہیں کہنا چاہتا کہ ان چار باتوں نے یا ان میں سے بعض نے امیر معاویہؓ کو ہلاکت میں ڈال دیا، اس لئے کہ یہ صرف اللہ کے قبضہ قدرت کی بات ہے اور اس کا ارشاد ہے۔ انَّ اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء

اور مجھے یہاں یزید کے کاموں سے بحث نہیں، اس لئے کہ میں نہ یزید کی تاریخ لکھ رہا ہوں اور نہ خلافت کے لئے اس کی صلاحیت اور اہل بیت سے بحث کر رہا ہوں مجھے تو یہ بتانا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک ایسی بدعت جاری کر دی جس کو پہلے سے بہت بُرا خیال کیا گیا، یعنی حکمرانی کو موروثی بنا دینا، اس بدعت کا انجام مسلمانوں کے حق میں کیسے ہولناک وبال کی شکل میں نکلا اور بادشاہوں نے ولی عہدی کے لئے کیسے کیسے حرام حلال کئے، کتنی خونریزیاں کیں، کتنے حقوق پامال کئے اور قوم کی کیسی کیسی مصلحتوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے بعض گورنروں نے بعض شہزادوں کے لئے انھیں کے بھائیوں سے کیسی کیسی مکاریاں کیں، مکر و فریب کے کیسے کیسے جال بچھائے اور پھر قرآن و حدیث سے اس وراثت کا کہیں ثبوت نہیں، متقی مسلمانوں کے معمولات میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔

امیر معاویہؓ اور ان کی حکمرانی پر تبصرہ تو وہ ہے جو فتنے سے دُور رہنے والے ایک منتخب صحابی نے کیا ہے یعنی سعد بن ابی وقاصؓ اللہ کی ان پر رحمت ہو۔ بلاذری اپنے راویوں کی زبانی بیان کرتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ ایک دن امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور کہا،

"بادشاہ سلامت، السلام علیکم"!

امیر معاویہؓ ہنسے اور کہنے لگے۔ "بادشاہ کی جگہ امیرالمومنین کہہ دیتے تو کیا حرج تھا"؟

سعد نے کہا۔" آپ مسرّت کے عالم میں خوش ہو کر یہ کہہ رہے ہیں، خدا کی قسم امیرالمومنین بننے کے آپ کے جو خدبات ہیں انھیں کی بنا پر میں نے خلیفہ ہونا کبھی پسند نہیں کیا۔"

زیاد اور خوارج

جس جوش اور سرگرمی کے ساتھ خارجی، حضرت علیؓ کے زمانے میں اپنا کام کر رہے تھے امیر معاویہؓ کا دور آیا تو اس میں کوئی کمزوری اور کوتاہی نہیں ہوئی، بلکہ وہ بدستور اپنی راہ چلتے رہے، نہ خود آرام کیا نہ دوسروں کو چین سے رہنے دیا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں جب وہ کوفہ سے نکلتے اور جنگ کے لئے تیار ہو جاتے تو بصرہ کے خارجی بصرہ کے حاکموں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے، امیر معاویہؓ کے ابتدائی دور حکومت تک خارجی مسلسل اپنا کام کرتے رہے اگرچہ ان کی سرگرمیاں حضرت علیؓ کے دور کی طرح مختصر اور معمولی رہیں، مغیرہ اور عبداللہ بن عامر کی پالیسی ان کے متعلق حضرت علیؓ کی طرح یہ تھی کہ اگر وہ سکون سے رہیں تو ان کو پریشان نہ کیا جائے، اگر وہ غداری اور فساد کی باتیں نہ کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے، لیکن جب عراق کی زمام زیاد کے ہاتھ میں آئی تو اس نے شدت سے کام لیا۔ اس نے ان کے خروج کا انتظار نہیں کیا بلکہ نکلنے سے پہلے ہی احتیاطی تدبیریں کر دیا، چنانچہ ان کی کڑی نگرانی شروع کی، ان کے افراد کا پتہ چلایا کہ کون کون کہاں کہاں ہے، پھر جن کو پالیا، شبہے کی بنا پر ان کو گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کر دیا۔

یہ دیکھ کر خارجی بچنے کی اور اس کے جاسوسوں اور مخبروں سے چھپنے کی تدبیریں کرنے لگے، زیاد کی گرفت بہت سخت اور اس کی چال بہت گہری تھی، اس نے تمام لوگوں کو بری طرح مرعوب کر دیا، لوگ بھی انتہائی تیزی کے ساتھ روپوش ہو گئے اور اس کے خلاف سخت خفیہ تدبیریں کرنے لگے — زیاد کے زمانے میں بہت سے خارجی لڑائی سے بیٹھ رہے، ان میں باہمی اختلافات بھی پیدا ہو گئے، لیکن ان کا مسلک بڑی تیزی سے اُن لوگوں میں پھیلا جن میں اب تک نہ پہنچ سکا تھا، خواتین میں بھی اس کا حوصلہ پیدا ہوا اور وہ اس طرف مائل ہوئیں اور شریک ہو کر بعض مواقع پر کوفہ والوں کے ساتھ خروج کیا اور بصرہ میں تو بعض عورتیں قتل کی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے گئے۔

پھر خارجیوں کے انجام سے لوگ ناواقف تھے، سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوفہ یا بصرہ سے جب کبھی خارجیوں کی کسی ٹولی نے خروج کیا، شہر کے حاکم نے اس کے مقابلے کے لئے اس سے بڑی اور قوی فوج بھیج دی تھوڑی دیر مقابلہ رہا اس کے بعد فوج سبھوں یا اکثروں کا خاتمہ کر کے شہر واپس چلی آئی۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ خارجیوں کا نکلنا ان کا اپنی جانیں قربان کرنا تھا، وہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ انجام کیا ہوگا اور پھر پورے شوق اور اطمینان کے ساتھ نکلتے تھے، انھوں نے اپنی جانیں اللہ کو جنت کے بدلے میں فروخت کردی تھیں، پس ان کی پارٹی نہ فنا ہونے والی قربانی کی پارٹی تھی، وہ اپنے مقتولوں کو شہید جانتے تھے، حالانکہ ان کے حریف شیعہ اور اہل جماعت ان کو مذہب سے خارج تصور کرتے تھے، جیساکہ حضرت علیؑ نے ان کے متعلق ایک مشہور حدیث کا حکم سنایا تھا، لیکن امیر معاویہؓ کے ظالم حاکموں نے بعض خارجیوں کو واقعی شہید بنا دیا، صرف خارجیوں کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ دوسرے خیال کے لوگوں سے بھی اُنھوں نے اُن کو شیعے کی بنا پر گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کیا، ان سے لڑائی میں غداری کی ایسی ایسی چالیں چلے جس کی اسلام نے بڑی شدت سے مخالفت کی ہے۔ مثال کے طور پر ابو بلال مرداس بن اُدیہ کا واقعہ ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قتل نہایت درد انگیز سانحہ ہے، صرف خارجیوں کے لئے نہیں بلکہ بہت سے غیر خارجیوں کے لئے بھی۔ چنانچہ مُبَرّد کہتا ہے کہ ابو بلال کو متعدد فرقے اپناتے ہیں، معتزلہ ان کو اپنے متقدمین میں شمار کرتے ہیں۔ شیعہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے آدمی ہیں اور میں یقین کرتا ہوں کہ ابو بلالؓ اپنے معاصر بزرگوں کی نگاہ میں ایک متقی اور قابلِ احترام مسلمان تھے۔

ابو بلالؓ ایک زاہد، دنیا سے بے رغبت بزرگ تھے، بھلائی کے خواہاں، مسلمانوں کے خیرخواہ اجنبی اور ملاقاتی سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے، بڑے عبادت گذار، فضولیات سے دُور، صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھی تھے، ثالثی کے مخالف بن کر نہروان جانے والوں کے ساتھ چلے آئے اس کے بعد جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنے شہر بصرہ میں رہنے لگے، خارجی رجحانات رکھتے تھے، ان کی بعض کارروائیوں پر تنقیدیں بھی کرتے تھے اور زمین پر فساد پھیلانے کے سخت مخالف تھے، لوگوں سے تعرض اور بغیر گناہ ان کے قتل کو مذموم اور معیوب جانتے تھے: جب زیاد بصرہ کا والی ہوا اور وہ خطبہ دیا جو تبرا کے نام سے مشہور ہے تو ابو بلال ہی ایک مرد تھا جس نے اس کے کہنے پر کہ "میں گنہگار کے ساتھ نیکوکار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا" اعتراض کیا اور اس کو اللہ کے قول ابراھیم الذی وفی ان لا تزر وازرۃ وزر اخری وان لیس للانسان الا ما سعی کی یاد دلائی اور اس کے بعد بھی اپنے شہر میں قیام کرکے لوگوں کو اچھی باتوں کی ہدایت کرتے اور بُری باتوں سے روکتے رہے اور اپنے حلقہ سے بھلائی پھیلاتے رہے، تا آنکہ زیاد مرگیا اور اس کا لڑکا عبید اللہ بن زیاد بصرہ کا والی مقرر ہوا جس نے خارجیوں کا پتہ چلانے میں بڑی زیادتی سے کام لیا، ان کو ڈرایا، ان کے لئے جاسوس مقرر کئے، ان کو جیلوں میں بند کیا جن پر قابو پایا ان کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کاٹ دئیے۔

ابوبلال اپنے تقویٰ و طہارت اور حسن سیرت کی بنا پر لوگوں میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ ایک مرتبہ خارجیوں کے ساتھ ان کو بھی جیل بھیج دیا گیا جہاں ان کی عبادت اور قرآن مجید کی بہترین تلاوت کی وجہ سے جیل کا داروغہ ان کا بڑا گرویدہ ہوگیا، چنانچہ جب رات آتی تو وہ ان کو چھوڑ دیتا بلکہ دن میں بھی جانے کی اجازت دے دیتا اور آپ گھر والوں سے مل جل کر جیل خانہ واپس آجاتے۔ ایک دن آپ کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد جیل کے تمام خارجی قیدیوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر چکا ہے اور آپ جیل سے باہر تھے تو رات میں بھیس بدل کر قید خانے پہنچ گئے اور اپنا قتل ہوجانا اچھا سمجھا، کہ داروغہ خائن بن کر حکومت کے غصے کا شکار نہ ہو جائے۔

ابن زیاد نے ان قیدیوں کو باہر نکالا کچھ کو تو قتل کر دیا اور بعضوں کو سفارش کرنے والوں کی وجہ سے چھوڑ دیا، چھوٹنے والوں میں ابوبلالؒ بھی تھے، جیل سے نکلنے کے بعد پھر اپنی اسی روش پر قائم ہوگئے، لیکن حاکم کے مظالم سے آپ کا غصہ انتہا حد کو پہنچ چکا تھا، پھر ایک دن یہ دیکھ کر کہ ابن زیاد نے ایک خارجی عورت کو پکڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بازار میں چھوڑ دیا، بے تاب ہوگئے اور ظالموں کے درمیان مزید زندگی گذارنے کی طاقت اپنے اندر نہ پا سکے، چنانچہ اپنے تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد تیس سے زیادہ نہ تھی بصرہ سے باہر نکلے اور اس خروج کا مقصد اپنے لئے اور ساتھیوں کے لئے اچھی طرح واضح کر دیا کہ وہ ظلم و زیادتی سے بیزاری کا اعلان کریں گے، عدل و انصاف کی دعوت دیں گے اور لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، لوگوں کا مال نہیں لیں گے نہ زمین پر لوٹ و غارت گری کریں گے، لڑائی میں پہل نہیں کریں گے البتہ کسی نے حملہ کیا تو مدافعت کریں گے، ان کے ساتھیوں میں دس اور بھی آکر مل گئے، اب یہ سب چالیس ہوگئے اور بڑھے، راستے میں خراسان سے ابن زیاد کے پاس کچھ مال آرہا تھا۔ ابوبلال نے اپنا اور ساتھیوں کا اتنا حصہ لے لیا جو بصرہ کے قیام کی حالت میں تقسیم کرنے پر ملتا۔ اس کے بعد مال لانے والوں کو بحفاظت بصرہ جانے کا راستہ دے دیا۔

ابن زیاد کو جب ان کے خروج کا پتہ چلا تو اسلم بن زرعہ کو ان کے پیچھے دو ہزار کا لشکر ساتھ کر کے بھیجا جس نے مقام آسک پر ان کو پالیا اور واپسی کی اور اطاعت پر باقی رہنے کی دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے ایک ایسے ظالم فاسق کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا جو شبہے کی بنا پر ماخوذ کرتا ہے اور گمان کی بنا پر قتل کر دیتا ہے اور لوگوں پر ان کی دولت اور عزت کے معاملے میں سختی کرتا ہے اس کے بعد وہ ابن زیاد کے لشکر سے الگ رہے اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی تا آنکہ خود لشکر والوں نے لڑائی شروع کر دی، پھر تو ابوبلالؒ اور ان کے ساتھی بہادر باغیوں کی طرح حملہ آور ہوئے اور حریف کو شکست

دے دی۔ اسلم بن زرعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی رسوائی اور ذلت کی حالت میں بصرہ واپس آیا۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے اسکو سخت ملامت کی اور لوگوں نے شکست کا طعنہ دیا، حد یہ ہوئی کہ سڑکوں پر لڑکے اسلم کو ابو بلال سے ڈرانے لگے، ایک خارجی شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

أ الفا مومن فیها زعمتم ۔ و یقتلکم بآسک اربعون

کیا تمہارا خیال ہے کہ دو ہزار ایماندار تھے جن کو آسک میں صرف چالیس آدمیوں نے قتل کیا

کذبتم لیس ذلک کما زعمتم و لکن الخوارج مومنون

تم غلط کہتے ہو واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو بلکہ خارجی ایماندار تھے

هم الفئة القلیلة قد علمتم علی الفئة الکثیرة ینصرون

وہ چھوٹی سی اقلیت تھے اور تم جانتے ہو کہ چھوٹی سی اقلیت اکثریت پر فتح یاب ہوتی ہے

شاعر اللہ عز و جل کے ارشاد ــ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس کے بعد ابن زیاد نے عباد بن اخضر کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اور جب راہ میں مقابلہ ہوا تو فوج نے ان سے واپسی کا اور اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا، ان لوگوں نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے اسلم کو دے چکے تھے، تب عباد نے ان سے جنگ شروع کر دی، بڑی سخت اور لمبی معرکہ آرائی رہی، اتنے میں ابو بلال نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت فوت ہو رہا ہے تو اُنھوں نے حریف سے ایک وقفے کی اجازت مانگی کہ فریقین نماز پڑھ لیں، عباد نے اجازت دیدی، چنانچہ فریقین نماز میں مشغول ہو گئے لیکن عباد اور اس کے ساتھیوں نے نماز میں جلدی کی یا توڑ دی اور خارجیوں پر حملہ کر دیا، دیکھا کہ کچھ قیام اور رکوع میں ہیں اور کچھ سجدے میں، سبھوں کو قتل کر دیا۔ ابو بلال کے آدمیوں میں سے کسی نے حملہ آوروں کا رُخ نہیں کیا، نماز کو جنگ پر مقدم جانا، مٹھی بھر آدمیوں سے اتنی بڑی جماعت کی اس طرح غداری اور ان کو نماز کی حالت میں قتل کر دینا لوگوں کے دلوں پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا، خارجیوں میں تو اس حادثہ سے بڑا ہیجان پیدا ہوا اور اُنھوں نے اپنے بھائیوں کے انتقام میں اپنی کوششیں تیز کر دیں، البتہ عام لوگ ناراض ہونے کے بعد یہ تلخ گھونٹ پی گئے۔

مسلمان امیر معاویہؓ کی سیاست سے خوش تھے یا ناراض؟ ہم کو اس سوال کا جواب مختلف فرقوں کے متاخرین کی زبان سے نہیں سننا چاہیئے کہ یہ لوگ تاریخی حقائق سے کہیں زیادہ اپنے مذہب سے متاثر ہیں بس قابلِ وثوق بات یہ ہے کہ حکومت کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے وہ مسلمان جو امیر معاویہؓ کے معاصر تھے اگر معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے لئے ایک امام انتخاب کریں اور یہ

انتخاب بلا کسی جبر اور دباؤ کے بالکل آزادانہ ہو، ان کے پیش نظر اپنے دین کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہ ہو تو وہ کسی حالت میں بھی امیر معاویہؓ کو اپنا امام منتخب نہیں کرتے اس لئے کہ انھوں نے ان کی سیاست کا تجربہ کر لیا ہے اور ان کے گورنروں کو بھی آزما لیا ہے، اپنی ماضی قریب کی تاریخ کے پیش نظر وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا حال کیا ہو رہا ہے۔ ان پر رضامندی کی نہیں زبردستی کی حکومت کی جا رہی ہے، کتاب و سنت کی نہیں ڈراتے دھمکاتے اور امیدیں دلانے کی سیاست چلائی جا رہی ہے۔ ان کی دولت عوام کی دولت نہیں بلکہ ان کے بادشاہ اور اس کے حاکموں کی ہے، وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں اس میں حق اور انصاف اور بھلائی کے تقاضوں کا کوئی دخل نہیں۔

بڑی بڑی رقموں کے عطیے لوگوں کو اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ وفاداری پر ان کی حوصلہ افزائی ہو اور بہتوں کو حق بات کہنے اور حق کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے سے روکا جائے۔ حجاز کے بڑے بڑے لوگ انھیں عطیات کی بدولت دولت سے مالا مال ہیں جس سے کمزوروں کے ہاتھ اور طاقت والوں کی زبان خریدی جاتی ہے، شام کے لوگ ثروت سے ہم آغوش ہیں، حکومت میں اقتدار کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اس لئے کہ وہ بادشاہ کی فوج اور اس کی حکومت کے طرفدار ہیں، عراق کے لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ وہ یا تو حضرت علیؓ کے حامی ہیں یا جماعت کے باغی، اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن پر شامیوں اور حجازیوں کی سی عنایت کی نظر ہے۔ اب رہے دوسرے علاقے کے لوگ تو وہ پامال اور آلۂ کار ہیں انھیں سے خراج اور مال وصول کیا جاتا ہے تاکہ شام بھیج دیا جائے اور بادشاہ جس طرح چاہے خرچ کرے، ان کا خون بادشاہ اور اس کے حاکموں کے لئے حرام نہیں بلکہ بادشاہ اور اس کے کارندوں کو حق ہے کہ وہ اللہ کے حرام کو حلال سمجھیں اور وہ بھی دین قائم کرنے کے لئے نہیں حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے۔

میں مانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ عرب کے چالاک مدبرین میں سے ایک تھے اور سیاست میں غیر معمولی دل و دماغ کے مالک تھے، لیکن ان کے زمانے کے مسلمانوں نے ان سے پہلے کے امام بھی دیکھے تھے جنھوں نے سیاسی کمال میں دشمن کو بے بس کر دینے کا جوڑ ملایا اور اس طرح ملایا کہ لوگوں کا انصاف بھی ہوا ان کی خیر خواہی بھی ہوئی، جان و مال بھی محفوظ رہا اور پھر دین کی راہ سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا۔

اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ کے گرد و پیش کے حالات نے ان کی مدد کی اور ان کو اس سیاست پر مجبور کیا لیکن جیسا کہ میں بار ہا کہہ چکا ہوں میں معاویہؓ کی موافقت یا مخالفت کرنا نہیں چاہتا میں تو ان کے عہد کی زندگی کے حقائق تک پہنچنا چاہتا ہوں انھیں حقائق میں سے ایک بات جو قطعی ہے جس کو نظرانداز

نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ فتوحات کے بعد جب مسلمان مفتوح قوموں کے ساتھ اچھی طرح گھل مل گئے تو ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو ان مفتوح قوموں کی طبیعتوں کو پوری طرح بدل دیتے اور ان کے دل و دماغ کو عربی کر دیتے اور اس کی کوئی صورت نہ تھی، انسانوں کے معاملات کا دھارا اس طرح نہیں بہتا اور کسی زمانے میں کسی وقت بھی ایسا نہیں ہوا، یا پھر یہ مفتوح لوگ فاتحوں کا دل و دماغ بدل دیتے اور ان کی طبیعتوں کو متمدن طبیعتیں بنا دیتے، اور اس کی بھی کوئی صورت نہ تھی اور ہم نے ایسا بھی کبھی نہیں دیکھا۔

پس اب تیسری صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ان دونوں کی درمیانی منزل یعنی یہ کہ فاتح مسلمان مفتوحوں کو اپنی طبیعتوں کا کچھ حصہ دیں اور مغلوب قومیں اپنی طبیعتوں کا کچھ حصہ فتح کرنے والوں کو دیں اور اس لین دین سے دونوں طبیعتوں کا ایک ایسا توام تیار ہوتا جو نہ خالص اسلامی یا عربی اسلامی کہا جاتا اور نہ خالص رومی یا فارسی، بلکہ بیچ کی ایک چیز ہوتی۔

اور یہ فتنۃ الکبریٰ جس سے ہم اس کتاب سے بحث کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کے حصے میں بحث کر چکے ہیں، درحقیقت اسی عربی اسلامی طبیعت اور مغلوب طبیعتوں کے درمیان ایک معرکہ آرائی ہے اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں میں ایسی آزادی اور ایسا انصاف پیدا ہو جس کے بعد محتاجی کمزوری اور گمنامی کی وجہ سے کوئی مصیبت زدہ نہ رہ سکے اور نہ کوئی محض قوت، دولت اور ناموری کی بنا پر اچھا بنا رہے بلکہ سب لوگ باعزت زندگی بسر کریں، سبھوں کے تقاضے عمدگی سے پورے ہوں، برتری اور امتیاز کی بات، دینداری، تقویٰ اور شایستہ قدمی کی بنا پر ہو۔

اسلام چاہتا تھا کہ خلفاء اور حکام لوگوں کے حقوق، ان کے مال اور ان کے مفاد کے امین ہوں لوگوں کے سارے ان کے صلاح و مشورے سے ان کے معاملات کا نظم کریں، پھر ان کی کارروائیوں میں جبر و غرور نہ ہو، خود پسندی اور مفاد پرستی نہ ہو، اور یہ سب کچھ اس لئے نہ کریں کہ وہ سردار ہیں نہ ان کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس لئے کریں کہ وہ رہنما ہیں۔ لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہیں ان سے ان کی دل جمعی ہوتی ہے اور ان کو اپنے معاملات کی نگرانی کا اہل سمجھتے ہیں اور اس لئے اپنی مرضی سے بلا کسی زبردستی اور دباؤ کے ان کو یہ سب کام سونپتے ہیں اور جب ان میں سے جس کا جی چاہے گا ان کی کارروائیوں کے بارے میں باز پرس کر سکے گا اور اگر پتہ چلا کہ خلفاء نے یا حکام نے غلطی کی ہے تو اس کو درستی کرنی ہو گی۔ اسلام اس قسم کی حکومت کا، اور حاکم اور محکوم میں اس قسم کے تعلق کا خواہاں تھا، اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے اسی راہ پر چلتے رہے اور جب خدا نے آپ کو

اپنے جوار رحمت کے لئے پسند کر لیا تو آپ کے خلفاء آپ کے طریقے پر چلتے رہے اس سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا، ہاں حضرت عثمانؓ کی تھوڑی سی بات ضرور ہے خدا اُن کو اپنی رحمت سے نوازے جب بنی اُمیہ ان کی رائے پر غالب آ گئے پھر بھی آپ نے لوگوں کے کہنے پر ان کی مرضی کے مطابق رجوع کیا اور بار بار اپنا اور اپنے اعمال کا انصاف کیا اور اپنے توبہ و استغفار کا اعلان مسلمانوں کے مجمع میں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بھی کیا۔

پس حضرت عثمانؓ حق کے خواہاں تھے کبھی کر گذرتے اور کبھی آپ کے گورنر اور خواص آپ کو مجبور کر دیتے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قصداً نہ زبردستی کی نہ خود پسندی اور برتری جتائی، نہ خود غرضی سے کام لیا، زیادہ سے زیادہ اُن کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ اُن سے غلطی ہوئی لیکن اُن کا ارادہ غلطی کرنے کا نہ تھا لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کی ایک جماعت نے اُن کے خلاف بغاوت کی اور مطالبہ کیا کہ جب وہ اپنے گورنر اور خاص آدمیوں کی سرکشی کا ٹھیک طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے تو خلافت سے دست بردار ہو جائیں، اس پر جب آپ نے انکار کر دیا تو اس نے آپ کو قتل کر دیا۔

حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی راہ اختیار کی اور شاید بعض معاملات نے سابق خلفاء سے کہیں زیادہ آپ کے لئے نزاکت پیدا کر دی، آپ پوری شدت کے ساتھ بیت المال میں آنے والی چیزوں کو تمام و کمال تقسیم کر دینے پر اڑے رہے اور چاہا کہ لوگ دیکھا کریں کہ ان کا بیت المال چاندی سونے سے خالی پڑا ہے بلکہ جھاڑو دے کر صاف کر دیا گیا ہے اور اس میں ان کے امین نے دو رکعت نماز بھی پڑھی ہے ان کا امین کوئی چیز بچاتا نہیں اور نہ اپنی ذات کے لئے کچھ رکھتا ہے۔

خلافت کے والی ہونے سے پہلے آپ کے قبضے میں ایک زمین تھی جس سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی آپ نے اس کو صدقہ کر دیا اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ چند درہم کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ اور یہ درہم بھی اس لئے بچائے تھے کہ اس سے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے جیسا کہ حضرت حسنؓ نے اپنے باپ کی موت کے بعد والے خطبے میں ظاہر کیا ہے۔

اور ہم نہیں جانتے کہ چاروں خلفاء میں سے کسی نے شبہے اور بدگمانی کی بنا پر کسی مسلمان کو قتل کیا ہو۔ البتہ اس کا ہم کو علم ہے کہ یہ خلفاء اپنے گورنروں سے قصاص لیا کرتے تھے، حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ پر جو آپ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، جب گواہوں نے گواہی دی تو اس پر شراب کی حد جاری کی، حضرت عمرؓ نے اپنے ایک لڑکے پر شہادت ملنے پر شراب کی حد جاری کی۔ حضرت عمرؓ نے

مغیرہ ابن شعبہ کو سنگسار کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا اگر زیاد شہادت دینے میں متردد نہ ہو گیا ہوتا۔
چنانچہ شبہے کی وجہ سے آپ رک گئے۔

یہ اور اس سے بھی زیادہ باریکی پر خلفاء کی نظر تھی پھر کہاں وہ اور کہاں ہم؟ راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک دن اپنے بیٹے یزید سے سوال کیا کہ تمہاری پالیسی کیا ہو گی؟ یزید نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمرؓ کی پالیسی اختیار کرنا چاہتا ہے۔ امیر معاویہؓ ہنسے اور کہا میں نے تو عثمانؓ کی چال چلنا چاہی اور افسوس وہ بھی نہ چل سکا تو عمرؓ کی راہ کا کیا ذکر؟

یہ واقعہ ہے کہ سابق خلفاء میں سے کسی نے تلوار سے اقتدار حاصل نہیں کیا، کسی نے حُجر اور حُجر جیسوں کو قتل نہیں کیا، کسی نے اپنے بیٹے کو خلافت کا وارث نہیں بنایا، کسی نے زیاد اور زیاد جیسوں کو متبنیٰ نہیں کیا، کسی نے امیر معاویہؓ کی طرح صعصعہ ابن صوحان کی موجودگی میں یہ نہیں کہا "زمین اللہ کی ہے میں اللہ کا خلیفہ ہوں میں جو کچھ لے لوں میرا ہے جو کچھ چھوڑ دوں وہ میرے طفیل دوسروں کا ہے"۔

ہاں حضرت عثمانؓ نے منبر پر اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ بیت المال سے جتنا چاہیں گے لے لیں گے کوئی ناراض ہوتا ہو تو ہوا کرے۔ اس کے جواب میں عمار بن یاسرؓ نے کہا تھا کہ سب سے پہلا ناراض میں ہوں، اور حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ آپ کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا۔ صعصعہ ابن صوحان نے امیر معاویہؓ کو جو جواب دیا وہ حضرت علیؓ کے جواب سے ملتا جلتا ہے۔ اُنھوں نے کہا اس معاملے میں تو آپ کی اور کوسوں دُور کے ایک اُمتی کی حیثیت ایک ہے لیکن بات یہ ہے کہ جو مالک بن جاتا وہ دوسروں کو نظر انداز کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ نے غضبناک ہو کر کہا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے۔ صعصعہ نے کہا ہر ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ امیر معاویہؓ نے کہا میری رائے میں کون حائل ہو سکتا ہے؟ صعصعہ نے کہا وہ ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ یہ کہا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے اُن کی زبان پر یہ شعر تھا:

اریغونی اداغتکم فانی ۔ وحذفة کالشجا تحت الورید[1]

شیعہ اسی سیاست سے ناراض تھے اور انھوں نے بہت کچھ شورش کر کے مقابلہ کیا تا آنکہ حُجر اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ خوارج کو اسی سیاست پر غصہ تھا اور اُنھوں نے اپنی زبانوں اور تلواروں سے مقابلہ کیا چنانچہ قتل کیا اور قتل کئے گئے۔ اسی سیاست پر صحابہ اور تابعین برہم تھے

---

[1] یعنی۔ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ۔ من انداز قدرت را می شناسم

لیکن یہ لوگ دلوں میں ناراضی کے جذبات رکھتے تھے، بسا اوقات زیرِ لب کچھ کہتے بھی تھے، عام مسلمان صحابہ اور تابعین کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر انھیں کے ہم خیال تھے اور دبی زبان کچھ نہ کچھ کہتے بھی تھے اور کون جانے شاید خود امیر معاویہؓ سنجیدگی کے عالم میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کی سیرت پر غور کرتے ہوں اور پھر اپنی سیرت کا مقابلہ کرتے ہوں تو اپنی بہت سی باتوں کو ناپسند کرتے ہوں

مورخوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ اپنی موت کے وقت مطمئن نہ تھے اور درد اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے تھے، وہ مجرّاد مسلمانوں کے مال میں اپنے تصرف کا بار بار ذکر کرتے تھے لیکن اس پر بھی مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے بادشاہوں سے پالا پڑا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش امیر معاویہؓ ان کے لئے آخری زمانے تک زندہ رہتے۔ اُن کا بیٹا یزید اس قسم کے بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا۔

———✻———

یزید

امیر معاویہ تو عہد جاہلیت کی قریشی آب وہوا میں پل کر بڑے ہوئے تھے جس میں زیادہ تر تنگ دستی کا دور دورہ رہا اور جو قوم بھی بے آب وگیاہ چٹیل وادیوں میں سکونت رکھتی ہے وہ نفع بخش تجارت کے باوجود زندگی کے دن تنگی ترشی ہی میں گذارتی ہے۔ اس کے بعد وہ اسلام لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کے کاتب بنے، آپ کی اور دوسرے متقی مسلمانوں کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے، پھر حضرت عمرؓ کے عامل بن کر ان سے بہت کچھ ادب واخلاق سیکھا۔ جب قوم کی لگام آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ کی زندگی ان صحبتوں کے فیض سے ایک حد تک متاثر تھی لیکن بعد میں لوگوں کو آپ پر انگلی اٹھانے کا موقع ملا اور بتایا گیا کہ آپ کے قدم مسلمانوں کی جانی بوجھی سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔ لیکن آپ کے بیٹے یزید کی نشو ونما ٹھیک آپ کے مخالف ماحول میں ہوئی۔ وہ شام میں پیدا ہوا اور گورنر کی کوٹھی میں پیدا ہوا جہاں خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا، خدمت کے لئے بہت سی لونڈیاں اور غلام حاضر تھے۔ ماں کی طرف سے اس کو قبیلہ بنی کلب کی کچھ سختی اور بدویت ملی تھی، لیکن باپ کی طرف سے وہ ایک حد تک قریش کی خصوصیات کا وارث تھا، یعنی ذہین، چالاک، چالباز اور دولت واقتدار کے لئے سرگرم، اور وسائل میسر آجانے پر لطف ولذت اندوزی کے لئے وقف ہو جانے والا۔ اس فضا میں یہ قریشی نوجوان بڑا ہوا، نہ تنگ دستی دیکھی نہ کبھی روکھے پھیکے کی نوبت آئی، زندگی کے لئے نہ کبھی دوڑ دھوپ کی نہ اس کی راہ میں کبھی کوئی مشقت اٹھائی ہاتھ پاؤں مارے تو طبیعت بہلانے کے مشاغل میں اور دوڑ دھوپ کی تو جی خوش کرنے کی خاطر۔

اس ماحول میں جب مسلمانوں کی لگام یزید کے ہاتھ میں آئی تو اس کی سیرت اس کے باپ سے بالکل جدا تھی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سیرت سے بھی اس کو کوئی نسبت نہ تھی۔

اپنے باپ کے زمانے میں ولی عہد ہونے سے پہلے کی زندگی میں یزید عیش کوشی اور لوالہوسی میں حدود سے متجاوز تھا اتنا کہ لوگوں میں بات عام ہوگئی اور زیاد کو احتیاط کا مشورہ دینا پڑا اور معاویہؓ کی توجہ مبذول کرانی پڑی کہ لڑکے کے چال ڈھال پر نظر رکھیں، اس کے لئے زندگی میں رہنمائی کا وہ سامان فراہم کریں جو ولی عہدی کی امیدواری کے مناسب ہو اور جو اس میں ایسی اہلیت پیدا کردے کہ بعد

میں اتنی بڑی حکومت وہ سنبھال سکے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور رومیوں سے معرکوں میں اس کو مقابلے کے لئے بھیجا اور اس پر نگرانی رکھی، لیکن جیسی اصلاح وہ چاہتے تھے نہ کرسکے، ادھر حکمرانی کے معاملات نے ان کو مصروف رکھا اور ادھر بے لگام ہوس رانی سے خود صاحبزادے فرصت نہ پاسکے۔

باپ کا انتقال ہوا تو وہ کہیں کسی دور مقام پر تھا اور ضحاک ابن قیس کو امیر معاویہؓ کی قائم مقامی کرنی پڑی، جس نے بعد میں امیر کی موت کا اعلان کیا اور بتایا کہ اب حکومت کی لگام ان کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں ہوگی۔

اب یہ نوجوان آتا ہے اور ایک طویل وعریض سلطنت پاجاتا ہے، جس کا دامن تو دولت سے لا مال ہے۔ لیکن اس کی سیاست پیچ در پیچ ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کے بنانے میں اس نوجوان کا کوئی حصہ نہیں، اس نے اس کے قیام اور استحکام میں نہ کوئی محنت کی نہ مشقت اٹھائی، حاکم بن گیا، لیکن حکومت کی خاطر نہ اس نے لطف ولذت کے مشاغل چھوڑے نہ لہو ولعب کی بیہودگیوں سے باز آیا۔ تختِ حکومت پر بیٹھ جانے کے بعد یقین کرلیا کہ دنیا اس کی تابع فرمان ہے اور تمام کام بدستور چلتے رہیں گے اس نے یہ حقیقت اپنے دل سے بالکل بھلادی کہ باپ نے اس کی حکومت کے لئے دنیا کو ہموار کرنے میں کیسی کیسی محنت برداشت کی اور کن کن مشکلات کا مقابلہ کیا۔

یزید کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ اس کی اطاعت میں کوئی پس وپیش کرے، وہ خیال کرتا تھا کہ اس کی اطاعت تمام لوگوں کا فرض ہے، ٹال مٹول کرنے والا تو اس کے نزدیک گردن زدنی تھا۔ ناظرین ان چار آدمیوں سے واقف ہیں، جن کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے لئے رضامند نہ کرسکے، پر امیر معاویہؓ نے خاموشی پر مجبور کردیا تھا، ان میں سے ایک عبدالرحمن بن ابوبکرؓ تو امیر معاویہؓ سے پہلے ہی انتقال کرچکے تھے، باقی تین مدینے میں موجود تھے، حسینؑ ابن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ۔

ولید بن عتبہ نے جب یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تو حسینؑ اور ابن زبیرؓ نے معذرت کی اور ٹالتے رہے تا آنکہ رات میں مکہ بھاگ آئے اب رہے عبداللہ بن عمرؓ تو وہ جماعت سے علیٰحدگی پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے انھوں نے مدینہ والوں کے ساتھ بیعت کرلی۔ اس کے بعد یزید اور ابن زبیرؓ میں سخت کشمکش اور طویل آویزش رہی جس کا سلسلہ یزید کی موت کے بعد تک جاری رہا اور اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک مسلمان پوری طرح مشکلات کے پنجے میں پھنس نہیں گئے، لیکن اس واقعہ کا اس

کتاب سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے ہم اس سے بحث نہیں کر سکتے۔

حسینؑ ابن علیؑ مکہ میں ٹھہرے اور یزید کی بیعت سے انکار کرتے رہے۔ اس دوران میں حسینؑ اور کوفہ کے حامیانِ اہلِ بیت کے درمیان جن کی کوفہ میں اکثریت تھی قاصدوں کی آمد و رفت برابر ہوتی رہی۔ اہلِ بیت کے حامیوں نے حضرت حسینؑ کو لکھا، مورخوں کا بیان ہے کہ انھیں حامیوں نے ابتدا کی اور حضرت حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ یزید کی بیعت توڑ دینے کے مقصد کی رہنمائی کریں۔ اسی طرح یزید کے گورنر نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کردیا ان کی کارروائی میں سرگرمی کریں، یہ خطوط بڑی تعداد میں آئے اور کوفہ کے علماء، سرداران قبائل اور سربرآوردہ لوگوں میں سے بہتوں نے ان خطوط پر دستخط کئے، اب تو حضرت حسینؑ نے بھی اس دعوت کو غیر معمولی اہمیت دی اور چاہا کہ ان لوگوں کی بات کو اچھی طرح جانچ لیں، چنانچہ اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے ملیں اور ان کے خیالات معلوم کریں، اگر وہ نیت کے سچے، ارادے کے پکے اور اولاد علیؑ کے مخلص معلوم ہوں تو اُن سے خفیہ طور پر بیعت لے لیں، پھر جب اتنے لوگوں کی بیعت کا یقین ہو جائے جن سے یزید کی بیعت توڑ دینے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو خط سے مطلع کریں وہ کوفہ آجائیں گے۔ مسلم بادلِ ناخواستہ نکلے، راستہ میں بعض دشواریاں پیش آئیں اور حضرت حسینؑ کو لکھا کہ اب ان کو معذور رکھیں لیکن آپ نے ان کو معاف نہیں کیا۔

چلتے چلتے مسلم کوفہ پہنچے اور اپنی بات بعضوں سے راز میں رکھی اور شہر کے سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے لگے اور جب ان پر اعتماد ہو گیا تو حضرت حسینؑ کے لئے بیعت لینے لگے، نعمان ابن بشیر کو اس کی کچھ بھنک لگی لیکن اُنھوں نے مسلم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور لوگوں کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں برتی بلکہ ایک صحابی کا سا طرزِ عمل اختیار کیا، جیسا حضرت علیؑ نے خوارج کے ساتھ اور مغیرہ ابن شعبہ نے خوارج اور شیعہ دونوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اُنھوں نے لوگوں کو سمجھایا بجھایا امن و عافیت کی ترغیب دی، ان کے ساتھ نرمی برتی، یزید کی بیعت کے وفادار رہنے کی تاکید کی اور اپنے اہلِ خواص کی بات نہیں مانی جو دور اندیشی اور محتاط رہنے کی ہدایت کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے یزید کو سارے معاملات کی اطلاع کر دی، جیسے ہی یزید کو اس کا پتہ چلا اس نے باپ کے غلام سرجان سے مشورہ لیا، اس نے کہا کہ کوفہ بھی بصرہ کے حاکم ابن زیاد کی نگرانی میں کر دو اور اس کو فوری کوفہ پہنچنے کا حکم دیدو، یزید نے ایسا ہی کیا، عبید اللہ ابن زیاد کے کوفہ آتے ہی شہر میں سخت ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی نعمان بن بشیر کوٹھی میں بیٹھ رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ابن زیاد نے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی اور

پھر ایسی شدت سے کام لیا جس میں قاتل، رحم اور تردد کا کہیں گذر نہ تھا، مسلم بن عقیل اب تک اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی بیعت لے چکے تھے اور اس کی اطلاع کے ساتھ حضرت حسینؑ کو کوفہ پہنچنے کی سخت تاکید بھیج لکھ دی تھی۔

نئے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی ابن زیاد نے خفیہ اور علانیہ مسلم کی تلاش شروع کر دی اور بڑی جد وجہد کے بعد پتہ چلا لیا کہ مذحج کے ایک رئیس کے ہاں مسلم موجود ہیں، جس کا نام ہانی بن عروہ ہے، پس ہانی کا پیچھا کیا تا آنکہ وہ حاضر ہوا، بالآخر اُس کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلم اس کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں، اس کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو قید کر دیا، لوگوں نے اس پر بڑی شورش بپا کی، لیکن بات کچھ نہ بن پڑی۔

آخر مسلم مشتعل ہو کر نکلے اور اپنا نعرہ بلند کیا، جس کے بعد ہزاروں کوفی مشتعل ہو کر نکل پڑے اور مسجد تک گئے، لیکن ثابت قدم نہ رہ سکے، جیسے جیسے رات بڑھتی گئی سب چھٹ گئے اور مسلم کو کوفہ کی گلیوں میں اکیلا چھوڑ دیا۔ وہ جگہ جگہ تلاش کرتے پھرے کہ باقی رات کسی طرح کاٹ لیں۔ بالآخر ان کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا، جس نے کوٹھی کی چھت پر قتل کر کے اُن کا سر نیچے پھینک دیا اور لاش لوگوں کی طرف ڈال دی، اس کے بعد ہانی کو بھی قتل کر دیا، اور دونوں کی لاش لوگوں کی عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دی۔

حسینؓ

حضرت حسینؓ کو مسلم کا خط کے میں ملا اور وہ کوفہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں، لوگوں نے ان کو یزید کے خوف سے ڈرایا، ابن زیاد کی گرفت اور کوفہ والوں کی غداری کا تذکرہ کیا۔ ابن عباسؓ نے نصیحت کی کہ کوفہ کی جگہ یمن چلے جائیں اور اس کی ایک گھاٹی میں حکومت کے اقتدار سے دور اپنی جماعت کے درمیان قیام کریں، عبداللہ ابن جعفرؓ نے بھی آپ کو سمجھایا، خود سعید ابن عاص نے بھی کہا سنا جو یزید کی طرف سے مکّہ کے گورنر تھے، اور آپ کو جاتے ہوئے دیکھ کر کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ اصرار کے ساتھ سمجھا بجھا کر واپس لائیں، ان کے جان و مال اور ان کے اہل بیت سب امن وامان کے ساتھ محفوظ ہوں گے، عطیات اور وظیفوں کی رغبت دلائی، لیکن حضرت حسینؓ نکل چکے تھے اور تنہا نہیں بلکہ گھر والوں کے ساتھ جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، ابن عباسؓ کا یہ مشورہ بھی نہیں مانا کہ جانا ہی ضروری ہے تو گھر والوں کو محفوظ چھوڑ جائیے اور جب معاملات آپ کے حق میں استوار ہو جائیں تو بلوا لینا، لیکن آپ نے ایک نہ سنی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت حسینؓ نے ضد میں ایسا نہیں کیا نہ اپنی جان اپنے ہاتھوں مصیبت میں ڈالی۔ وہ جانتے تھے کہ یزید بیعت کے لئے ان پر تشدّد کرے گا، اگر بیعت کرتے ہیں تو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، اپنے ضمیر کی خیانت اور دین کی مخالفت کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ کے خیال میں یزید کی بیعت گناہ کی بات تھی، اور اگر بیعت نہیں کرتے تو یزید ان کے ساتھ مدافعتی کارروائی کرے گا۔

حضرت حسینؓ کا اندازہ غلط نہ تھا وہ دیکھ چکے تھے کہ ابن زبیرؓ جب بیعت سے رکے رہے تو ان پر یزید کی غضب ناکی کا کیا عالم تھا، یزید نے قسم کھالی تھی کہ اب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ابن زبیرؓ کو ایک مجمع کے ساتھ قیدیوں کی طرح لایا جائے۔ حضرت حسینؓ کی یہ بات بھی غلط نہ تھی کہ انھوں نے گھر والوں کو حجاز میں نہیں چھوڑا، اس لئے کہ حکومت کے باغی بن کر عراق چلے جانے پر یزید ان کے گھر والوں کو امن سے رہنے نہیں دیتا۔

حضرت حسینؓ کے ساتھ ان کے بعض بھائی اور بھائی حسنؓ کے لڑکے تھے، عبداللہ ابن جعفر کے دو لڑکے اور آپ کے چچا عقیل کے بعض لڑکے بھی تھے اور کچھ دوسرے لوگ جو دل سے آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے

اور بہت سے دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ آپ یزید کی مخالفت میں عراق جارہے ہیں تو آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ سے اپنی بھلائی کی اُمیدیں وابستہ کر کے آپ کے ساتھ ہوگئے۔

حضرت حسینؓ عراق کے قریب پہنچے، ابن زیاد راستوں پر اپنے آدمی مقرر کر چکا تھا، اس نے کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک شخص حُرّ ابن یزید کو ایک ہزار کا افسر بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ حسینؓ کو راستے ہی میں روکو اور کسی طرف جانے نہ دو، اور جب تک دوسرا حکم نہ پہنچے ان کو چھوڑ دو مت، دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ یہ تو لڑائی کی بات ہے تو وہ سب کے سب چھنٹ گئے ایک بھی باقی نہ رہا۔

حُر بن یزید اور اس کے ساتھیوں سے ملنے کے بعد حضرت حسینؓ کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو آپ نے چاہا کہ ان کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں تو انھوں نے آپ کی باتیں سنیں اور خوش بھی ہوئے لیکن اطاعت آپ کی نہیں کی۔ بلکہ اپنے امیر ابن زیاد کا کہنا مانا، اس کے بعد ابن زیاد نے حسینؓ سے لڑائی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جو ان سے بہت زیادہ قریب تھا یعنی عمر ابن سعد ابن ابی وقاصؓ۔ عمرؓ نے معذرت چاہی لیکن ابن زیاد نے منظور نہیں کیا، چنانچہ تین یا چار ہزار کی فوج کے ساتھ ان کو بھیجا، عمرؓ نے آکر حسینؓ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلوایا ہے وہ میری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے لکھنے والوں کے خطوط پیش کئے، عمرؓ نے بعض ایسے لوگوں کو وہ خطوط دکھائے جنھوں نے لکھا تھا اور اس وقت حاضر تھے، سب نے انکار کر دیا اور قسم کھا کر کہا ہمیں ان خطوط کا کوئی علم نہیں۔

حضرت حسینؓ نے عمرؓ کے سامنے اپنی تین باتیں پیش کیں یا تو وہ ان کو حجاز جانے دے تاکہ جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں یا پھر ان کو یزید کے پاس شام لے چلے یا ان کو مسلمانوں کی کسی سرحد پر جانے دے تاکہ وہ سرحد کے ایک فوجی بن جائیں جہاد کریں اور وظیفہ پائیں۔ عمر نے منظور کر لیا، اور کہا، میں اس کے متعلق ابن زیاد سے مشورہ کرتا ہوں۔

عمرؓ نے ابن زیاد کو حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتیں لکھیں، لیکن ابن زیاد اس کے سوا کسی بات پر تیار نہ تھا کہ حضرت حسینؓ کو مجبور کرے۔ چنانچہ اس نے جواب لکھ کر شمر بن ذی الجوشن کو دیا اور کہا یہ خط عمر کو پڑھ کر سنانا اور دیکھنا وہ کیا کرتا ہے۔ اگر حضرت حسینؓ سے لڑنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو تو تم بھی اس کے ساتھ رہو اور حسینؓ سے فرصت پا لینے تک اس کی نگرانی کرتے رہو اور اگر لڑنے سے انکار کرے یا تاخیر کرنا چاہے تو اس کی گردن مار کر تم اس کی جگہ فوج کے افسر بن جانا، عمر بن سعد نے

جواب پڑھنے اور ابن زیاد کا حکم معلوم کرنے کے بعد ہی حضرت حسینؓ سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی، اس نے حضرت حسینؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ ابن زیاد کی اطاعت قبول کر لیں، حضرت حسینؓ نے انکار کیا اور کہا اس سے تو موت اچھی۔ اس کے بعد عمر نے فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا حسینؓ کے ساتھ کل بہتر آدمی تھے، دوپہر تک جنگ جاری رہی، حضرت حسینؓ کو ان کے بھائیوں اور بھتیجوں کو اور مٹھی بھر ساتھیوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اکثر قتل کر دیئے گئے، حضرت حسینؓ نے جگر خراشی کے انتہائی مناظر دیکھے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹے، بھائی اور بھتیجے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جا رہے ہیں اور آزمائش کی ساری تلخیاں برداشت کر لینے کے بعد قتل ہونے والوں میں وہ آخری مقتول ہوں گے۔

عمر بن سعدؓ کو کچھ تھوڑے سے ساتھی جو ابن زیاد کی یہ روش برداشت نہ کر سکے کہ اس نے حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتوں کو ٹھکرا دیا، اپنی فوج سے الگ ہو کر حسینؓ کے ساتھی بن گئے تھے، انھوں نے بھی حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی اور ان کے سامنے قتل ہوئے۔ اب مسلمانوں نے آنکھ اٹھائی تو انھیں نظر آیا کہ انھیں کی قوم ہے اور اس کا سردار ایک قریشی ہے، مہاجر کا بیٹا ہے، اس کا باپ اسلام کی راہ میں پہلا تیر انداز جنت کی بشارت پانے والے دس جنتیوں میں سے ایک، فارس کی فتوحات میں مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار اور فتنے کی باتوں سے دور رہنے والا محتاط، مسلمانوں نے دیکھا کہ انھیں سعد بن ابی وقاص کے بیٹے کی ماتحتی میں لڑنے والی فوج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے، علیؓ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے۔ غزوۂ موتہ کے شہید عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب طیار کے دونوں لڑکوں کو قتل کر رہی ہے اور ان کو لوٹ رہی ہے، حضرت حسینؓ کو لوٹتی ہے اور اس طرح کہ آسمان کے نیچے انھیں ننگا چھوڑ جاتی ہے۔ یہ فوج ان کے ساتھ وہ سلوک کرتی ہے جو مسلمان مسلمان کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد عورتوں کو غلاموں کی طرح قید کرتی ہے، ان عورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی زینبؓ بھی ہیں، پھر ان کو ابن زیاد کے پاس لایا جاتا ہے۔ جو شرم اور رسوائی کے مارے صرف اتنی رواداری کرتا ہے کہ جب علی ابن حسینؓ نے جو ابھی چھوٹے تھے اور جن کو ابن زیاد قتل کر دینا چاہتا تھا، اس سے کہا ”اگر تمھارے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی رشتہ ہے تو کسی متقی آدمی کے ساتھ ان کو شام بھجوا دو“ تو اس کو یاد آیا کہ اس کا باپ ابوسفیان کا بیٹا بنتا تھا پھر تو بڑا شرمندہ ہوا اور اس لڑکے کے قتل سے باز رہا اور حسینؓ کے گھر والوں کے ساتھ اس کو بھی یزید کے پاس بھجوا دیا، اس کے بعد مقتولوں کے سر جس میں حضرت حسینؓ کا سر بھی تھا یزید کے سامنے پیش کیا،

یزید نے حضرت حسینؓ کے دانتوں پر اپنے ہاتھ کی بید رگڑی اور کہا۔

یفلقن ھاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق واظلما [1]

وہ تلواریں بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں کے سر توڑ دیتی ہیں جو ہم پر بہت گراں ہیں

راویوں کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو برزہؓ اس مجلس میں حاضر تھے اُنھوں نے یزید سے کہا: "ایسا مت کرو، میں نے ان دانتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار ہونٹ رکھتے دیکھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور مجلس سے چلے گئے۔

قیدیوں کو یزید کے سامنے پیش کیا گیا، ابتدا میں تو اس نے سختی برتی لیکن پھر نرم ہو گیا اچھا سلوک کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا، اس کے بعد ان کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔

راویوں کا خیال ہے کہ یزید اس طرح حضرت حسینؓ کے قتل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے گناہ کا سارا بوجھ مرجانہ کے لڑکے عبید اللہ ابن زیاد پر ڈال دیتا ہے۔ لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے ابن زیاد کو بُرا بھلا کہا ہو، اس کو سزا دی ہو یا اس کو معزول کر دیا ہو۔ اسی طرح اس سے پہلے امیر معاویہؓ نے حُجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اور اس کی ذمہ داری زیاد پر ڈال دی اور کہہ دیا کہ سمیّہ کے لڑکے نے یہ سب کچھ مجھ سے کروایا۔

---

[1] یہ شعر حصین ابن الحمام کا ہے، اس سے پہلے کا شعر یہ ہے:

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت تواھب فی ایماننا تقطر الدما

قوم نے ہمارا انصاف کرنے سے انکار کر دیا تو ہماری تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون ٹپکتا تھا

حسینؓ کے بعد

(۱)

شیعہ خارجیوں سے اس لئے برہم تھے اور قصاص کے خواہاں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور خارجی شیعوں کے خلاف اس لئے انتقامی جذبات رکھتے تھے کہ نہروان اور دوسرے معرکوں میں حضرت علیؓ نے ان کو تہ تیغ کیا تھا، پھر شیعہ بنی امیہ سے دو انتقام لینا چاہتے تھے ایک حجر اور ان کے ساتھیوں کا جن کو امیر معاویہؓ نے قتل کر دیا تھا، دوسرا حسینؓ کا ان کے اہل بیت کا اور ان کے حامیوں کا جن کو یزید نے قتل کیا تھا۔

بنی امیہ کے دماغ میں یہ بات تھی کہ ان کو شیعوں سے یا شیعوں اور خارجیوں دونوں سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا ہے جن کو باغیوں نے قتل کیا ہے جو حضرت علیؓ کے وفادار تھے، ان میں سے بعضوں نے خود حضرت علیؓ سے بغاوت بھی کی، علاوہ ازیں بنی امیہ عام مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کے جذبات رکھتے تھے، اس لئے کہ بدر کے معرکے میں ان کے آدمی قتل ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض راویوں کا خیال ہے ایک دوسرے موقع پر حرہ کے معرکہ کے بعد یزید کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات کی یاد آئی اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا　　جزع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے بڑے بوڑھے معرکہ بدر میں حاضر ہوتے　　جب نیزوں کے مارسے خزرج کے لوگ چلا اٹھے

بہرحال ان جماعتوں میں صرف اس لئے اختلاف نہیں تھا کہ دین کی باتوں میں ایک دوسرے سے دور تھے بلکہ انتقامی جذبات اور باہمی دشمنی بھی ان کے اختلافات کی بنیاد تھی۔

ان میں سے ہر جماعت دوسری دونوں جماعتوں سے قصاص اور انتقام کی خواہاں تھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خاندانی عصبیت فتنے کا ایک عنصر بن چکی تھی جس نے مسلمانوں کو بہت سی خرابیوں کی طرف ڈھکیل دیا، جس کا سلسلہ نہ قتل حسینؓ سے منقطع ہوا نہ مرگ یزید سے رکا بلکہ برابر جاری رہا اور آج بھی مسلمانوں کی زندگی میں ان خرابیوں کے اثرات موجود ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ قرابت کی طرف جھک پڑنے اور دین کو دور رکھنے کے مجرم صرف عراق کے لوگ

نہیں، جیسا کہ زیاد نے اپنے خطبے میں عراقیوں پر اس کا الزام عائد کیا ہے، بلکہ یہ مصیبت عام ہوئی اور اس میں عراقیوں کے ساتھ شامی، مصری، حجازی سبھی شامل ہیں، جیسا کہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ حسینؓ نے یزید کی بغاوت کی، اس کی بیعت کو ٹھکرا دیا اور کوفہ چل کر آئے کہ یہاں کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کریں اور جماعت میں تفریق ڈال کر مسلمانوں میں جنگ وجدال کی وہی کیفیت پیدا کر دیں جو اُن کے باپ کے زمانے میں تھی، پس یزید نے اور اس کے عراق کے حاکم نے نہ کوئی فتنہ جگایا نہ خرابی پھیلانے میں پہل کی، البتہ انھوں نے اپنے اقتدار کی مدافعت کی اور اُمت کے اتحاد کی حفاظت۔

یہ بات صحیح ہوتی اگر حضرت حسینؓ جنگ پر اصرار کرتے، اور کسی قسم کی گفت وشنید اور واپسی پر تیار نہ ہوتے۔ لیکن حضرت حسینؓ نے جو کچھ کہا اس میں تین باتیں پیش کی تھیں، اور ہر ایک ان میں سے اپنے اندر امن و عافیت کی راہ رکھتی تھی، اگر ان کو حجاز واپس جانے کی اجازت دے دی جاتی تو مکہ چلے آتے جہاں خونریزی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے کہ وہ حرمت کا مقام ہے اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کی اجازت دن میں صرف ایک گھنٹے کے لئے مل سکی اور اگر ان کو یزید تک پہنچنے کی اجازت دے دی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ یزید ان کو کسی طرح راضی کر لیتا یا ان کو کسی وزنی دلیل سے ساکت کر سکتا، اور پھر بحث وتنگ کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اور اگر ان کو کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے کی اجازت دے دی جاتی تو وہ عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتے دشمنوں سے جنگ کرتے، فتوحات میں شریک ہوتے، نہ کسی کو تکلیف پہنچاتے نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچاتا۔

لیکن یزید کے آدمیوں کو تو اس کی ضد تھی کہ آپ کو نیچا دکھایا جائے اور آپ کو ایک ایسے شخص کی حکومت پر راضی کیا جائے جس کو آپ اپنا مقابل یا برابری کا نہیں جانتے تھے، پس وہ کچھ ہوا جو انتہائی جبر اور سنگدلی کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ ابن زیاد نے شاید یہ سمجھا کہ حضرت حسینؓ کو قتل کر کے وہ فتنے کی جڑ اُکھاڑ دے گا اور شیعوں کو مایوس کر کے مجبور کر دے گا کہ وہ اُمیدوں اور آرزوؤں کی دنیا سے نکل کر ایک دوسرے یقین کے میدان میں آجائیں جہاں آنے کے سوا چارہ نہیں۔

لیکن اس کتاب کے تیسرے حصے میں آپ پڑھیں گے کہ ابن زیاد نے فتنے کی آگ کو اور زیادہ

بھڑکا دیا، خرابی کی دعوت دیتی ہے اور خون کو خون بلاتا ہے۔ پھر قتل وخون ریزی کی یہ انتہا مقتولوں اور پس ماندہ بچوں اور عورتوں کو اس طرح کی اذیت اور ایسا عذاب، الامان کیجیے، پڑی ہوئی لاشوں کو لوٹا گیا، جس میں فاطمہؓ کا بیٹا اور ان کے پوتے تھے۔ حضرت علیؓ کے لڑکوں اور حسینؓ کے ساتھیوں کو لوٹا گیا، عورتوں سے ان کے زیور، کپڑے اور دوسرے سامان چھینے گئے، یزید مجبور ہوگیا کہ جو کچھ ان سے چھینا گیا ہے اس کا عوض دے دے۔

حضرت علیؓ خدا کی اُن پر رحمت ہو، اپنی لڑائیوں میں اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ بھاگنے والے کا تعاقب اور زخمیوں پر حملہ نہ کیا جائے۔ شکست خوردہ لوگوں سے ان کے ہتھیار اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہ لیا جائے۔ صفین کے معرکے میں انھیں ہدایتوں پر عمل ہوا۔

پس ابن زیاد کی یہ روش جو اس نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے روا رکھی بدترین گمراہی کا عمل تھا، جس سے مسلمان اپنے رسوا کن فتنے کے زمانے میں بھی آشنا نہ تھے، پھر ان کاموں پر ابن زیاد، یزید سے کوئی سزا یا سرزنش نہ پا سکا، بلکہ اور زیادہ اس کا محبوب اور مقرب بن گیا۔

بیٹوں کے بارے میں حضرت علیؓ کی آزمائش کا سلسلہ اس سانحے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی آزمائش آج سے قبل کسی مسلمان سے نہیں لی گئی، اس میں آپ کے لڑکوں میں سے حسینؓ ابن فاطمہؓ کو عباسؓ اور جعفرؓ کو، عبداللہ اور عثمانؓ کو، محمدؓ اور ابوبکرؓ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ ساتوں آپ کے بیٹے تھے، ایک ہی دن ایک ساتھ مارے گئے اور حسینؓ کے بڑے لڑکے علیؓ اور ان کے بھائی عبداللہ قتل کر دیئے گئے، پھر حسنؓ کے لڑکے عبداللہ اور ان کے دونوں بھائی ابوبکر اور قاسم بھی قتل کر دیئے گئے، یہ پانچوں حضرت فاطمہؓ کے پوتے تھے۔ عبداللہ ابن جعفر طیارؓ کے لڑکوں میں سے محمد اور عون قتل کر دیئے گئے۔ عقیل ابن ابی طالب کے لڑکوں میں سے بھی بعض معرکے میں کام آئے، اور مسلم بن عقیل تو جیسا کہ آپ نے پڑھا کوفہ میں مارے گئے۔

ان لوگوں کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ساتھ جتنے بھی ساتھی تھے عربی عجمی سب کے سب مارے گئے، پس طالبیوں کے لئے عموماً اور فاطمہؓ کے بیٹوں کے لئے یہ مصیبت کیسی دل دوز مصیبت تھی اور خود اسلام کے لئے یہ کتنا بڑا سانحہ تھا، جس میں رواداری خیر خواہی اور خون کی حفاظت کے مقررہ اور مشہور اصولوں سے روگردانی کی گئی جس میں اس آبرو کا خیال نہیں رکھا گیا جو رعایت کی سب سے زیادہ مستحق تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو جو مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ حد سے زیادہ

احتیاط برتیں اور اہل بیت میں سے کسی پر بھی لب کشائی سے پہلے گناہ سے بچیں۔

یہ سب کچھ ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی صرف پچاس سال گذرے تھے۔ پھر اگر یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور اصرار کے ساتھ کہتے تھے کہ حضرت حسنؓ کو زہر دے کر مارا گیا تھا تاکہ یزید کی ولی عہدی کا راستہ صاف ہو جائے تو ہم کو اندازہ ہوگا کہ امیر معاویہؓ اور ان کے لڑکے یزید کے عہد میں مسلمانوں کے معاملات خرابی کی انتہا تک پہنچ گئے تھے۔

حسینؓ کے بعد

(۲)

اِس مذموم حرکت کے بُرے نتائج بہت جلد اپنے اثرات دکھانے لگے، اس سانحے کی اطلاع جب حجاز پہنچی تو وہاں کے لوگوں کو اور خصوصاً صالحین کو سخت صدمہ ہوا، عام طور پر لوگ اس کا چرچا کرنے لگے اور واقعے کی اہمیت بڑھنے لگی، دلوں میں ناثرات پیدا ہوئے، لوگ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یزید کا اقتدار اب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں حد سے بڑھ گیا ہے، اس کی اطاعت اب ہم پر ضروری نہیں بلکہ موقع تو اس سے بغاوت کرنا ہمارا فرض ہے۔

حجاز میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی طاقت بڑھ چکی تھی، ان کے ہمدردوں اور حامیوں کی جماعت میں کافی لوگ شریک ہو گئے تھے۔ یزید اس فکر میں تھا کہ حسینؓ کی طرح عبداللہ ابن زبیرؓ سے بھی فرصت پالے اور جب اس کو معلوم ہوا کہ مدینہ کی فضا بہت خراب ہے، وہاں کے لوگ علانیہ اُس کی مذمت کرتے ہیں تو اس نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مدینے سے ایک وفد بھیجے، اس نے حکم کی تعمیل کی اور ایک وفد بھیجا۔ یزید نے اس وفد سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کی اور وفد کے ہر رکن کو پچاس پچاس سے نوازا اور بزعم خود سمجھا کہ ایک ہاتھ سے اس نے جو زخم پہنچایا تھا دوسرے ہاتھ سے اسکو بھر دیا۔ لیکن وفد کے لوگ جب واپس آتے ہیں تو مدینہ والوں سے علانیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک فاسق کے پاس سے آ رہے ہیں جو شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا، نفسانی خواہشوں کا غلام ہے، طنبور بجاتا ہے اور مغنّی عورتوں کے گانے سنتا ہے۔

یہ باتیں مکّہ میں عبداللہ بن زبیرؓ تک پہنچتی ہیں اور وہ بہت کچھ اس میں اپنی طرف سے بڑھا کر یزید کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں۔ اس کے بعد مدینہ کے لوگ بغاوت کرتے ہیں اور یزید کے گورنر کو اپنے یہاں سے نکال دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبداللہ بن حنظلہ غسیل کو اپنا حاکم مقرر کرتے ہیں اور بنی اُمیہ کا محاصرہ کر لیتے ہیں۔ بالآخر مجبور ہو کر یزید، نعمان بن بشیر انصاری کو بھیجتا ہے کہ باہم صلح و صفائی ہو جائے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ پھر یزید نے ایک فوج بھیجی جس میں بارہ ہزار شامی تھے۔ اس فوج کا افسر مسلم بن عقبہ مرّی کو بنایا اور ایک حکم دیا جس کا ابتدائی حصّہ صحیح تھا اور

آخری حصہ غلط، حکم یہ تھا کہ وہ مدینہ جاکر وہاں سے لوگوں کو اطاعت کی دعوت دے اور اظہار معذرت کے بعد تین دن کی مہلت، اگر اس میں اطاعت کرلیں تو ٹھیک ورنہ یہ دن بول دے۔

یہاں تک یزید حد کے اندر تھا، اس کو حق تھا کہ اپنے باغیوں اپنی اطاعت کی از سر نو دعوت دے، لیکن وہ اسی حد پر رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا اور باطل کی حد میں قدم رکھ دیا، چنانچہ مسلم کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ مدنی باغیوں پر غالب آجائے تو تین دن تک مدینہ شامی فوجیوں کے حوالے کردے کہ ان کا جو جی چاہے کریں اور جس طرح چاہیں لوٹیں ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

چنانچہ مسلم مدینہ آتا ہے اور معذرت پیش کرنے کے بعد مدینہ والوں سے مقابلہ کرتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دینے کے بعد مدینہ تین دن کے لئے اپنی فوج کے حوالے کر دیتا ہے، جس نے قتل و غارت کا بازار گرم رکھا، لوگوں کی عزت و آبرو پر ہاتھ بڑھایا، اس کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے ان سے بیعت لی گئی، کتاب و سنت پر نہیں جیسا کہ مسلمانوں کا معمول تھا بلکہ اس بات پر کہ وہ سب کے سب یزید کے غلام اور حاشیہ بردار ہیں، جو شخص بھی اس بیعت سے انکار کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی۔

اس طرح مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علانیہ اللہ کے نام کی نافرمانی اور دین سے سرتابی کی گئی، اور یزید اور اس کے حامی یہ سمجھتے رہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد یہ فوج مدینہ چھوڑ کر مکہ گئی اور ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا، مسلم تو راستے ہی میں مرگیا، اس کی جگہ حصین بن نمیر سکونی فوج کا افسر مقرر ہوا۔ شامیوں نے مکہ کے محاصرے میں شدت کر دی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ منجنیق کا استعمال کیا اور کعبے میں آگ لگادی، اور ابھی محاصرہ باقی تھا کہ یزید کے مرنے کی خبر پہنچی اور وہ سب کے سب شام واپس ہوگئے اور ابن زبیرؓ محفوظ رہے۔

ابن زبیرؓ کا مکہ میں محاصر کئے رہنا تا آنکہ وہ اطاعت قبول کرے یزید اور اس کے ساتھیوں کے لئے کافی تھا، لیکن یزید کی فوج بقصد تھی کہ مدینہ کی طرح وہ مکہ کی حرمت بھی خاک میں ملائے گی۔ اس طرح یزید نے قتل حسینؓ کے بعد پھر ایک بار عام مسلمانوں کو اور خصوصاً حجاز والوں کو سخت ناراض کیا۔

یہ غلو اور گناہ میں حد سے بڑھ جانا سخت مذموم اور قابل ملامت ہے، سیاست کا تقاضہ تھا کہ یزید کی بغاوت کرنے والوں سے جنگ کی جائے، ان کو قتل کردیا جائے یا پھر وہ اطاعت

قبول کرلیں، لیکن ان کے اعضاء کاٹ لینا ان کی بے حرمتی کرنا یہ تو ایسی شرمناک حرکتیں ہیں جن سے نہ صرف دین بیزار ہے بلکہ یہ سیاست کے لئے بھی ناگوار ہیں، نیز عربی طور طریقوں کے بھی خلاف، پھر یہی باتیں بعد میں سینوں اور دلوں میں بغض و کینہ بھر دیتی ہیں، چنانچہ انھیں باتوں کی وجہ سے یزید نے شیعوں اور خارجیوں کے ساتھ اہل جماعت کے دلوں میں بھی اپنی طرف سے بغض اور عداوت پیدا کردی تھی۔

انھیں باتوں کا انجام یہ نکلا کہ حکومت ابوسفیان کی اولاد میں باقی نہ رہ سکی اور نکل کر دوسرے کے ہاتھوں میں چلی گئی، اور یزید ابھی چار ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ لطف اندوزی کے ہاتھوں بُری موت مرا۔ راویوں کا بیان ہے کہ وہ ایک بندر سے دوڑ میں مقابلہ کر رہا تھا کہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور مرگیا۔

فتنے کا خاتمہ

جس فتنے کی آگ حضرت عثمانؓ کے قتل سے مدینہ منورہ میں ۳۵ھ میں بھڑکی، تقریباً تیس سال تک بہت سے مرحلوں سے گذرتا ہوا یہاں پہنچ کر وہ فتنہ ختم ہوگیا، آپنے پڑھا اس نے کیسے کیسے ہولناک مصائب نازل کئے، کتنی خونریزیاں کیں جانیں لیں، رسوائی اور بے عزتی کے کیسے کیسے سامان کئے، اسی کے لپیٹ میں خلافت راشدہ برباد ہوئی، مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ایک استبدادی شاہی کا قیام عمل میں آیا جس کی بنیاد دین پر نہ تھی بلکہ سیاست اور مفاد پرستی پر تھی، خیال کیا جاتا تھا کہ بیس سال تک جس بانیٔ سلطنت کو حکومت کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھنے کا موقع ملا ہے وہ کم از کم ایک عرصہ کے لئے ابوسفیان کے خاندان میں حکومت کی جڑیں مضبوط کر دے گا لیکن ایسا نہیں ہو سکا حکومت نے بہت جلد اس خاندان کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن یہ ساتھ بھی نرمی اور آسانی سے نہ چھوٹ سکا، اس لئے کہ فتنہ یزید کی موت کے ساتھ مر نہیں گیا بلکہ ایک حد پر پہنچ کر اس نے پھر سر اٹھایا اور بڑی شدت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوا، اس نے حکومت اور مسلمانوں کو ایسے مشکلات اور مصائب سے دوچار کر دیا جو خرابی اور گہرائی کے اعتبار سے اس کتاب میں ذکر کردہ بعض واقعات سے کسی طرح کم نہیں۔

اسلام نے جن بہت سے اعلیٰ نمونوں کی دعوت دی ہے انہیں میں کے ایک اعلیٰ نمونہ تک پہنچنے کے لئے یہ ساری کشمکش ہوئی مقصد تو حاصل نہ ہو سکا البتہ خونریزیاں ہوئیں جانیں گئیں رسوائیاں ہوئیں اور لوگوں کا دین خراب اور دنیا برباد ہوئی۔ یہ اعلیٰ نمونہ وہ عدل و انصاف تھا جو دنیا کو امن و عافیت سے معمور کر دیتا جس کے حصول کے لئے مسلمانوں کی گردنیں برس ہا برس تک مسلسل کٹتی رہیں اور کامیابی نہیں ہو سکی، یہاں تک کہ بعض شیعہ اس عدل کے آنے سے تو نہیں لیکن اس کے جلد آنے سے مایوس ہوگئے اور اپنا عقیدہ بنا لیا کہ ان کے اماموں میں سے کوئی امام کسی دن آئے گا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح آج وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔

طٰہٰ حسین، قاہرہ

مئی ۱۹۵۳ء

حضرت عثمانؓ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

کے قلم سے

اُردو ترجمہ

علامہ عبدالحمید نعمانی

ناشر

نفیس اکیڈیمی

اسٹریچن روڈ ——— کراچی